

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

انفسل بفضل منعام و انعام نعم علام و دين ايام سعادت فرجام و زمان فرخ قام از نايغات
و تعنيفات باوي انام ناشر احكام و حامی ايمان و اسلام جناب السيد آقا حسن حسيني
مجتهد العصر و الزمان ادام الله وجوده الشريف بدوام الازمان و الايام اعني

۲۰۵۵۴
۲۱۷

ترجمہ عماد الاسلام

حصہ اول

کتاب التوحید

من مصنفات مشید عماد الاسلام را غم الوف الغصام بذی الفقار و الصوارم الخسام مروج
طریقہ جادہ لکرام حجتہ الاسلام مولانا السید دلار علی رضا خفر اناب اللہ شریعہ و جل الجنة مشواہ بسی
فضائل انتساب فواضل الکتاب جناب نوی سید علی صاحب جہیر پوری تتم دفتر عماد الاسلام

د مطبع عماد الاسلام لکھنؤ طبع شد

لکھنؤ چک جہری محمد

پاک و پاکیزہ مالا کلام کرے اور اپنی نعمت تم پر تمام کرے۔ تم کو چاہئے کہ تم اس کے شکر گزار ہو۔ تا بعد از فرمان بردار ہو۔ پاک و منزه ہے وہ عجب اس کی شان ہے بقا تھا اسی ہی کیلئے بعد فنا کون و مکان ہے جیسا قبل ابتداء دنیا تھا۔ ویسا ہی بعد فنا دنیا رہیگا۔ فنا ہو جائیں گے اس وقت یہ سب زمانے اور وقت و مدت۔ زائل ہو جائیں گے یہ ماہ و سال و آن و ساعت۔ نہ رہیگا کوئی سوائے ذات خدا کے واحد قہار۔ جس کی طرف راجع ہیں جمیع امور دنیا و دوزگار۔ ایسا خدا جو نہ کسی سے تبدیل و تغیر پائے۔ کیسی ہی راتیں گزریں اور زمانہ چکر کھائے۔ اور شہادت و گواہی دیتے ہیں ہم کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ اسے خدا کے بندے اور رسول ہیں۔ جو سب رسولوں سے افضل اور زیادہ مقبول ہیں۔ ایسے زمانہ میں انکو مبعوث کیا اور بھیجا۔ جب زمانہ امتوں کے اختلاف سے تہ دبالا۔ اور لوگوں میں سنہ و فساد برپا تھا۔ ریسہ و دین شکستہ ہو گئی تھی۔ قلعہ یقین کی دیوار جنبش کر چکی تھی۔ ہدایت کے بازار سرد و گمراہی شامل تھی۔ شیطان کو نصرت۔ اور ایمان کو ذلت حاصل تھی۔ ستون ایمان گر رہے تھے۔ علمہاے دین جھک چکے تھے۔ راہین اسکی پیٹھ پر گئیں۔ انہیں نشانیاں اسکی مٹ رہی تھیں۔ انبار باطل سے شعلہ نکل رہا تھا۔ کفر کا شیرازہ وار چل رہا تھا۔ پس جب آنحضرتؐ نے ظہور فرمایا۔ تو اس شعلہ کفر کو بجایا۔ اور بنیاد کفر میں زلزلہ ڈالا۔ اور اسکے ارکان و ستون کو ٹکوار سے اپنے علی کی آویزا۔ اور انکی ذوالفقار سے اس کے بہادر دن و چھانیتوں کو چھوڑا۔ خدا اپنی رحمت نازل کر کے آنحضرتؐ پر اور انکی آل پر جو ان کے پیرو اور قدم با قدم ہیں۔ جنہوں نے کلمہ حق بلند کیا۔ اور جو انکی حیات میں اور بعد ان کے مددگار حق اور انکی ہمد ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی رحمت نازل کرتا رہے آنحضرتؐ پر اور انکی آل پر جب تک کہ دن کی روشنی ہے اور درختوں کی ٹھنیوں میں منبری اور پتی ہے۔ اور ہر دم یہ بھی گواہی دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اہلبیت اختیار ائمہ اطہار زمین پر امین پروردگار ہیں اور مخلوقات پر حجت کردگار ہیں۔ باعث حفاظت دنیا و آخرت انکی محبت ہے بلکہ لازم و واجب انکی مودت ہے۔ ذلیل اسکی یہ آیت ہے قل لا اسئلكم علیہ اجر الا المودة فی القربى جبکہ خلاصہ مفاد یہ ہوا۔ کہ وہ ان سے اسے محمد مصطفیٰ نہیں چاہتے تم سے اجر رسالت و کوئی جزا۔ سوائے محبت و مودت اہلبیت و ذوالفقار۔ جسے انکی اطاعت کی اسنے خدا کی اطاعت کی اور مراقبہ۔ اور جسے ان کے خلاف اور انکی نافرمانی کی اسنے خدا سے عناد کیا اور محاربہ۔ انہیں کے سبب سے قبول ہوتے ہیں اعمال۔ انہیں کے سبب سے درست ہوتے ہیں افعال و احوال و اولئک علیہم صلوات من ربہم و اولئک ہم المفلحون یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے خدا کی رحمت سے بھی ہیں وہ لوگ مفلحین جنہوں نے فلاح حاصل کی۔ پھر بعد حمد و ثناء کے کہتا ہے نبیہ گنہگار محتاج مغفرت پروردگار علی بن ابی طالب محمد معین معز و بہ سید دلدار علی درگذر کرے خدا ان کے گناہوں سے اور محسور کرے ساتھ ائمہ طہیین و طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے کای گروہ مؤمنین مخفی نہ رہے تم پر کہ دنیا دار غرور و انقطاع ہے لوگوں کو فیرب دیتی ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ باقی رہیگی۔ حالانکہ فانی ہے اس کے لئے بقا و فنا نہیں ہے۔ پس کہتے ایسے ہیں کہ مر گئے ہیں انکی میت پر گریہ و زاری ہو رہی ہے۔ کیسی تعزیت و تسلی اور دلداری ہو رہی ہے۔ کوئی دروہامیری میں مبتلا ہو رہا ہے۔ کوئی کسی کی عیادت کر رہا ہے۔ کوئی بسک رہا ہے دم توڑ رہا ہے۔ خدا جزای خیر دے جسے یہ کھاتے ہے ہی الدنیا تقول من علیہم کذا و کذا من بطشے و فتنکی فلا یغیر کما حسن ایشامی و فقولی مضحک و الفعل مبکک یہ دنیا اُن سے جو اسمیں ہے کہتی ہے کہ بھاگ اور حذر کر میری آفت ناگہانی اور پہنچے و فریب سے دھوکا کتبامیری تر و نازگی و زینت و زیب سے۔ کہ بات کی بات میں ہنساتی ہوں۔ اور چٹکی بجائے تین رو لاتی ہوں۔ اور اسی طرح

ایک دوسرے شخص کے کھانے کا حصہ اصبحت واللہ فی مضیق ہل من لیل الی طریق اوت لدنیا لا عینے
 تلاعب المروج بالغریق ہ قسم بخدا کہ عجیب طرح کی مضیق و سختی ہے۔ کوئی جان بڑی کی راز نکل سکتی ہے۔ تفت ہی اس نیا
 پر کس طرح کی شعبہ مجھو دکھاتی ہے۔ جس طرح ڈوبتے ہوئے کو موج کھیل کھلاتی ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ ایک دن میرا گدا ایک
 خراب مکان کی جانب سے ہوا میں نے اپنا سڑکا لکڑی میں جھانکا اور یہ شعر پڑھا نادرت المال فی المال الذی بہ اجمع
 الذنیا بصر ما فعل ہیکار کے کہو مالک مال سے جسے حرص نیا میں جمع کیا کہ وہ مال کیا ہوا اور اسے کیا کیا۔ جواب میں
 ایک ندامت غیبی کی آئی ہے کان فی دار سوا ہاد ایکا ہ عللتہ بالمیخ حتی انتقل ہ اس نیا کے سوا ایک طلبہ اور یہی
 مکان تھا کہ جب اسکو مال و مالانی سے بھر دیا تو کٹکاش موت اسکو کینچ لیگئی اور دوسری جگہ چلا گیا۔ اور ایک شخص نے
 کہا ہرے یا مخاطب اللہ نیا الی نفسہ ہ تنح عن خطبتہا تسلحہ ان التی تحتظب غدا رقة ہ قریبہ العرس من الماتہ
 اے و نیلے اپنی شادی کی خواہش کر نیوالے۔ اگر اپنی سلامتی چاہتا ہے تو اس سے کنارہ کشی کرے۔ جس ہی شادی کی خواہش
 کرتا ہے وہ بڑی نیکو کارہ ہے جسکا غدر پیہم ہے۔ جس میں خوشی و غم شادی مایم توام ہے۔ اور اسی کا مصداق ہے کہ ایک ایک
 دوسرا صدق و صدیق واثق ہر طرح کے لائق تھی۔ اور عمدہ عمدہ محاسن عقائد و مکارم اخلاق و اعمال حسنہ و محامد ہر فائق
 تھے۔ جمال عارفین۔ پیشوا اے صالحین۔ جنکے اعتقادات حقہ مثل بچار کے مضبوط و مستحکم۔ جنکی رائے صحیح و تقیم مثل بڑے
 بڑے درختوں کے محکم۔ جنکی ہر نظر میں اعتبار و عبرت حاصل۔ جنکا سکون عہدہ عمدہ فکر و دن پر شامل۔ رحمت خدا تھے مومنین
 کیلئے۔ اور غضب اتنے کافر و بدین کے لئے۔ حق تعالیٰ انکو انکے ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم میں کیساتھ محشور کرے۔
 ایس ایک مانہ پھر تھا کہ ہم سب آپس میں ہمد۔ صحبت اجاب سے نہایت خوش و خرم۔ فارغ البان کوئی غم نہ کوئی ملال
 اکثر اوقات عبادت و اقامت جمعہ و جماعت میں مشغول۔ اکثر امور خیرات و مبرات حسنات و قریات کا معمول تھا۔ ناگہانی آفت
 آسمانی سے عیش و نشاط بدلا۔ اور زمانہ پلٹا۔ گویا کہ جو چشم اہل ایمان تھا۔ اسکو نظر لگی۔ کہ اسی صدیق کامل کیلئے مرض شدیدی
 کی بلا نازل ہوئی۔ انکے کو صبح کی تیاری ہوئی۔ نفارہ چیل بجا۔ جسے انکا ساتھ چوٹھا۔ کوہ مصیبت انکے فراق میں ہم پر نا
 وہ تو تنہا رہی ہوئے۔ اور ائمہ بعدہ ہر مفارقت ہمارے لیے چور گئے۔ سوائے خدا کے اس زمانہ کی کس سے
 شکایت کریں کہ جب بڑائی پر کمر باندھتا ہے۔ تو ہم بڑائی کرتا جاتا ہے۔ اور جب کبھی بھولے سے کوئی نیکی کرتا ہے۔ تو فوراً
 بھی نادام ہوتا ہے یاد ہر اوقات لك من خلیل ہ کہ لك فی الاشراف والاخیل ہ مرطالب و صاحب ہ
 واللہ لا یقنع بالبدیل ہ اسے زمانہ ناہی رقت ہی تجھ پر کہہ کتے آپے دوست و طالب و صاحب صبح و شام
 قتل کرتا ہے۔ اور تو معاوضہ و خونبھا و دیت پر راضی نہیں ہوتا بغیر قتل کے نہیں چوڑتا ہے۔ بعد اس سانچہ جانگزا اور
 واقعہ مصیبت انکے بسبب تریخ و ملال و شکستگی قلب و انحلال احوال کے انکھوں کی نیند اور گئی اکثر ایسا ہوا کہ تمام تمام
 رات گزر گئی اور میری آنکھ نہیں چپکی۔ ایک مدت تک بھی حال رنج و ملال رہا۔ ایک روز میرے خیال میں یہ بات اور دلین
 یہ خیال آیا۔ جبکہ عادت الہی اور مشیت ایزدی یوہن جاری ہوئی ہے۔ کہ ہر ذبیحہ کو راہ موت و پیش آتی ہے۔ جیسا اس
 جیہ لبیب نے فراموت کا پایا ہے۔ اس طرح سب کو اسکا مزا چکھنا ہے۔ اور کسی کیساتھ سوائے اسکے اعمال و افعال کے
 کوئی نہیں جاتا۔ تو اب یہ غفلت کیسی ہے اور یہ بیہوشی و خواب کیسی۔ اور اپنے نفس سے خطاب کر کے میں نے کہا کہ کیا تو نے
 یہ قائل کا قول نہیں سنا ہے ویکے علی الموتے ویدک نفسہ ہ ویرعم ان قد قل عنہم عزائک ہ ولو کان ذاعقل را
 وفتنہ ہ لکان علیہم بکاؤ ہ مردوں پر روتا ہے۔ اور اپنے نفس کو چوڑتا ہے۔ اور کیا یہ گمان کرتا ہے کہ

اسکی تختہ درون پٹ نامان مردون کا بوجہ سبک و ملکا کر گیا اگر صاحب عقل سلیم و فہم متقیم ہوتا تو اسنے حال پر گریہ و زاری و
نالہ و بیقراری کرتا نہ اوپر رونا۔ اور یہ بھی غریبی نفس سے کہا کہ دسویں پڑی کیونکر حاصل نہیں کرتی کیا بجا و یہ ہود پرستی انہوں میں
اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ تو بچے باوجودیکہ یہ قول حق تعالیٰ سے کل نفس ذائقہ الموت و کل من علیہا فان و یبقی وجہ
ربک ذوالجلال والا اگر امیر و دنیاوی چاہے گا جو کچھ دنیا و مافیہا میں داخل ہوا ہے۔ البتہ ذات
پروردگار عالم باقی و جاودانی ہے۔ پس کیونکہ ہمیں موت پر مہیا و آمادہ ہوتی۔ کیا نہیں سمجھتے کہ جو چیزانی و الیٰ ہر بہت جلد جاتی
اور آنا فانی ہوتی جاتی ہے۔ ایسی دوست و احباب کی موت اور انکا قبر میں سونا کیونکہ نہیں یاد کرتی ہے کہ کیسی کیسی اچھی اچھی صورتوں
کو خاک قبر نے مٹے مین ملا دیا۔ کیسے انکے اعضا و اجزا بدن کو پارہ پارہ اور متفرق کر دیا۔ کیسی الکی قوتیں ہو یہ اور اولادین و بہیم
بیوارثہ والی ہو گئیں۔ کیسا مال انکا سبب بنا ہوا۔ اور سبب بنائے خالی ہو گئیں۔ ایسے مفقود و بخر ہو گئے
کسی کا کچھ پتا نہیں لگتا۔ کوئی حال معلوم نہیں ہوتا۔ خدا جزاے خیر دی جسے یہ شعر کہے ہیں۔ بعد الدنیا فادرت
ساداتہا و رمتہم بغیاہ جسم شتاتہا حتی سقوا کلس المنیۃ عاجلا و مرکبہا و تجرعو اکر یا تمانہ فقد
لہم نیعی الساجد حسرة و منابر تبکی لفققد عطاہا و مدادس و دست بہا احکامہا و درست و لیتام لفققد
صلوہا و دور ہو یہ دنیا کیسے کیسے سردار و شرفا و سادات کو اسنے تباہ و برباد کیا۔ ایسا انکو نشانہ مصیبت بنایا کہ آپس سے
جدا ہو گئے۔ کیسا دہو گئے اور فریب میں آ گئے۔ کیسا علد کا شہ شربت موت انھوں نے پیئے۔ اور اسکی کرب و مصیبت
کیسے گنت گنت رہی۔ اور مصیبت میں مت کیطرح خون گھونٹ پی۔ مبرور استیجا سنسا۔ کیسی خستہ انکی مریضی بریں ہی ہے۔ ہر در و دیوار
مسجد پرورداری ہے۔ نگاہ محراب انکے دیکھنے کو ترس رہی ہے۔ مدرسہ جہان احکام دین کا درس ہوتا تھا خالی پڑے
ہیں و خندہا رکھنڈ ہو کر گر رہے ہیں۔ اور بچہ بھی پینے اپنے نفس سے کہا۔ کیونکہ ہمیں ایک ایک کو امنین یاد کر کر
اور تفصیل و احوال انکا کیونکہ نہیں دیکھتے۔ کیسے عیش و نشاط میں پڑے تھے۔ کیسے طول اہل میں پھنسے تھے۔ جہنم
پر مرتے تھے۔ موت کو بھولے بیٹھے تھے۔ ہر وقت اپنی خواہشوں کے سامان مہیا کرنے میں کیسے وہ مستند مستند تھے۔
اپنی قوت و جوانی پر کیسے انہیں گمنند تھے۔ کیسی لہو و لعب اور منشی دل لگی میں انھیں مہوشی تھی۔ کیسی محبت احباب میں
گرم جوشی تھی۔ کیا چلتے پھرتے تھے۔ کیا اودھم جوتے تھے۔ اب بچہ حال ہی کہ کیسے بچے اپار ج پر ٹوٹے پڑے ہیں۔
جوڑ جوڑ بند بند جدا ہوئے ہیں۔ کیسے خوش گفتار و شیرین کلام تھے۔ اب انکی زبان کو کثرون نے کہا لیا۔ کیسے خوش
مراجہ میں مکھ تھے اب انکے دانتوں کو مٹی نے خاک میں ملا دیا۔ جب تفصیل و احوال انکا سنا تو میری نفس چوٹکی۔ اور
خواب غفلت سے بیدار ہوئی اور چارون طرف علم و عمل پر نظر ڈورتی لگی کہ کوئی ایسی بات ہے جو دوسرے نجات ہے۔
جسکے سبب تقرب درگاہ باری میں حاصل ہو جسکے دریو۔ سے بہشت عنبر سرشت میں داخل ہو۔ بعد غور و تامل کے
معلوم ہوا کہ انسان کا کمال و صلاح و فوز و صلاح منحصر ہے کہ ان دونوں علمی و عملی قوتوں کی تکمیل کرے۔ اور اس عمدہ
طریقہ سے جو خوشنما اور پسندیدہ و مفید کرے۔ اور اسی پر متفق تمام اہل مذہب و ملت کے اصحاب روحانی ہیں۔ اور اسی کے
شاہد عقل و کتا بھائے آسمانی و رسولان ربانی ہیں۔ لیکن یہ بات جیسی نہیں ہے۔ کہ ہر علم و عقیدہ نجات کی راہ نہیں کہتا
اور ہر عمل و فعل باعث تربت خدا نہیں گنا جاتا۔ بلکہ کہ بہت علم ایسی ہیں جو باعث ضلالت و جہالت ہوتے ہیں۔ اور ایسے
عالم کو دریا سے ہلاکت میں ڈبو گئے ہیں۔ اور اکثر عمل تبسج ایلے ہو جاتے ہیں۔ کہ اپنے عمل کو نوالہ جہنم کی تخت السری
میں چوچیا گئے ہیں۔ اور یہ کیونکر نہ اسلئے کہ عقل شاہدی۔ وجود خالق کی گواہی دے رہی ہے۔ اور اسکی وحدانیت و

ولیکنای کو بزرگوار پکار پکار کے کہہ رہی ہے۔ اور جناب سالتماب نے ارشاد فرمایا ہے ستفترا قاتلے علی ثلثہ
 و ستبعین فرقة کلمہ فی النار الا واحدۃ یعنی میری امت کے تینتر فرمے ہونگے سب کے سب ناری فقط
 ایک امنین سے ناجی ہوگا اسی مذہب کو فرقہ ناجیہ امامیہ شاعتریہ نے اختیار کیا ہے۔ اور اس دعویٰ کی صحت و تصدیق کا
 معلوم ہونا بخوبی اس کتاب سے ظاہر ہے کہ بہت اچھی طرح اس میں ثابت کیا گیا ہے اور حق تعالیٰ کی جانب سے ہدایت و
 توفیق ہر باب میں ہوتی ہے۔ اور کیونکہ یہ مذہب امامیہ شاعتریہ صحیح و حق و صادق ہوا سئلے کہ اور دیگر مذاہب میں سب سے
 افضل اور خطا و لغزشوں سے دور مذہب اہل فلسفہ اور اہل علم معقول ہے کہ جو فروع و اصول میں تجاوز عقلی قواعد سے نہیں
 کرتے اور اپنے نزدیک موافق عقل کے عمل کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی ایسا ہی کہ جب کوئی عاقل کامل اس میں فکر صحیح کرے
 اور انکے کلام میں تامل صادق کرے تو اختلاف و خرابی سے اُسکو بھرا سراپا لینگا۔ اور طرح طرح کی گمراہیوں اور ضلالت سے
 مملود دیکھے گا۔ بہت سے دعویٰ انکے لئے سروا پے بہت سے خیال انکے پاؤں پر ہوا۔ دلیلیں اور مکر کے جائے مضعیف
 شبہ انکے غول بیابانی کے ثبوت کی دلیلوں سے زیادہ ضعیف ہیں۔ اور مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ فقط اسی سبب سے ہے کہ
 انھوں نے کتب اسمانی و کلام ربانی کو چھوڑ دیا ہے۔ اور پس پشت ڈال لیا ہے۔ اور جن چیزوں کی خبر رازدار الہی نے دی
 اور بیان کیا انکا خیال و اثر ان لوگوں کے دلیں میں مطلق نہیں ہے۔ پس جب یہ حال ایسے لوگوں کا ہی تو پھر ان لوگوں
 پر کیسا گمان ہو سکتا ہے جو تقلید کے قیدی ہیں۔ اعتقادات و اعمال میں بلا توفیق و تحقیق غیروں کے قول پر عمل کرتے
 ہیں۔ رسیمان تقلید میں اس طرح انکی گردنیں بند ہی ہیں کہ گلزار تحقیق کی سیر نہیں کرتے۔ کل سرمایہ و بقاعت
 اکی تعصب غلامی تمام حُریت و صنعت اکی انحراف طریقہ ہدایت و ارشاد ہے۔ پہلو بکھتی کرتے ہیں۔ ہمراہی سے ان
 دونوں امر ذکی جب کے سبب سے فوز و صلاح و جنکی ہمراہی سے صلاح و نجات حاصل ہو و گردانی کرتے ہیں۔ اور نہیں لپٹے رہتی
 دامان اُمم بچتا ہے۔ نہیں سوار ہوتے اور کنارہ کشی کرتے ہیں کشتی ال عباس سے۔ حالانکہ انکے نبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم
 نے ارشاد فرمایا ہے اتق تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ما ان تمسکتم بھما لم یضلو بعد
 یعنی میں تم میں دو نہایت بزرگ چیزیں چھوڑے جا تا ہوں ایک کتاب خدا و دوسری میری عزت و اہلبیت جب تک ان دونوں کا
 ساتھ دیتے رہو گے ہرگز میں سے بعد گمراہ نہ ہو گے۔ اور مجھے بھی ارشاد فرمایا ہے مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح
 من دیکھا مجھی و من بخلف عنہا ہوی یعنی مثال میرے اہلبیت کی مثل کشتی نوح کی ہے کہ جو اُس پر سوار ہوا اُس نے نجات
 پائی اور جس نے اُسے چھوڑا وہ ہلاک ہوا۔ پس ایسی حالت میں ہر عاقل و سمجھدار اور ہر مکلف دیندار پر واجب ہے کہ اپنے
 خواہشوں کو موافق آل نبی کے رکھے۔ جب اختلاف خواہشوں میں پیدا ہو۔ اور اپنی رائے کو مطابق اہل بیت کے
 رائے کے رکھے جب اضطراب راہوں میں پیدا ہو۔ اور انھیں کی راہ ہدایت و طریقہ شریعت پر چلے۔ اور انہیں کے
 مذہب کو اپنے مطالب کی معراج حاصل کرنے میں زینہ قرار دے۔ اسلئے کہ وہی معین و مددگار مومنین و مومنات میں
 وہی روز قیامت میں ذخیرہ باقیات صالحات ہیں۔ پھر اسکے بعد فکر میں رہا کہ اکثر اوقات عبادات بدنیہ و ریاضات
 جسمانیہ میں صرف کروں۔ یا باوجود کی بضاعت و قاعیت علم کے افادہ علوم دینیہ و معارف یقینہ میں مشغول ہوں۔
 خواہ اس طرح کہ کوئی کتاب تصنیف و تالیف کروں۔ یا درس و تدریس کرتا ہوں۔ پس اسی فکر میں تھا کہ آفتاب
 حق سے طلوع کیا اور چمکا اور مجھے کہا کہ چراغ تفکر کو خاموش کر اور سمجھا کہ آفتاب کے سامنے چراغ کچھ حقیقت نہیں رکھتا
 تفاوت و فراق دونوں میں ایسا ہے جیسا مشرق و مغرب میں۔ اور مجھے اسلئے کہ ایک تو بزرگی و شرافت علم کو

تبرأت بھی حاصل ہے۔ دوسرے درجے میں تدریس سے زیادتی اجر و ثواب بدرجہ کامل ہے۔ اور دلیل و شاہد اسکی عقل و نقل کے دو گواہ عادل میں عقلی دلیل بھی ہے۔ تمام معقولات یعنی جو چیزیں عقل میں آتی ہیں دو طرح میں ہیں۔ موجود یا معدوم۔ اور ظاہر ہے کہ شے موجود معدوم سے اشر ہے۔ پھر موجود کی دو قسمیں ہیں۔ جامد جسکے لئے بالیدگی نہیں ہے۔ دوسری نامی جسکے لئے نشوونما ہے۔ اور اسمیں شک نہیں کہ نامی بہتر ہے۔ پھر نامی یا حساس ہے کہ جس حرکت رکھتا ہے۔ یا غیر حساس اور شک نہیں ہے کہ حساس افضل ہے۔ پھر حساس عاقل ہے یا غیر عاقل۔ اور کوی شبہ نہیں ہے کہ عاقل بھتر ہے۔ پھر عاقل عالم ہے یا جاہل اور بھی بدیہی ہے کہ عالم افضل ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عالم تمام معقولات کے اصناف اقسام سے افضل و بھتر ہے۔ پس وہ علم جسکے سبب سے شرافت تمام چیزوں پر حاصل ہوئی لالچالہ و ضروری عبادات بنیہ سے افضل ہوگا اور ایک یہ بھی ہے کہ عبادات بنیہ جہی تک ہیں جب تک یہ جسم باقی ہے۔ اسکی بعد فنا و معدوم ہو جائیگی۔ اور اعتقاد حقہ یہ باقی رہینگے۔ جب تک روح باقی ہے۔ اور بھی ہی امر ہے کہ جو چیزیں علما و حکماء دین و ملت سے ظاہر ہوئی ہیں جو بھتر پروردگار عالم کی طرف ہدایت و رہنمائی کرتی ہیں یا وہ باتیں جو مثل مواظظ و حکم کے ہیں بھی سب ایسی چیزیں ہیں جو باقی اور دائمی ہیں۔ اور اسمیں شک نہیں ہے کہ جو چیزیں باقیات صالحات ہیں وہ افضل قربات ہیں اور اشرف حسنات ہیں اور دلیل نقلی یہ ہے کہ پروردگار عالم جسکا قول حق و صحیح و صدق ہے فرماتا ہے۔ اور بنا بر شہور پہلی ہی آیت جناب سالماں پر نازل ہوئی اقراء باسم ربك الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم جسکا خلاصہ مفاد ظاہری یہ ہے کہ پڑھو ای سو لخدام ایسے خدا کے نام سے جسے پیدا کیا ہے اور انسان کو علقہ سے پید کیا اور پڑھو اور کہو کہ میرا پروردگار وہ بزرگ تجھے جسے قلم سے لکھنا بتایا۔ اور انسان جن چیزوں کو نہ جانتا تھا انکو سکھایا۔ اسلئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام مجید کو پہلے نعمت خلقت و ایجاد سے شروع کیا۔ پھر اسکے بعد نعمت علم کو یاد دلایا اور لکھا یہ میں یہ ارشاد فرمایا الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلهن یتنزل الابرار ینزلن علیہن تعلوا جسکا مفاد ظاہری یہ ہے۔ وہ خدا جسے سات آسمان اور اکی مثل زمینیں پیدا کی ہیں اور نازل ہوتا رہتا ہی امر و حکم انکے درمیان میں اسلئے کہ جانو خدا کو اور علم حاصل کرو۔ اس آیت میں خدا نے علم کو علت ایجاد عالم علوی اور سفلی قرار دیا۔ پس علم کی جلالت نشان اور تعجز و مباہات کے لئے یہی کافی تھا۔ اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اهل یسئو الذین یعلمون والذین لا یعلمون افا تبتدعوا اولی الالباب جسکا حاصل مفاد ظاہری یہ ہے۔ کیا عالم و جاہل برابر ہیں یہ وہی لوگ یاد رکھتے ہیں جو صاحب عقل و فہم ہیں اور بھی بھی ارشاد فرمایا ہے انما ینحشی اللہ عن عباده العلم جسکا ظاہری مفاد بھی ہے کہ خدا کا خوف وہی لوگ اسکے بندوں میں رکھتے ہیں جو عالم ہیں۔ اور ایک آیت میں اپنے نبی کو زیادتی علم کی طلب کے لئے حکم فرمایا باوجودیکہ جو آنحضرت نے علم و حکمت میں رتبہ پایا کسی نے نہیں پایا۔ پس ارشاد فرمایا۔ قل رب زدنی علما جسکا ظاہری مفاد یہ ہے بار الہا میرا علم زیادہ فرما۔ اور قرآن مجید میں اکثر مقامات میں اسطرح تویف و مدح علم کی فرمائی ہے اور احادیث و روایات اسکی فضیلت میں مفید ہیں کہ جبکا ایک جامع کرنا مہمل و شان نہیں ہے۔ چند روایتیں بیان ذکر ہوتی ہیں۔ فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دریافت کیا میں نے جبرئیل سے کہ علما کا مرتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا شہدا کا اسکے جواب میں حضرت جبرئیل نے کہا کہ ایک عالم خدا کے نزدیک زیادہ بزرگ ہے ہزار شہیدوں سے۔ اسلئے کہ علمایہ پروی کرتے ہیں انبیاء کی اور شہدایہ و علما کے ہیں۔ اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ عالم جاہلون میں ایسا ہے جیسا مردوں میں شخص زندہ

اور طالب علم کے لئے ہر شئی دعا و طلب مغفرت خدا سے کرتی ہے۔ پس علم حاصل کرو کہ بھی سبب کو یہ ہے
بتبار سے خدا کے درمیان میں۔ اور طالب علم واجب ہے ہر روز مسلم ہو۔

اور فرمایا اور حضرت نے کہ جب روز قیامت ہو گا تو سیاہی اور روشنائی علما کی شہیدوں کے خون کے ساتھ
تولی جائیگی۔ پس جس علما کی روشنائی کو شہیدوں کے خون پر ہوگی۔

اور فرمایا حضرت نے کہ جسے حقیر سمجھا عالم کو اُس نے مجھے حقیر سمجھا اور جسے مجھے حقیر سمجھا وہ کافر ہے۔

اور فرمایا کہ میں نے حضرت جبرئیل سے دریافت کیا مال علما کا اُس کے جواب میں انھوں نے کہا کہ عالم بہت خوب نہیں و
حاکم ہے دنیا کا اور آخرت کا خوشحال اسکا جو انکی معرفت و محبت رکھے اور عذاب ہی اس شخص کیلئے جو انکی معرفت سے
کراہت اور اُسے عداوت رکھے اور جو اُسے بعض عداوت رکھتا ہے تو ہم ملا کہ گواہ میں اس بات کے کہ وہ شخص ناری ہے
اور جو اسے محبت رکھے تو ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص جنتی و ناجی ہے۔

اور فرمایا حضرت نے کہ اکیس اوقات عالم کے پاس بیٹھنا زیادہ محبوب و مرغوب ہے خدا کی نزدیک اکیس سال کی عبادت سے جس
میں ایک چشم زدن بھی معصیت و گناہ کیا ہو۔ اور نظر کرنا عالم کی طرف بہتر سال بھر کے ایسکاف سے جو بتیہ حرام میں
بجلا لائے۔ اور ملاقات عالم کو جانا بھتر ہے سترج اور عرونا سے اور افضل ہے ستر طوافوں سے خانہ کعبہ کے اور
اس شخص کے ستر درجے حق تعالیٰ بلند کرتا ہے۔ اور جو عالم سے باتیں کرے تو عوض ہر حرف کے ایک سو مقبول
کا ثواب ملتا ہے۔ اور خدا اپنی رحمت اس پر نازل کرتا ہے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں کہ اس شخص کیلئے بہت واجب کیا
اور یہ بھی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب روز قیامت ہو گا تو حق تعالیٰ سب علما کو جمع فرمائے گا اور ارشاد فرمائے گا کہ ای میرے
بندوں میں تمہارے ساتھ بہت بڑی نیکی کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے بڑی بڑی محنت و شدت اٹھائی۔ اور لوگوں کو تمہاری
تعلیم سے میری عبادت کی۔ اب میری جانب سے تمہیں خوشخبری و بشارت ہو کہ تم میرے دوست ہو۔ اور بعد انبیاء کی
تم میری مخلوقات سے افضل ہو۔ اور میں تم سے راضی ہوں جو نذرین تم سے ہو گئی ہیں اسے معاف کیا۔ ہتک حرمت
تمہاری نہ کروں گا عیب پوشی کروں گا اور اس مجمع عام میں ان مخلصی باتوں کے سبب سے تم کو فضیلت نہ کروں گا۔

اور پھر بھی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ چار قسم سے خالی ہو۔ یا عالم ہو یا متعلم و طالب علم ہو یا مستمع کہ ان کے احکام و وعظ و
فضیلت کو سنتا ہو۔ یا اسکا محبت دوست ہو۔ یا جو ان قسم ہونا کہ بھلاک ہو۔ اسلئے کہ اہل علم مردار ہیں۔ اور صاحبیت
انکی باعث زیادتی ثواب ہے۔ اور پھر ارشاد فرمایا کہ جو اعانت کرے طالب علم کی وہ انبیاء کا دوست ہے اور ان کے ساتھ ہو گا
اور جسے بعض کہا طالب علم سے اُسے انبیاء سے بعض رکھا پس جزا اُسکی جہنم ہے۔ طالب علم شفاعت کریگا بسطوح
انبیاء شفاعت کریں گے اور طالب علم کے لئے ہزار قصر سونے کے جنت فردوس میں ہوں گے اور جنت خلد میں ایک ملک شہر نور
کے اور جنت المادی میں اسی درجے یا تو سترج کے عطا ہوں گے۔ اور عوض ہر مردہم کے جو طالب علم میں اُسے میرت کیا کہ تیرن
عطا ہوں گی مثل ستاروں کے اور ملائکہ کی تعداد کے اور جو شخص مصافحہ کرے طالب علم سے حق تعالیٰ اُس کے جسم پر تیشن جہنم کو
حرام کرتا ہے اور جو شخص اعانت کرے طالب علم کی تو اس کے مرنے کے بعد اسکی مغفرت کرتا ہے اور اسکی بھی مغفرت کرتا ہے
جو اُس کے جنازہ میں شہرک ہو۔

اور یہ بھی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ طالب علم افضل ہے خدا کی نزدیک ناری و مجاہد و حاجی سے اور اس سے جو عمو اور
اعسکاف کرے اور مجاہد خانہ کعبہ ہو۔ اور استغفار کرنے میں اُس کا واسطے درخت و ہوا اور ابر و ستارے اور جو چیزیں

سے اگنی کی ہے اور ہر وہ شے جس پر افتاب کی روشنی پہنچتی ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ السلام نے سلسلہ اپنے ابا و
طاہر بن صلوات اللہ علیہم اجمعین سے روایت کی ہے۔ کہ فرمایا جناب رسول خدا نے کہ طلب علم واجب ہے ہر مسلم پر
طلب کر و علم کو اُس کے مقامات سے اور حاصل کر دے اُس کے اہل و لائق سے اس لئے کہ جو قرآن الہی اللہ علم حاصل
کرے وہ سنہ اور نیکی ہے۔ اور طلب علم عبادت ہے۔ اور ذکر و ادکار علم کا اور علم کا چرہ کرنا ثواب سیح رکھتا ہے۔
عمل اُس پر حیا ہے تعلیم اس کی جاہل کو صدقہ ہے صرف کرنا علم اُس کے لئے جو اس کا لائق ہو باعث نزدیکی خدا تعالیٰ ہے اس لئے
کہ علم پہچان حلال و حرام کی ہے اور شناخت راہ جنت کی ہے۔ اور علم مونس تھائی ہے اور غربت و مسافرت میں مصاحب
ہے۔ اور خلوت میں فائدہ گاہ ہے۔ اور سختی و مصیبت میں راہبر ہے۔ اور اعدا کے لئے تلوار و ہتھیار ہے۔ باعث زیب
وزینت ہے۔ دوستوں کے سامنے اسی علم سے قوم کو حق تعالیٰ ترقی دیتا ہے۔ پس حق تعالیٰ خیر و نیکی میں ان کو سدا قرار دیتا
کہ اگر لوگ ان کی پیروی و پاسی کریں۔ اور ان کے افعال و حالات سے ہدایت پائیں۔ اور انھیں کی رائے پر چلیں۔ اور ملائکہ ان کے
احوال کی رعیت کرتے ہیں۔ اور اپنے پروں کو مہربانی و شفقت سے اُن پر مس کرتے ہیں۔ نماز میں اور ہر برکت نازل کرتے ہیں
اُن کے لئے استغفار کرتے ہیں تمام مخلوقات خشک و تر بحر و بر اور چہایان اور کل حیوانات دریا اور تمام درند و چرند و پر
صحرا و ہوا کے۔ علم دلون کی حیات ہے۔ انھوں کا نور ہے تاریکی میں قوت بدن ہے ضعف میں اسی علم کے سبب
نبردہ مراتب اختیار اور محاسن ابرار تک پہنچتا ہے۔ اور بھی علم درجہ بلند تک دنیا و آخرت میں پہنچاتا ہے۔ فکر علم میں برابر
روز و رات کی درس و تدریس برابر شب و بیداری و عبادت کی۔ اسی کے سبب خدا کی اطاعت و عبادت ہوتی ہے۔ صلہ رحمی اسی
سبب مفہوم ہوتا، حلال و حرام علم ہی کی سبب معلوم ہوتا، علم پیشوا عمل ہے۔ اور عمل تابع علم کا، نیکون علم منجنا خدا الہام ہوتا ہے۔ شفیق اس سے
محروم رہتا ہے۔ خوشحال اس کا حواس سے محروم نہ ہو۔ اور حق تعالیٰ اس کو علم عطا فرمائے۔ اور جناب امیر المومنین
نے ارشاد فرمایا کہ جب طالب علم عالم کے سامنے بیٹھتا ہے تو حق تعالیٰ شتر درواری رحمت کے کہول دیتا ہے۔ اور اُس کے
پاس اٹھتے وقت تمام گناہ اس کے معاف ہو جاتی ہیں۔ اس طرح بگینا ہو جاتا ہے جیسے اسی روز پیدا ہوا ہے۔ اور شتر
اور ہر بات کی عوض ایک سال کی عبادت کا ثواب دیتا ہے اور ہر ورق کی عوض ایک ستر دس گنا دنیا سے اس کے لئے
بناتا ہے۔ اور بھی حضرت ائمہ نے ارشاد فرمایا کہ خوشحال عالم و طالب علم کا اور اس کا جو علم پر عمل کرے۔ ایک شخص
عرض کیا کہ یا رسول اللہ عالم کے لئے تو یہ مرتبہ ہے طالب علم کے لئے کیا ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ عالم و طالب علم اجر و
ثواب میں برابر ہیں۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا جناب رسول خدا نے کہ اس یتیم سے جس کے مان باپ دو نو نہوں یتیمی اور کسی
اُس کی زیادہ ہے جو اپنے امام سے جدا ہو اور اُن تک نہ پہنچ سکتا ہو۔ اور جس چیز کی ضرورت درپیش ہو اُس کے باپ میں اپنے
امام کا حکم نہ معلوم ہو کہ کیا ہے اور طریقہ و شریعت سے اپنے دین کے واقف نہ ہو پس جو شخص ہمارے شیعوں میں
عالم ہمارے علوم دین کا ہو وہ اس بیچارے جاہل یتیم کی پرستاری کرے اور اُسے ہماری شریعت تعلیم کرے۔ اور احکام
شرعی بتائے۔ وہ عالم ہمارے ساتھ ہمارے درجہ رفیع و اعلیٰ میں ہوگا۔ اور جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد
فرمایا کہ جو شخص ہمارے شیعوں میں ہماری شریعت کا عالم ہو اور ہمارے بیچارے نادان شیعوں کو ظلمت و تاریکی جہالت سے اُس
نور علم میں لائے جسے ہم نے تعلیم کیا ہے تو وہ عالم جب قیامت کے دن ایسا گناہ اس کے سر پر ایک ناج نوزانی ہوگا جس سے
تمام اہل محشر منور ہوں گے اور ایک خلعت و حلہ بچنے ہوگا جس کے ایک چہرے سے تاریکی فیت یہ دنیا و مافیہا نہیں ہو سکتی اسو
ایک منادی ندا کریگا کہ ای بندگان خدا یہ ایک عالم ہے شاگرد دن سے علمائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کے پس جس جسکو حیرت

جمالت سے دنیا میں اس عالم نے نکالا ہو وہ اس نور کی روشنی میں جلا آئے تاکہ اس علمت محشر سے نجات پائے اور اسکے ساتھ
 اسکی روشنی میں جنت میں جائے۔ یہ سنتے ہی دنیا میں جس جسکو اس عالم سے کسی نیک بات کو سکھایا ہوگا۔ یا اسکے دل سے
 جہالت کے قفل کو علم کی کنجی سے کھولا ہوگا یا اسکے شبہ کو اس سے برطرف کیا ہوگا وہ اس مجمع سے نکلا اسکے پاس جلائیگا۔ اور
 حضرت امام محمد حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص
 ایسے تیمم ال محمد کے کفالت کرے جو اقاؤ اور اماموں سے جدا کر لیا گیا ہے۔ اور جہالت کی کہو میں پرا ہو ہے۔ اسکو جہالت سے
 نکالے اور اسکے شبہوں کو برطرف کرے۔ ایسے شخص کی فضیلت بہت زیادہ ہے اس شخص سے جو کسی تیمم کی (جسکے ہاں باپ ہوں
 پرورش اور کفالت کرے۔ اور کھلائے اور پھنڈائے۔ بلکہ پہلی کو دوسری پر فضیلت ہے۔ جو آفتاب کو سہا پر ہے ایک تارہ بہت
 چوڑا ہے نیات التعش صغریٰ میں یعنی چوٹی کھٹولی میں جو تاروں کا ہے۔ اور پھر بھی حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہما السلام کا ارشاد
 کہ فرمایا حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام نے کہ جسے ہمارے پاس خیال سے اس تیمم بچا رہے کی کفالت کی جو اپنے امام سے
 خفیہ امام کو سب سے چوٹ گیا ہے اور اسکے ساتھ سلوک کیا اس علم سے جو ہمارے علموں سے اُسے پہنچا ہے اور راہ رستہ
 دکھاوے اور ہدایت کر دے تو حقتالی اس مادی اور سما کو ندامی غیب دیتا ہے کہ ایمرے برگزیدہ اور سلوک کرنے والے کریم ہست
 میں تجھے زیادہ کریم ہوں پھر فرشتوں کو حکم فرماتا ہے کہ اسکے واسطے بہشت میں ہر حرف کے عوض جو علم دین میں اسکو تباہ ہیں
 دس لاکھ قطر نثار اور ان فطرون اور مکانون میں انکی زینت کیلئے جو چیزیں درکار ہوں اور انکے لائق ہوں نعمتوں سے اور
 اضافہ کرو۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ عالم مثل اس شخص کے ہی جسکے ماتہ میں شمع ہو اور آدمی اسکی روشنی
 میں ہوں تو جو شخص اسکی روشنی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اُسکے لئے دعا کرتا ہے۔ اسطرح عالم ہے کہ اُسکے ہاتھ میں علم کا چراغ
 ہے جس سے جہالت و حیرت کی تاریکی دور ہوتی ہے پس جو جو شخص اسکی روشنی میں آیا اور جسکو اُس نے حیرت جہل سے نکالا اور
 نجات کے رستہ پر پہنچایا وہ اسکا گویا غلام آزاد کردہ ہے جسکو جہنم کی آگ سے بچایا۔ اور درگاہ خدا سے یہ ثواب ملتا ہے
 کہ جتنے بال اس نجات پائیوالے کے ہوں عوض ہر مال کے وہ ثواب ہے جو افضل ہے ایک لاکھ سونے سے بھری ہوئی
 مشکین جو راہ خدا میں تصدق کر نیسے بلکہ بھہ بھی کچھ نہیں ہے حقتالی عوض میں ہر مال کے وہ ثواب عطا کرتا ہے جو افضل ہے
 ایک لاکھ رکعت نماز سے جو سامنے خانہ کعبہ کے پڑھی ہو یعنی مسجد الحرام میں۔ اور حضرت موسیٰ بن جعفر علیہما السلام سے منقول ہے
 کہ فرمایا حضرت نے جو عالم ہدایت و تعلیم احکام کرے اسن بچا رہے جو تیمم کو جو سمجھتا ہو گیا ہے اور ہماری زیارت مشرف نہیں ہو سکتا
 وہ عالم نہایت کران اور دشوار ہے ابلیس پر ہزار عابدوں سے اسلئے کہ عابد کا ارادہ تو ہوتا ہے کہ اپنی جان بچائے اور آتش جہنم
 سے نجات پائے۔ اور عالم اپنے ساتھ اور مذکور ہی بچاتا ہے۔ بندگان خدا کو قریب اور بھندیسے شیطانوں کے چھڑاتا ہے۔
 اسی سبب سے عالم ہزار عابدوں سے بلکہ دس لاکھ سے افضل ہے اور برتر گنا جاتا ہے۔ جب تیمم فضیلت عالم طاہر ہو گئی۔ اور عقل
 اسکی خوبی سے ماہر ہو گئی۔ تو خدا تمپر جسم فرمائے تجھ بھی خوب جان لو۔ اور اپنے دل میں نہان لو۔ کہ وہ علم جسکی قدر سب
 علموں سے افضل و برتر ہے۔ جسکی بزرگی و شرف سب سے بھتر ہے۔ جو دنیا و آخرت کے مطلوبوں میں سب سے زیادہ نفع
 رکھتا ہے۔ جسکے صفت و کمال کی بلندی تاکہ کوئی کمال نہیں پہنچ سکتا ہے۔ جسکا جاہ و جلال اکمل ہے۔ جسکے حسن و جمال کی
 رغبت افضل ہے۔ وہ علم معارف دینیہ و معارف یقینیہ ہے۔ جسمین اصول دین کے باتوں کی پہچان ہے۔ جسمین یقینی باتوں
 کی پہچان بنان ہے۔ اسلئے کہ سعادت غلطی پر فائر ہو گیا اسی پر دار و مدار ہے۔ دنیا و آخرت کی کرامتیں جسکے کا یہی قول و قرار ہے
 جس علم میں ان باتوں کو بیان ہوتا ہے۔ اسکا نام علم کلام ہے۔ وہ اور علموں میں ایسا جیسے اور ستاروں میں آفتاب کا نام ہے

جسکی قدر سب علموں سے بڑی چڑھی ہے۔ جسکے منزلت سب سے زیادہ چڑھی بڑھی ہے۔ جسکی شان اعلیٰ جسکی دلیل بھی
 اقویٰ۔ جسکی خبریں سب سے زیادہ مضبوط و متقن۔ جسکا بیان سب سے زیادہ صاف و روشن۔ اسلئے کہ اسی علم کلام سے تو وہ
 دین نکلتی ہیں اور بھی انکی خبر اور اسی کو وہ لے جاتیں۔ اور اسی کیساتھ تو انکی گرفت اور پکڑ بھی۔ اسی کے سپہا پر چلنے والا نہ چران ہوتا ہے نہ
 بھٹکتا ہے۔ اسکے آسرا کر نیا لے سکے گرد نہ کہی جہالت پھرتی ہے۔ نہ اسکے پاس شبہ کہی بیٹھتا ہے۔ اس سے دلوں کے
 قفل کھلتے ہیں۔ اس سے تقلید کی بیری کشتی ہے۔ گردنوں سے تقلید کے زنجیر و طوق نکل آتے ہیں۔ حق پر جبکہ گردنوا لو
 کے کلام اس قوت پکڑتے ہیں۔ ہر مطلب پر بخوبی پہنچ جاتے ہیں۔ اسی کی مدد سے دین حق ظاہر کرنیوالو دلیل و مین ہر کج بحث
 اور ہٹ دھرم کو بند کرتے ہیں۔ دشمنوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جبکہ تو ان کے درختے بڑھتے ہیں۔ دین میں سے حملوں کو
 روکرتے ہیں۔ جب انکے رتبے بلند ہوتے ہیں۔ اور ان کے اماموں نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ انکے رتبوں کی بلندی کو
 بتایا ہے۔ احتجاج طبری میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ہمارے شیعوں کے عالم گویا درہ کوہ اور کھو
 کے موخ پر کھڑے ہیں جس میں شیطان بھڑکے ہیں۔ اسلئے کہ ان شیطانوں کو اس سے نکلنے سے روکیں۔ تاکہ کم روز
 شیعوں پر حملہ نہ کریں۔ اور ان پر وہ شیطان اور اسکے تابع اور غالب نہ آئیں۔ یہ خوب سمجھ لو کہ جو شخص ہمارے شیعوں میں سے
 اس کام پر کمر باندھ لے وہ افضل ہے اس شخص سے کہ جو شام و ترک و دہلیم کے کفار سے دس لاکھ مرتبہ جہاد کرے۔ اسلئے کہ شخص
 اول ہمارے دوستوں کے دین کے اور ہمارے دین کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس سے حملوں کو روکتا ہے۔ اور شخص ثانی فقط
 اہل دین کے مددوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اگر زمانہ عصیبت امام قائم علیہ السلام میں
 یہ علما نہ ہوتے جو لوگوں کو بتاتے رہتے ہیں۔ اور ان امام غائب کی طاعت و دعوت و ہدایت کرتے ہیں۔ اور دین خدا سے دشمنوں
 کے وار مفع کرتے ہیں اور کمزور و جاہل شیعوں کو اور زندگان خدا کو ابلیس کے جال اور کھنڈے سے بچاتے ہیں۔ اور ناصبیوں کے
 بہکانیے روکتے ہیں تو کوئی شخص بغیر مرتد ہوئے۔ اور دین خدا سے پھرے ہوئے نہ رہتا۔ لیکن یہی لوگ ہیں جو کم علم
 شیعوں کے دنوں کی باگ روکے ہوئے ہیں۔ حسب طرح ملج کشتی کا سکان اور مہتواس لیے رہتا ہے۔ اور اسکو تباہی کا
 بچاتا ہے پس یہی ہیں وہ علما جو افضل میں خدا تعالیٰ کے نزدیک۔ اور یہی روایت ائمہین حضرت سے ہے کہ فرمایا انحضرت نے
 کہ ہمارے شیعوں کے وہ عالم جو ضعیف الاعتقاد اور ہمارے کم علم و کمزور دوستوں اور موالیوں کے دین کو قائم رکھتے ہیں
 جبہ روز قیامت میں آئیں گے تو انکے سروں کے تاج نہایت روشن و منور ہوں گے۔ ہر ایک عالم کے سر پر ایک تاج بیش بھا
 اور نورانی و پر ضیا ہوگا جسکے نور کی شعاعیں اور کرہیں تمام میدان حشر میں بچتی ہوگی بلکہ جہاد و دین لاکھ برس کی راہ کا ہے
 پس انکے تاجوں کے شعاع کی گریبان تمام میدان حشر میں پھیلی اور بچتی ہوگی پس کوئی بیچارہ یتیم جو اپنے اماموں سے چھوٹ
 گیا ہے جسکی کفالت اس عالم نے کی ہوگی۔ یا اسکو ظلمت جہالت سے علم کی روشنی میں لایا ہوگا یا صحابی حیرت کی گمراہی
 سے اسے نکالا ہوگا ایسا نہ ہوگا جو ان شعاغوں کی گریبان سے نہ متعلق ہو۔ پس جن خبی انکے کچھ ہی گریبان ہوگی وہ انہیں شعاغوں
 کی نور کی کشتی میدان حشر سے آسان بند ہوں گے کہ بہشت کے اوپر تھیک مقابل اسکے پونچھے اور انہیں شعاغوں کی
 گریبان کے ذریعہ سے اپنے اپنے مکانوں اور منزلوں میں جو انکی واسطے مہیا ہے انکے مادی استاذ و دن اور معلموں کے
 اور سامنے انکے اماموں کی بارگاہوں کے جنکے وہ نام لیاوتھے بنائے گئے ہیں اور تھیکے اور جو ناصبی و دشمن المہیت اور
 انکے مخالف ہیں انکے واسطے یہی شعاغیں انکو نہیں گھسار انکو اندھا کر تھیکے۔ اور کانوں کو بھرا۔ اور زبان کو گونگا۔ اور
 آتش جہنم کے شعلوں اور یوں سے زیادہ انکو گہیر کر جلا لیں اور جلاسا لیں گے۔ اور ان سب ناصبیوں کو سمیٹ کر جہنم کی ہمتی

مذہب

اور پھر کتنی ہوئی اگ میں جھونک دینگے کہ یہ سب اُن بچارے کمزور جاہل شیعوں کو بھگاتے تھے۔ اور جنہم کی راہ پر بلا تے تھے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ دو ستار ان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ لاچار بکس مسکین ہیں انکے ساتھ سلوک کرنا بھتر اور افضل ہے سلوک کر نیسے اُن فقیروں اور مسکینوں کے جو محتاج مال ہوں۔ اسلئے کہ وہ بچارے کچھ بات پیر نہیں بلا سکے تہ اعداء دین اور دشمنان خدا سے مقابلہ کی قوت و طاقت نہیں رکھتے۔ جو انکے دین کی باتوں میں انہیں جھٹلاتے ہیں۔ اور انکے اعتقادوں اور رایوں کو سفید ہانہ بتاتے ہیں۔ پس خوب سمجھ لو کہ جو شخص اُن بچاروں مسکینوں کو خوب دین حق کی باتیں سمجھائے۔ اور علم و فقہ سے انکو قوت دار بنائے۔ اور پڑھا لکھا کر انکی ناچاری کو اُسے مٹائے کہ ایسے ظاہری دشمن ناصبیوں اور مخالفوں پر غالب آئیں اور باطنی دشمن شیطان اور اسکے لشکر کو دین خدا کے مقابلہ سے ہنگامیں۔ اور دو ستار ان آل رسول کو اُن سرکشوں سے بچائیں۔ تو حقیقی بھی یہ کرنا ہے کہ اُن ناصبیوں کے شیطانون کو بھی کمزور لاچار کر دیتا ہے۔ کہ پھر وہ بھگائے اور بھگائے عجز و مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور اس شخص کی جزا یہ ہے کہ گویا اُسے پورا حق خدا کا جو زبانی رسول کی معلوم ہوا ادا کیا۔ اور کچھ بھی حضرت امام حسن عسکری نے ارشاد فرمایا کہ جناب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس مسکین کو جو دین کی باتوں میں مغرور ہو اور معرفت میں کمزور و مجبور ہو اسکو خوب امور دین حق سکھائے اور سمجھائے اور مقابلہ کیلئے ناصبی و مخالف کے طاقت و قوت دار بنائے کہ بحث میں وہ شخص اس مخالف پر غالب آئے۔ تو حق تعالیٰ اس مادی و عالم کی اس ذلت میں کرے کہ جب وہ قبر میں رکھا جائیگا کہ جواب میں نکیرن کے لئے گا اللہ ربی و محمد نبی و علی ولی و العقبۃ قبلتی و القرآن لہجۃ و عدنی و المؤمنون اخوانی اللہ مبارک پروردگار اور محمد میرے بنی و پیغمبر کردگار۔ اور علی میرے ولی اور مالک و مختار ہیں۔ کعبہ میرا قبلہ۔ قرآن میری خوشی کا نقشہ اور آخرت کا نقشہ۔ اور مومنوں سے ایمانی بھائی برادر کی رشتہ ہے اسوقت حقیقی کا ارشاد ہوگا کہ تو اپنی حجت تمام کر چکا اور بہشت کے عمدہ اور عالی عالی درجے تیرے لئے واجب ہو گئے۔ اور تو انکا مستوجب ہوا۔ اسوقت سے قبر اسکی نیا سما دیکھائیگی۔ باغباے بہشت کا سب سے زیادہ سبز و شاداب دلکش گلزار بن جائیگی۔ اور فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن عسکری نے کہ جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ ارشاد فرمایا کہ امیر و زور و عورتین اہل بیتؑ کی ہوتی آئین کچھ امر دین میں نزاع ہتی ایک امین معاندہ و مخالفہ دوسری مومنہ ہتی جناب سیدہ مومنہ سے حجت و دلیل تباہی وہ مومنہ اس معاندہ پر اس کیلئے سبب بحث ہو غالب آئی اور نہایت درجہ خوش ہوئی حضرت فاطمہؑ نے فرمایا کہ فرشتہ تیرے غالب آئے اس پر تیری خوشی سے بہت زیادہ خوش میں اور شیطان اور اسکا گروہ نسبت اس معاندہ کے رنج کے زیادہ رنجیدہ ہے اور حق تعالیٰ نے ملائکہ سے ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ کیلئے جو کچھ بہشت میں مہیا کیا اُس سے دلائل حصہ اور زیادہ کرو اسکے عوض میں کہ انہوں نے ایک بچاری فیدی حیات کے بندگی کو کہولا۔ اور یہی طریقہ جاری رکھو ہر ایک کیلئے جو کسی جہالت کے فیدی بچارہ کی بندگی اور بڑی علم سے کہوے اور وہ کسی مخالف پر بحث میں غالب آئے کہ جو اسکے واسطے بہشت میں مقرر ہے اوس سے دس لاکھ گنا اور زیادہ کرو۔ فرمایا ابو محمد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہ ایک شخص کچھ بدیہ و تحفہ خدمت بابرکت امام حسنؑ میں لیکر حاضر ہوا حضرت نے اس سے ارشاد فرمایا کہ تجھکو کیا پسند ہے اس تحفہ کی عوض اسکا بیس گنا بیس ہزار درہم تجھکو دون یا ایک دروازہ علم کا تجھپر کہولوں جبکہ سبب سے تو فلان ناصبی پر جو تیرے قصبہ میں رہتا ہے غالب آئے اور اسے کم علم جاہل و حق بہ واللہ کو اس ناصبی کے قریب اور بند سے چرائے۔ اور اُسکے بھائی سے بچائے اگر تو نے اچھی بات کو انہیں سے اختیار کیا تو میں ہی دونوں چیزیں تجھکو دے گا اور اگر تو نے بری بات کو پسند کیا تو میں تجھکو اختیار دیا کہ جو چاہا ان دونوں میں سے لینا

اس شخص نے عرض کیا یا بن رسول اللہ کیا میرا نصیب پر غالب آنا اور کمزور جاہل مومنوں کو اسکے ہاتھ سے چھڑانا نہیں اور
 اکی برابر ہے حضرت نے فرمایا کہ یہ بہت کمتر ہے بلکہ اسکا ثواب دنیا سے دو کروڑ درختوں سے زیادہ اور بہتر ہے اسے عرض کیا
 کیا بن رسول اللہ پھر بلا افضل کو چھوڑ کر بدتر کیونکر اختیار کروں پھر ہے کہ وہ ایک کلمہ علم کا حاصل کروں جس سے اس
 ناصبی پر غالب آؤں اور بندگان خدا کو اسکے قریب سے بچاؤں اسوقت جناب امام حسن علیہ السلام فرمایا کہ تو نے ابھی چیز
 کو اختیار کیا پس اسکو وہ علم تعلیم فرمایا۔ اور میں ہزار درہم بھی عطا فرما کر اسکو مال مال کر دیا۔ وہ شخص اپنے وطن گیا اور اس
 ناصبی پر غالب آیا۔ اور بحث میں اسکو بند کیا پھر بہتر حضرت کو پہنچی اور جب شخص ہاضر خدمت بابرکت ہوا تو حضرت نے اس
 سے ارشاد فرمایا کہ اے بندہ خدا جو تو نے نفع اٹھایا وہ کسی نے نہیں پایا۔ جو تو نے تجارت کی۔ اور سپرسی نے تیری دوستوں
 میں نہ جہارت کی۔ ایک تو تو نے محبت خدا حاصل کی۔ دوسرے محبت محمد مصطفیٰ ملی۔ تیسرے محبت علی بن ابیطالب پای
 چوتھے دوستی اہل بیت طہیین و طاہرین کی لذت اٹھائی۔ پانچویں مالکہ مقررین سے دوستی ہوئی۔ چھٹے تیرے
 برادران ایمانی کی محبت سے تیری ساکھ بندھی۔ ساتویں جتنے دنیا میں مومن و کافر میں اونکی تعداد سے ہزار گنا
 اس چیز سے جو دنیا سے افضل ہے اپنی گود بھری۔ بس مبارک ہو تجکو مبارک ہو۔ اور کچھ بھی حضرت ابو محمد امام حسن علی
 سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ جس شخص کی ہمت و قصد یہ ہے کہ ناصبیوں کی سرکشی کو ہم
 اہل بیت کے دوستوں سے توڑے اور انکی گردنیں مڑوڑے۔ اور جو ہمت و عیب و لگائیں اسکو دفع کرے۔ اور ہارے اور
 خود انکی برائیاں اور عیب انکو دکھائے۔ اور محمد اور آل محمد کو امر کی عظمت کو بڑھائے۔ تو اس شخص کیواسطے بہت میں بعض
 بحر حرف کے جو اپنی حجت و دلیل میں اعدا و دین پر لائے۔ اتنے فرشتے قصر و مکان بناتے ہیں۔ جو تعداد میں اہل دنیا سے
 زیادہ آتے ہیں۔ اور ہر ایک کی طاقت و قوت آسمانوں اور زمینوں کے اٹھانکی طاقت و قوت سے زیادہ ہے۔ پس اتنے بکلی
 اور اتنی ہمتیں اور اتنے قہر کی ہمتیں کہ جبکی مقدار کو سوای پروردگار کوئی نہیں جانتا ہے۔ اور یہ بھی حضرت ابو محمد ارشاد فرمایا
 کہ جناب امام علی بن موسیٰ اگر فضاء و ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری بھین اور دوستوں میں عالم جن چیزوں کو برد و فقر و فاقہ و ذلت و مسکنت یعنی روز قیامت
 اپنے سامنے رکھیں گے۔ اور اپنا پیشوا سمجھ کر چھپا کر پیر کا انہیں افضل وہ چیز ہوگی کہ دار دنیا میں کسی ہمارے مسکین و دست
 و محب کی داد رسی کی ہوگی اور اسکو کسی ناصبی دشمن خدا و رسول کے ہاتھ سے چھڑایا ہوگا۔ پس جب وہ عالم اپنی قبر سے اٹھیں گے
 تو فرشتے اسکی قبر کے کنارہ سے اس جگہ تک جو بہشت میں لے سکے لے رہے صفیں باندھے ہونگے۔ اور اپنے پیروں پر اسکو
 اٹھائیں گے۔ اور ماتون ہاتھ بہشت میں پہنچائیں گے۔ اور خوشی خوشی سب کہتی جائیں گے۔ کہ خوشحال تیرا کیا اچھا ہے مال تیرا
 اسی مددگار نیکو کا برابر اور ناصبی کتوں کو اٹھائے بھائیوالے۔ انکے حملوں سے انہیں بچائیوالے۔ اسی دین و دینداروں کے
 اور دین حق میں مضبوط قدم بچائیوالے اور حضرت ابو محمد یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت نے اپنے بعض شاگردوں سے ارشاد فرمایا کہ اگر کچھ لوگ مجھ میں و
 مولیان اہلبیت سے آنحضرت کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا بن رسول اللہ ہمارے ہمسایہ میں ایک
 ناصبی ہے وہ ہمارا دیت دیا کرتا ہے اور اول و ثانی و ثالث کی فضیلت میں جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب پر ہم سے جو
 کیا کرتا ہے اور جتنیں و دیلین بتاتا ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ اسے کیونکر جواب دین اور اس سے کیونکر جھکا کر
 حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ لوگ جمع ہوں اور آپس میں ہٹھکراتیں کریں تو تو وہاں جانا۔ اور چھپا بیٹھ کر انکی باتیں سننا۔
 خود سے چھپ کر کرنا۔ جب وہ جیسے خود ہی سے لوگ کرباب کی خواہش کریں تو اوہ سننے گفتگو کرنا۔ اور اپنی گفتگو سے انکو بند کرنا
 اور انکی عزت و شان کے ٹکڑے اڑا دینا۔ اور انکی تیزی کو کر کر کر دینا۔ اور پیر کوئی رگ و ریشہ باقی نہ کرنا۔ یہ سنکر وہ شخص گیا

اور حیاں وہ لوگ جمع ہوتے تھے آیا۔ جب وہ لوگ جمع ہوئی اور گفتگو کا موقع پایا تو انکو ایسا کنواں جہنکایا۔ اور اوندھے
 ہوئے گرایا۔ کہ پیرانہوں نے یہ بتانا پایا کہ آسمان اہنین اٹھایا۔ یازمین اہنین دہایا۔ یہ مومنین کہتے ہیں کہ اس امر سے
 ایسی خوشی و مسرت حاصل ہوئی جسے خدا ہی جانتا ہے۔ اور ان ناصبیوں کو مثل ہماری فرحت و سرور کے ایسا رنج و غم ہوا
 جسکو انکا دل خوبھیچانتا ہے پھر ہم جب اپنے اُمّ کنیہ متین حاضر ہوئے جسے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جتنا طرب خوشی
 و مسرت تمکو حاصل ہوئی۔ اس سے زیادہ آسمان والوں پر شامل ہے۔ اور قنبار رنج و ملال ان لوگوں کو ملا۔ اُس سے بڑا
 اہلین اور اُس کے ہمراہی شیطانوں کو ہوا۔ اور یہ خوب صحیح ہے کہ اُس بندہ خدا پر جس پر اس سرکش کی سرکشی توڑی۔ ملا کہ آسمان
 اور حبیبیوں اور کرسی نے صلوات بھیجی۔ اور حق تعالیٰ نے اُنکی صلوٰۃ کو قبول کیا۔ اور اُس شخص کو اوسط درجہ مقام نزل
 فرمایا۔ اور ثواب عظیم عطا ہوا۔ اور اہنین فرشتوں نے اُس دشمن خدا پر جسکی سرکشی توڑی گئی اور گردن عناد توڑی گئی
 لعنت بھیجی۔ اور پروردگار عالم نے قبول فرمائی۔ اور اُسکے عذاب کو طول دیا۔ اور حساب اسکا شاید کیا۔ اور مثل اسی
 کے بہت خبریں اور روایتیں ہیں۔ ایسی اکثر حدیثیں اور حکایتیں ہیں۔ اب جسوقت یہ فصل ختم اسکے معاوم ہوئے
 تو یہ بھی جانتا ضرور ہے کہ باوجود اس علم کے ایسی شان و جلالت کے اور ایسی عزت و عظمت کے مصنفین جیسا جانتا
 ویسا نہیں لکھا۔ اور جو اسکا حق تھا اسے ادا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ ان کتابوں کو جو یہ کہتے ہیں اس فن کی تہین خود کیا یعنی کو کسی
 کو بھی نہیں اسطر صحرنا یا جس سے دل کی تسلی ہو ہماری مٹی۔ اور پیاسے کو تسکین ہو۔ اور یوں نہج۔ اسنے کہ محقرات انکے مقصود
 نہیں ہو چکے ہیں۔ اور مطولات انکے علاوہ تھکائے کے متحیر بنائے ہیں۔ بعضوں نے مطلبوں کے چہرے نقاب لٹھائی
 ہے۔ مگر دلیلوں کی ایسی صورت دکھائی۔ جو اُنکے دل کو بہائی ہے۔ بعضوں نے حق و باطل میں ملی جلی دلیلوں سے اپنی
 راہی کو رواج دیا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھنا کہ کوا کبر پر کہنے والا پیچھے رہ جائے۔ بعضوں نے فقط بڑے بڑے عمدہ جوہری کے
 مسئلوں کو بیان کیا ہے جو اگلے لوگوں کی فکروں سے حاصل ہوئے اور کچھ خیال نکلیا کہ زندون کی تقلید اصول دین میں جائز
 نہیں تو مردودون کے قول کتب اس قابل ہوئے ہیں۔ بعضوں نے اپنا یہ شیوع اختیار کیا کہ کلام مخالف کے باطل کر نہیں فقط
 منع اور دعویٰ قبول نہ کرے پر اختصار کیا۔ لیکن عقلمندوں کی نظر میں کث سماتے اور کہان ٹھہرا ہے۔ اس روگ لوگ سے
 کہنے بالا ہوتا ہے۔ اور کب ہو کے کا پیٹ بھرتا ہو۔ بعضوں نے اپنے عقیدہ کے ثابت ہون
 کرے ہیں فقط اہنین پر جو اپنے نزدیک دلیل و برہان سمجھے کتفاکی۔ اور مخالف کی نہ حجت بیان کی۔ نہ اسکی دلیل توڑی
 مخالف کی نہ لکھیں اور کیا لکھتے ہیں لیکن جی طرح اسنے بیان کئے تھے اسطر صاف صاف نہ لکھے۔ بعضوں نے عالموں کے کلام کو رد
 کیا۔ لیکن انکی عبارت کو نہیں دیکھا۔ جس سے مخالف نے تہمت کا دھبہ لگایا۔ اور یہودہ کلام سمجھ کر اس سے موٹھ پھرایا
 جس ایسی ہی اسی باتوں نے مجھے آمادہ کیا۔ اسی سے میرا ارادہ کیا کہ ایک کتاب ایسی لکھوں کہ جسکو خالص عقل کی جواب
 کا خزانہ بناؤں۔ اور جس میں گودے کو چیلکے سے تمیز دلاؤں اور مطالب کی تحریر اور مذہب کی تقریر میں کوشش کروں۔ اور
 مستی کو کام میں نہ لاؤں اور ایسی لیلیں جو بالکل بیش یا افتادہ ہیں۔ اور بہت ظاہر تہین انکو ترک کیا۔ اور اسطر وہ شبہ
 جو بالکل بیودہ ہے انکو چھوڑ دیا۔ اور دلیلوں اور مطلبوں کی جانچ پرتال۔ دیکھ بھال۔ میں ایسا یسے نکتے بیان کئے
 جو تحقیق کے دریا بہانے نہیں۔ اور وہ فقے کے لیے ہیں جو نہایت باریک باریکیوں تک پہنچاتے ہیں۔ اور میں اسکو
 وہ زمینہ بنایا ہے۔ جس سے بڑے بڑے بزرگی کے درجہ پر خراج جائے۔ اور اسکے وسیلے سے نیکیوں اور نیک بختیوں کا
 دربار اور گوہر شب چراغ مانتہ آئے۔ چکر اسطین اسکی موتیوں کی لڑی میں۔ مضامین عالیہ نہیں باذریب ذریعہ

عمارین اور بڑی بڑی بارگاہیں کھڑی ہیں۔ وہ حق حق عقیدہ اسمیں ہیں کہ ہر شخص اس کے آسے اور سہارے کیسے کشتی نجات پر سوار ہو کر
ہلاکت سے بچ سکتا ہے۔ وہ سچے سچے مطلب کر رہے ہیں جن سے خوشنودی مالکین و آسمان کے قریب پہنچ سکتا ہے۔ اس کی
جھٹکوں کے وہ مضبوطی و رسائی ہے۔ کہ گویا قصر امید و منزل مقصود کی شاہراہ اور سیدھی سڑک ہیں۔ تفسیر اس کی جیسی روشن و
فانوس ہے۔ بیان صاف صاف اس کا جس سے ہر امید کی آتش اور جس سے دل بالوس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ کتاب چراغ
روشن اور شعل برضیا ہے۔ جس سے آدمی صورت و حیوان خصالت جھٹکے جہند ضلالت و گمراہی کے گھٹیا کہیں ظلمت
و تاریکی سے راہ پر آتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو سوائے خدا کے اپنے بتوں کو رات دن پوجتے ہیں۔ اور خدا مانتے ہیں۔ وہ بت
پاتے ہیں۔ اس میں کافروں اور منکروں کی ناک گسنی کیا سٹے ایسے ایسے قاعدہ سم میں کہ جس سے ہدایت قبول کرنے والے
اپنے مطلبوں کی راہ میں ہدایت پاتے ہیں۔ اور منکر اسی سے تلواروں کے زخم اور زخموں کے گہاؤ کا مزا اٹھاتے ہیں
اور مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ کتاب ایسی ہے کہ گویا زبان حال داعی الہی ہے۔ اس کے بلاد میں اس کے عبادت کر دین
حق کی طیف لوگوں کو کھینچتی ہے۔ اور حاکم و والی ہے ہر کتاب پر جو تصنیف ہوئی اور اس کے شرف و ہدایت و ارشاد کو نہیں
پہنچتی ہے۔ یہ ایک شاہراہ روشن ہے اس کے لئے جو اس کی نورانی ہدایتوں پر چلے۔ اور یہ پوری پوری رسائی رکھتی ہے
حجت ہے۔ جو اس کے آثار کی پر ویسے عقلت کرے۔ حاصل یہ ہے کہ یہ وہ کتاب جامع ہے جس کی جامعیت میں کوئی
شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور حقائق و دقائق اور اسی حقیقوں اور باریکیوں پر شامل ہے جبکہ اپنے مخالف و موافق کی
کتابیں نہیں چلتا اور جبکہ کوئی اثر کثامن نہیں ملتا۔ والحمد للہ رب العالمین ہر وقت کا رہی سہا اور ہے جو تمام عالم کا روزگار
ہے۔ پھر اب یہی جان لے خدائے رحیم کرے امام الاشاعرہ فخر الدین محمد بن عمر الرازی نے اپنی کتاب نہایہ العقول
کے دیباچہ میں اس کتاب کے تعریف و امتیاز میں اور کتابوں پر جو اس فن میں تصنیف ہوئی ہیں تین وجہیں بیان کی ہیں
پہلی وجہ یہ کہ تمام سوال و جواب اسمیں بہر میں۔ اور تمام شکوک کے دریاؤں کو غوطہ زنی کر کے نہ پر اس طرح پیر میں کہ ہر مسئلہ الیکوین و مذہب عالم
کی کتابیں بیکر فضا میں باقی ہو۔ اس لئے کہ میں ہر کلام کو نہایت پاک و پاکیزہ اور ہر بحث کو نہایت صاف صاف بیان کیا ہے
یہاں تک کہ اگر کسی مذہب کی دلیل اور مذہب والوں میں نہ باقی یا ہتی مگر قابل اعتبار تھی تو میں نے خود جہانتک ممکن ہوا
کوشش کر کے اس کی طرف سے دلیل بنائی اگرچہ آخر میں اس کو رد کیا اور اہل سنت و جماعت کا مذہب اختیار کیا اور
دلیلوں کیساتھ بیان کر دیا کہ یہ وہی مذہب ہے جس کا لبو ش ہوش تابع فرمان ہونا چاہئے وہی وجہ تہنبا
کرنا اور پیدا کرنا حقیقی دلیلوں کا اور نقلی برائتوں کا جس نے حقیقی علم اور پور القین حاصل ہو۔ نہ تھا الزام لگا احسن
بیان سے منتہائے مقصود عاجز کرنا اور ساکت کرنا ہوتا ہے۔ یہی وجہ وہ عجیب و غریب اس کی ترتیب ہے وہ عمدہ
و پسندیدہ اس کی ترکیب ہے جس کے التزام سے تمام شکوک و شبہات کا وارد کرنا اسکے ملتزم پر لازم ہے اور واجب ہوتا
ہے چنانچہ اسے اس کلام و تقریر سے جو زائد و لا حاصل ہے اور اس کتاب کو نہیں سمجھ سکتا مگر وہ شخص جو پہلی کلام علما
کی تحصیل کر چکا ہو۔ اور اکثر مباحثوں پر علمای محققین و مبطلین و موافقین و مخالفین کے گذر چکا ہو۔ تاکہ اس کتاب
میں جو دلیلین قطعی اور تسکین مشکل و فتویٰ ہیں ان کے سمجھنے کی طاقت و قوت حاصل ہو۔ اس لئے کہ بہت کم میں نے مقدمات
اور ابتدائی باتوں میں کلام کیا ہے بلکہ زیادہ توجہ کو خالص انتہائے امور میں مصروف کیا ہے۔ ختم ہوا کلام امام رازی
اب میں کہتا ہوں کہ سچ کہا اسے اس قول میں وجہ اول سے آخری وجہ تک جو کہ کیا اور میری پہلی یہ کتاب اس طرح
لے کہ وہ مینوں و جبین بھی ہیں اور ان کے علاوہ اس کی فزیت کی اور بھی کئی وجہیں ہیں۔ انہیں سے یہ ہے کہ میں نے

مختصرات مصنف حضرت

وجہ تالیف

اس کتاب میں کلام فخر رازی کو مع عبارت کے ذکر کیا ہے جہاں وہ خلافت اہلبیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے چلا ہے۔ اور غلویت میں پڑا ہے۔ اور کشتی نجات اہلبیت پر سوار بنیں ہوا۔ پس غرق و ملاک ہوا ہے۔ پھر یہ کلام پر اعتراض کے چہرے کھینچا سکے کہ کو توڑا۔ اور چوڑا بن گیا چکنا چور کیا۔ اور کسی بڑی سیلی کو چھوڑا۔ اور جو کسمین ہڈیاں اور ناریا ہٹا اسکو روکنا۔ اور ظاہر کر دیا کہ یہ کلام محض نقشب عناد سے بھرا ہے۔ اور انکاب اسکا تصف و لجاج سے ہوا ہے۔ اور محبت جاہ و ریاست اسکو کھینچا ہے۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے نصرت و مدد میں شاعر کے کچے کہا ہے وہ کلام خرافات و ہذیان سے بھرا ہے۔ اور شاہد و گواہ ہمارے کلام کا ہر دہشتا بھونکے گہری کایر ہے والا ہے۔ اور خدا ہدایت کرنی والا اور اسی کی طرف ہر شخص جانے والا ہے۔ اور میری اس کتاب کو یہ بھی کشت کتاب فخر رازی پر بڑا بھاری ہے کہ اسمین ادلہ عقلیہ کو براہین نقلیہ سے تقویت زیادہ ہو گئی ہے۔ اور اسکی خوبی بعض سائل توحید کے بیان میں ذکر ہوئی ہے۔ اور وہ کتاب اکثر مقامات میں اس سے خالی و عاری ہے۔ اور کچھ مفضل و نریت میری کتاب کو ہے کہ وہ کتاب خالی ہے بعض مسائل محبت و الت سے یا بعض مباحث امامت سے یا اور دیگر بحثوں سے اور انکی وجہوں سے جو ان مذہب والوں نے اپنے مذہب کی نصرت میں ذکر کی ہیں انکو مینے دیگر کتب مخالفین سے زیادہ کیا پھر وہ وجہ شافیہ کافیہ سے رد و باطل ہوئی ہیں جیسا کہ اس شخص پر جسکو مشق و محارت علم کلام میں ہے اسکا رسا ہے اور خدا کا اسراور اسی کا سہارا ہے۔ اور یہ بھی ضرور واجب ہے کہ آگاہ کروں اور غدر کروں کہ جہاں ضرورت کسی عبارت کے نقل کی ہوئی تو اکثر کتابیں و مناقب و مخالفین کی تہین جہنم غلطیاں زیادہ ہتھیں اور انھیں سے ضرورت میں نقل لکھ دی اور پھر اتیک صحیح نسخے ایسے نہ ملے جسے مقابلہ کیا جاتا۔ پس اگر ہمتا عالی نے توفیق دی اور اور کچھ نصیب کیا تو پھر کیا کہنا نہیں تو تمام برادران ایمانی اور دوستان روحانی سے امید ہے کہ میرے غدر کو قبول کریں اور مجھے معاف فرمائیں۔ ایسے کہ آپ ہی حضرات سے عفو کی امید نہ تو کس سے ہو۔ اور اس بات میں ہی بعض علماء سابقین کی بیروی مجھے حاصل ہوئے۔ ایک امین سے جناب شیخ علی بن عیسیٰ اربلی رحمہ اللہ میں کہ انھوں نے کشف الغمہ کے خاتمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اس کتاب کشف الغمہ کو کسی کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اور پھر دوبارہ مقابلہ کرنا اور انکا دیکھنا نہ ہو سکا۔ تو اب میں اس کتاب کشف الغمہ کے ملاحظہ کر نیوالے سے امید عفو و عطا اور التماس دعا کرتا ہوں اور جہاں پر میری نظر چوک گئی ہو اور فکر و مانع نہ پہنچی ہو۔ اسکو اصلاح دین۔ اور درست کریں۔ اور کتاب طبری علیہ الرحمہ کا نسخہ جس سے میں نے نقل لکھی وہ نہایت درجہ غلط اور کٹا گتا تھا۔ پس میں نے اپنی سمجھ کے موافق اسکو نبایا اور اس مقام پر نشان دیا۔ اور بعض مقامات کو سادہ چھوڑا۔ انشاء اللہ اس نسخہ کے سوا دوسرے نسخہ سے پھر اسکو صحیح کر لوں گا۔ اگر مجھی کو یہ نصیب ہو تو فہماور نہ جسکو خدا توفیق دے اسپر یہ درست کرنا موقوف رہنا تمام ہو کلام صاحب کشف الغمہ اعلیٰ اللہ مقامہ۔ پھر یہ بھی جاننا چاہیے کہ جب یہ کتاب اس طرح درست و تیار ہوئی تو میں نے نام اسکا **مرآت العقول فی علم الاصول** رکھا ایسے کہ یہ کتاب مختلف مذہبوں کے اقوال پر شامل ہے۔ جس سے طرح طرح کی رائیں اور قسم قسم کے خیالوں کی صورتیں ظاہر اور حاصل ہیں۔ جس طرح سے آئینہ طرح طرح کی جدا جدا صورتیں دکھاتا ہے اسی طرح اس کتاب میں ہر ایک مذہب کا نیا نیا جلوہ ملے آتا ہے اور ایسے کہ اس کتاب میں ہر ایک مذہب کے دلیلوں کی برای پہلائی دکھائی ہے جس سے اسنے یہ لیاقت پای ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کی نیکی اور بدی کو دیکھے اور اسکے وسیلہ اور ذریعہ سے عقل سے سمجھ کر اجاں ہو۔ اور برائیوں میں تمیز کرے۔ جس طرح آئینہ اجاں یوں اور برائیوں

کو دکھاتا ہے خوبی و برشتی صورتوں کی بتاتا ہے۔ اور اس لیے کہ جب صاحب عقل و ہنر اس کتاب میں نظر کرے گا۔ اور جو
 اسکے مذہب میں اسکو عیب نظر آئے گا تو مذہب حق کو اختیار کر کے اس عیب کو باسانی شاکیگا۔ جس طرح آئینہ کو
 دیکھ کر جو میل کچیل کے دیکھتے چہرے پر ہون انکو چراتے ہیں۔ اور زیب و زینت و ترقازگی چہرے کی ہر جگہ ہے
 اور لقب اسکا عماد الاسلام فی علم الکلام رکھا اور اسکی وجہ ظاہر ہے کہ اسکی ستون دین اسلام ہو نیسے ہر شخص
 یا خبر و ماہر ہے۔ پروردگار عالم مجھ کو اور تمام مومنین کو اس کتاب سے نفع دے۔ اور مجھ کو اور ان کو راہ راست و صراط مستقیم
 کی ہدایت کرے۔ اور اس کتاب کو افضل تر بات اور باقیات الصالحات سے بنائے خداوند امن تھے مخلصوں
 کی طرح دعا کرتا ہوں کہ مہتدیوں کے راہ کی مجھ کو ہدایت کر۔ مجتہدین کا اجتہاد مجھ کو عنایت کر جو تیری رحمت سے غافل اور
 دور ہو میں افسوس نہ فریت کر۔ اور رور قیامت میں میری مغفرت کر۔ اور اب بھرمین دوبار یہ کہتا ہوں کہ حمید و ثنا
 کا وہی سزاوار ہے۔ جو تمام عالموں کا پروردگار ہے۔ اور صلوٰۃ و سلام خاتم النبیین سید المرسلین محمد مصطفیٰ
 ابن عم سید الوصیین امیر المومنین علی مرتضیٰؑ اور انکی اولاد علیہ السلام پر نازل فرما۔ پھر بعد حمد و ثناء
 کے معلوم ہو کہ اس کتاب میں پانچ مقصد اور ایک شائستگی ہے۔ پہلا مقصد بیان میں توحید کے اور اس میں کئی
 مقدمے اور کئی فصلیں ہیں پہلا مقدمہ بیان میں ایک حدیث کے اور اسکے لفظوں کے متعلق جو بیان ہے اور بعض
 مطلب جو اس سے حاصل ہوئے ہیں اور اس تفصیل سے بیان۔ اور اس حدیث کو اس مقام میں میں نے ذکر کیا اور اس طرح
 ہر مقصد کے شروع میں اسکے مناسبات حدیث سے ابتدا کی ہے اسکا باعث محض تمہیں و تبرک ہے کلام معصومین علیہم السلام
 سے اور ایک یہ بھی بات ہے کہ پہلی ہی کلام سے آگاہی ہو جائے کہ ہمارا مذہب و طریقہ وہی ہے جو اہل بیت معصومین و عترت
 طاہرین کا مذہب و طریقہ تھا جنکے دامن سے پیتے رہنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ جنکی کشتی پر سوار ہو نیسے نجات کا ہر وسعہ ہے
 و ر و د و سلام خدا ہمیشہ ان پر نازل رہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب التوحید میں روایت کی ہے
 علی بن احمد بن عمران دقاق رحمہ اللہ اور علی بن عبد اللہ و رفاق سے اور یہ دونو کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن یونس سے سنا کہ
 کہ میں نے ابو ثراب عبید اللہ بن موسیٰ رو بانی۔ نے زبانی عبد العظیم بن عبد اللہ سننی کے بیان کیا عبد العظیم کہتے ہیں کہ
 ایک دن میں نے اپنے سید و سردار علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابیطالب صلوات اللہ
 علیہم اجمعین کلام علی نقی علیہ السلام کچھ دیکھتے تھے حاضر ہوا جیسے ہی نظر حضرت کی مجھ پر پڑی نہایت خوشی سے ارشاد فرمایا مرحبا
 خوشحال انتہارا ای ابو القاسم کہ تم ہمارے سچے دوست ہو میں نے عرض کیا یا بن رسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ اپنے اعتقاد
 اور اصول دین آپ کی خدمت میں عرض کروں اگر صحیح و درست اور آپ کی مرعنی کی موافق ہوں تو مرتے دم تک انہیں پر
 باقی رہوں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ای ابو القاسم بیان کرو میں نے عرض کیا کہ میرا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد و یکبارہ اسکی مثل و
 مانند کوئی شے نہیں ہے۔ دونوں حدوں ابطال و کثبہ سے خارج ہیں تو یہی ہے کہ کچھ بھی نہ ہو اور بالکل اطل ہو۔ اور نہ
 کچھ ہے کہ کسی سے مشابہ و مثاکل ہو اور یہی اعتقاد کہتا ہوں کہ نہ وہ جسم سے نہ وہ صورت ہے نہ وہ عرض سے کہ کسی
 میں ہو کر اسے پائے جانکی ضرورت ہے نہ وہ اسطر حکا جو ہرے جو خود بخود قائم اس فلسفی کے دماغ میں سرسبز ہے۔ بلکہ اس
 ہر جسم کو بنا یا ہے صورتوں کی شکل کو دیکھا ہے۔ عرض و جوہر کا خالق ہے۔ ہر شے کا پروردگار و رازق ہے۔ ہر شے کا جال
 و مالک ہے۔ ہر شے اسی سے حادث و مالک ہے۔ اور یہ بھی میرا اعتقاد و قول ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ
 اسکے بندے اور رسول ہیں جن پر نبوت کا خاتمہ ہوا بعد اسکے قیامت تک اب کوئی نبی نہوگا۔ اور یہ بھی میں نے ذکر کیا ہے

مختلف ہیں ہر گروہ نے اپنی رائے کی موافق دین قرار دیا ہے۔ دین حق کا ان باطل دینوں سے جدا کرنا آسان نہ تھا اسی سبب
 جناب عبد العظیم علیہ الرحمہ کو ضرورت ہوئی کہ اپنے امام معصوم سے عرض کر کے صحیح کر لین اور یہ قول جناب سید مدوح رہ کا
 (افی اقوال ان اللہ تبارک و تعالیٰ احد) یعنی میں نے اسے اقرار کرنا ہونے والا تھا ایتالی ایک ہے مراد قول سے یا زبان سے
 کلام ہے تو ضرور ہے کہ نہ دل سے کہنے وغیرہ کی قید لگائیں کہ اسکو قرینہ کے موجود ہونے سے ذکر نہیں کیا۔ یا قول اذعان و اعتقاد
 مراد لین صیغہ اس لئے کہ خود دل میں بات ہوتی ہے وہ زبان پر آتی جاتی ہے پس اس مناسبت سے اسی اعتقاد کو
 لفظ قول سے بیان کیا۔ اسلئے کہ وہی دل کا اعتقاد سبب ہوا۔ اس زبان پر آئیکا اور اسی کو عربی میں مجازاً طلاق المسبب علی
 کہتے ہیں یا مراد قول سے حکم ہے اسلئے کہ قول حکم کو بھی مجازاً کہتے ہیں بلکہ اکثر حضرون کو قول کہتے ہیں۔ ابن ابی زبیر کا قول
 بعض نے نقل کیا ہے کہ عرب سکلم اور قبل اور مال اور ضرب اور غلب کی جگہ قال کہتے ہیں۔ اب لفظ (اللہ) کی شرح سے
 عالمون نے اس لفظ کی تحقیق میں بہت اختلاف کیا ہے کہ اس لفظ کی اصل کیا ہے اور کس لفظ سے مشتق ہے اور کیونکر بنی
 ہے اور یہ لفظ صفت ہے یا اسم ہے یا نام ہے یا نہیں پچاس تک کہ بعضوں نے خوب بات کہی کہ بسطرح عقل و دہم کو اسکی ذات و
 صفات کی تحقیق میں حیرانی و سرگردانی ہے اسبطرح اس لفظ میں بھی جو اسپر دلالت کرتی و اختلاف و پریشانی ہے تو اب
 ہم کہتے ہیں کہ سیبویہ کے اس بارہ میں دو قول ہیں ایک یہ ہے کہ اصل لفظ اللہ کی آلہ فعال کے وزن پر ہے ہمزہ جو
 کی جگہ ہے اسے خلاف قیاس و قاعدہ بخوی گرا دیا اور اسکی عوض الف و لام ملا دیا۔ اللہ ہوا اور اسی سبب سے یا اللہ ہمزہ
 کے ساتھ کہا جاتا ہے اور اگر عوض اور بدلے کے بنوئی تو باقی نہ رہتی اور اصلی ہمزہ بسطرح اپنے ناقبل کے ملنے سے گرتی ہے۔
 یہی گرجاتی۔ اور فی الجملہ اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو کافی میں اپنے سند کے ساتھ ہشام بن الحکم سے
 منقول ہے کہ ہشام بن الحکم نے دریافت کیا حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے حال خدا کے ناموں کا اور انکی
 اشتقاق کا کہ وہ کس سے ہے میں اسی میں دریافت کیا لفظ اللہ کو کس لفظ سے بنی ہے حضرت نے ارشاد کیا کہ ای مشام
 لفظ اللہ مشتق ہے اللہ سے اور آلہ چاہتا ہے مالوہ و معبود کو الی آخرہ اور دوسرا قول سیبویہ کا یہ ہے کہ اصل اسکی الہ فعل
 کے وزن پر ہے الف و لام اس سے ملا دیا اللہ ہوا اور قول اعشی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ کھلفہ نھن ابی رباح
 یسمی الکبا یعنی نند البور رباح کی قسم جب کواد کا برا لاہ و رخدا تھا مقصود یہ لفظ لاہ اور بعض قول کہ اصل اسکی اللہ ہی الف لم عربی کیستہ ہمزہ کی
 حرکت نقل کر کے لام کو دی اور ہمزہ کو حذف کیا اور لام لام میں ادغام ہو گیا اللہ ہوا۔ لیکن اس حالت میں عوض بدل اسکو قرار دینا
 مشکل ہو گا پس یا اللہ کہنے میں جو ہمزہ نہیں گرتی اسکا اعتراض وارد ہو گا اب اس بات میں اختلاف ہوا کہ یہ لفظ کسی
 دوسرے لفظ سے مشتق ہے اور بنی ہے یا خود بالذات لفظ ہے بلا اشتقاق کے اس بارہ میں خلیل کا قول ہے کہ یہ لفظ
 اسم موضوع ہے کسی سے مشتق نہیں ہے۔ اور اسکا ذکر آگے چلکر آئیگا اور بعضوں کا قول ہے کہ اسم مشتق ہے ہر کے بعد اشتقاق
 میں اختلاف کیا کہ کس سے مشتق ہے پس سیبویہ کے پہلے قول کے بنا پر جب اصل اسکی الہ ہو تو کسی صورت میں ہو سکتی ہیں
 بعضوں نے کہا کہ الہ مصدر معنوں میں مالوہ و معبود کے جو مفعول ہے جیسے کتاب معنی مکتوب و مجموع کے باب جمع
 سے ہے الہ بمعنی عبادۃ یعنی عبادت و پرستش کی اسطرح جو حق عبادت ہے اور انہیں معنوں میں نالہ اور استعا
 بھی ہے تو اب ایسی حالت میں کہ جب الہ جو اصل ہے اسکے معنی بھی معبود کے ہیں اور اللہ جو فرع اور مشتق اس سے ہے
 اسکے معنی بھی معبود کے ہیں تو فرق یہ ہے کہ الہ تو موافق اصل اور وضع اور لغوی معنوں کے ہر معبود کو خواہ حق ہو یا ناحق
 لہ قیر نہ اسکا لفظ ان ہے کہ تحقیقی قول پر دلالت کرتا ہے جس صاف ظاہر ہے کہ بعض زبانیں اقرار نہیں ہے بلکہ دل سے کہتا ہوں اور اعتقاد رکھتا ہوں

سب کو شامل ہے اسلئے کہ یہ معلوم ہو کہ الہ جس باب کے یہ آئے ہے محض خالی عبادت ہی کے معنوں میں ہے لیکن عرف عام اور لوگوں کی بول چال میں البتہ معبود برحق کو الہ کہتے ہیں یعنی اس مفہوم کلی اور ان عام معنوں کے لئے بولا جاتا ہے بخلاف لفظ اللہ کے مراد اس سے وہ ذات ہے جس پر وہ پہلے معنی حقیقت اور واقع میں صحیح و صادق آتے ہیں اور وہ ایسی ذات ہے جس سے تمام کمال کی اچھی اچھی صفاتوں کا ظہور ہے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ مشتق ہے الہ سے جو معنوں میں تخیل کے ہے اسلئے کہ عقلاوں کو اسکی معرفت میں نہایت تخیل و حیرانی ہے تو اب الہ کے معنی مالوہ فیہ کے ہوئے یعنی اسکی ذات کی معرفت میں لوگوں کو حیرانی ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ مشتق ہے الہ سے جو معنوں میں سکون و اطمینان کے ہے عرب بولتے ہیں اھت فلان ای سکت الیہ یعنی مجھے اسکی طرف سکون و اطمینان ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ذکر خدا سے دل کو اطمینان ہوتا ہے اور روح اسکی معرفت سے تسکین پاتی ہے پس الہ بمعنی مالوہ الیہ کے ہو یعنی اسکی طرف سکون و اطمینان ہوتا ہے اور بعضوں کا قول ہے کہ مشتق ہے اُس الہ سے جو معنوں میں پناہ لینے کے ہے کسی امر شدیدی میں اسلئے کہ بلا کا مبتلا اس سے پناہ جاتا ہے پس الہ بمعنی مالوہ الیہ کے ہے جسکی طرف پناہ لیجائے جیسے امام مومنین کو کہتے ہیں جسکی اقتدا کیجائے اور بعض کا قول ہے کہ مشتق ہے اُس الہ سے جسکے معنی ولع کے ہے عرب کہتے ہیں الہ الفصیل اسوقت میں جب پشترانی مان سے زیادہ لپٹا رہتا ہے اور حرص کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بندے وقت نصرت و زاری و شدت و بقیاری میں کس طرح اسکا دم بھرتے ہیں اور اسی کی گزیرگی اور جبینی کرتے ہیں۔ اور بعضوں کا قول ہے الہ جو لفظ اللہ کی اصل ہے و لاہ سے مشتق ہے جسکا ماضی ولہ ہے معنوں میں تخیل کے جب عقل کو کسی بات میں غبط و تخیل ہوتا ہے اسوقت ولہ کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ عقل کو غبط و تخیل معرفت ذات ماری میں ہے و لاہ کے واؤ کو حمزہ سے بدل کیا اسلئے کہ کسرہ واو پر ابتدا کے کلمہ میں زبان عرب پر ثقیل و دشوار ہے حسب طرح ضمتہ دشوار ہے پس وجوہ کو اجوہ پڑھ سکتے ہیں اور الہ مثل شاہ اور احاء کے ہے جسکی اول میں واو تھا اور ہ سے بدل گیا۔ لیکن اسپرچہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اسکی جمع کسر الھذ ہے اولہ یہ اختلاف سیبویہ کے پہلے قول کی موافقیت ہے کہ جب اللہ کے اصل الہ لین اور اگر اسکے دوسرے قول کے موافق اصل اسکی آہ لین تو یہ مصدر ہو گا و لاہ یلہ جسکا مستفید و لاہا ہے اور معنی اسکے مخفی اور پوشیدہ ہونے کے ہیں اور بلند و برتر ہونا ہر شے سے اور ہر جہ سے جو لائق نہیں اوقت میں مصدر بمعنی فاعل ہے یعنی مخفی و بلند و برتر ہونا والا۔ اور اس قول کی بنا پر جو کہتے ہیں کہ اصل لفظ اللہ کے الالہ الف لام تعریف کے ساتھ ہے پس ظاہر ہے کہ جتنے احتمالات سیبویہ کے پہلے قول میں ہیں وہ سب کے سب اس قول میں ہی ہو سکتے ہیں۔ اب اس اشتقاق کے اختلاف سے آپ ماهر ہو چکے تو یہ اختلاف سنئے کہ لفظ اللہ وصف ہے کہ اسمین صفتی معنوں کا بھی لحاظ ہے یا محض اسم ہے بلحاظ صفتی معنوں کے لیکن اس مقام میں پہلے یہ چاہیے کہ اسمیت اور وصفیت کا دار و مدار بیان کیا جائے اسکے بعد دونوں قولوں کے قائلوں کی دلیلیں اور دجین بیان کی جائیں پس اب ہم کہتے ہیں کہ سید سیر اور فاضل تغارانی کے قول کا حاصل خلاصہ حامی ملت و دین جناب سید نور اللہ شومتری رحمہ اللہ نے تفسیر قاضی کے اپنے حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ زبان عرب میں اسموں کی چار قسمیں ہیں اسلئے کہ یادہ اسم قرار دیا گیا ہے ایک ذات غیر معین کیلئے باعتبار و لحاظ ان معنوں کے جو اسمین پاسے جلتے ہیں پس بدلول اسکا اسرافات مبہم غیر معین سے اور ان معنوں سے مرکب ہوتا ہے اور یہ صفت بحت

حالات و کلمات و دین جناب سید نور اللہ شومتری رحمہ اللہ نے تفسیر قاضی کے اپنے حاشیہ میں اس طرح لکھا ہے کہ زبان عرب میں اسموں کی چار قسمیں ہیں اسلئے کہ یادہ اسم قرار دیا گیا ہے ایک ذات غیر معین کیلئے باعتبار و لحاظ ان معنوں کے جو اسمین پاسے جلتے ہیں پس بدلول اسکا اسرافات مبہم غیر معین سے اور ان معنوں سے مرکب ہوتا ہے اور یہ صفت بحت

بجوت و وصف محض ہے جیسے معبود مثلاً یا یہ کہ وہ لفظ مقرر ہے کسی ذات معین کے ایڑی بلحاظ کسی معنی کے اور یہ اسم خالص ہے جو صفت سے مشتبہ نہیں ہے مثل رجل اور مرد کے یا وہ لفظ مقرر ہے ایک ذات معین کیلئے اور اسمین کسی معنی کا بھی لحاظ و خیال ہے اور اسکی دو قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ معنی خارج ہوں موضوع لہ سے جسکے لئے یہ لفظ معین ہوئی اور دوسری معنی باعث ہوئے کہ یہ لفظ اسم اسکے مقابل میں مقرر ہوئے جیسے لفظ احمد اگر نام رکھ دین اس شخص کا جس میں حشر اور سحر پائی جائے دوسرے یہ کہ وہ معنی داخل ہوں موضوع لہ میں اس طرح کہ موضوع جسکے واسطے یہ لفظ مقرر ہے مرکب ہوڈا معین اور معنی مخصوص سے جیسے اسماء زمان و مکان اور اسم آلہ یا مانند لفظ امام کے واسطے موصوفہ کے یعنی جسکی اقتدا کریں اور اس طرح کتاب واسطے شے مکتوب کے اور یہ دونوں قسمیں بھی اسم ہی میں سے ہیں لیکن صفت سے بہت شائبہ میں خصوصاً آخری قسم وہ بالکل صفت کی ہی جاتی ہے اور صفت ہی معلوم ہوتی ہے اور اسکی پہچان کہ اس اسم میں مراد ابہام ذات یا تعین ذات ہے یا نہیں کہ پہلے میں جسمین تعین نہیں ہوتی اور ابہام ذات ہوتا ہے اسکی توصیف و صفت نہیں کیجاتی بلکہ وہ خود اور خیر کی صفت ہوتی ہے بخلاف اسم کے جسمین تعین ذات مراد ہوتی ہے اسکی صفت اور جزین ہوتی ہیں وہ خود کسی کی صفت نہیں ہوتا۔ تمام مواخلاصہ بیان انکا۔ اب یہ دار و مدار و صفیت و سمیت جب معلوم ہو چکا تو معلوم ہونا چاہیے کہ بعض ہ لوگ جو اسمیت اللہ کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ لفظ اللہ علم اور نام ہے خدا کا اور غیر شق ہے اسلیئے کہ یہ تو واجب لازم ہے نہیں کہ ہر اسم ضرورت شق ہوا اسلیئے کہ اگر ایسا ہوتا تو یوں ہی ہمیشہ سلسلہ لامتناہی اور تسلسل جو محال ہے لازم آتا اور یہ نہ ہی خلیل و زجاج کا قول ہے اور اسی کو فخر رازی نے اختیار کیا ہے اور انکی دلیل یہ ہے کہ اسکی توصیف کیجاتی ہے اور دوسری چیزوں کی اس لفظ سے صفت نہیں کیجاتی۔ لیکن اسمین غیر متراض ہے کہ اس مان سے علم اور نام کا ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ خود اسمیت اور وصفیت غالبہ کا ہونا کافی ہے اور دوسری دلیل انکی یہ ہے کہ اگر لفظ اللہ کا ہوتا تو لا الہ الا اللہ کلمہ توحید ہوتا جیسے لا الہ الا الرحمن کہ توحید نہیں ہے اس دلیل پر اعتراض یہ ہے کہ صفت کے نہ ہونے سے یہ کب لازم ہے کہ علم اور نام ہی ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اسم ہو اور دعویٰ تمہارا علم مونیکا تھا وہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے کہ کلمہ توحید ہونے میں یہی کافی ہو کہ اس لفظ اللہ کا کہنا سولے واجب الوجود کے جو خالق عالم ہے کسی کے لیے جائز نہیں ہے نہ مسلمانوں کے نزدیک نہ کافروں کے نہ حضرت کے مبعوث ہونیکے پہلے اسلیئے بخلاف لفظ الرحمن کے کہ ایک شخص الرحمن یا مگر نیک بیان تھا اور یہی دلیل ان لوگوں کی ہے کہ واجب تعلق کیواسطے ایک ایسے اسم کا ہونا ضرور ہے جسپر تمام صفتیں اسکی جاری ہوں اور وہ اسم اسکی صلاحیت نہ کہ اسکے غیر پر ہی بولا جائے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اسکے لئے اسم کا ہونا جسمین وصفیت غالبہ ہو اس طرح کہ غیر میں استعمال نکلیا جائے کافی ہے مثل نجم و ثریا کے علمیت جبکا دعویٰ ہی ثابت نہیں ہوتی اور بعض کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے کہ علم ہے اگرچہ شق ہے اور کچھ بعد نہیں ہے کہ تخریص کا قواف نہ ہو یہی ہو کہ لفظ اللہ اسم ہے جسکا استعمال ذات واجب میں غالب آگیا ہے۔ جیسے تحقیق لفظ آلہ میں کہا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مے تو وصف ہے مگر اس کثرت سے ذات خدا پر اسکا استعمال ہوا کہ اب نام کی مثل ہو گیا اسلیئے کہ اگر محض ذات مخصوص پر دلالت کرتا تو اس قول حقیقی کے ہو اللہ فی السموات و فی الارض اللہ ہے اسمانوں ظاہری صیغہ معنی کچھ نایاب کے حاصل ہو جیسے ہو زید فی الدار وہ زید ہے مگر میں صحیح نہیں ہے اور اسمین یہ اعتراض ہے کہ یہ کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح معنون کا اعتبار ذات کے ساتھ وصف میں ہر سیطرہ خواہ بطور سبب کے ہو خواہ بطور شرط کے دونوں اخیر کی قسموں میں اسم کے ہی اعتبار معنون کا ہے جیسا سید شریف رافضی نقض انی کے کلام سے معلوم

معلوم ہوا اور حسب طرح یہ معنی جب اسم علم ہو جاتا ہے مصحح ہو جاتے ہیں اور سیطرہ صغیر غالب میں بھی مصحح ہو جاتا ہے اس اگر تعلق ہو
 جار مجرور کا لفظ اللہ ہی باعتبار صغیر غالب کے جائز ہو گا قول تھما هو اللہ فی السموات میں تو اگر لفظ کو اللہ کے اسم لیں اور اعتبار
 معنی الوہیت کا اسمین کریں جب بھی یہ تعلق جائز ہو گا بلا فرق کے کہ کوئی انجی تو انہیں اس تعلق میں قہر نہیں۔ پس ہمارے
 اس بیان سے بھانپ رہے ہیں حاصل ہوا کہ معنی الوہیت کے لفظ اللہ سے استفادہ حاصل ہوتی ہیں اس سبب سے کہ وصف غالب
 یا اس جہت سے کہ سیطرہ کا اسم ہے مگر یہ ترجیح بحسب ظن و تخمین ہے نہ موافق جزم و یقین واللہ الموفق والمعين
 آپ ہی لفظ وحدت پس اسکی تعریف اگر ہوگی تو لفظی ہی ہوگی اسلئے کہ وحدت ایک بدیہی چیز ہے اور اسکی تصریح سب محققین
 نے کی ہے اور اسکی لفظی تعریفوں میں سے ایک یہ ہے کہ وحدت تبدل کثرت سے کثرت منقرض ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ثابت
 چاہیے کہ بعض احادیث سے اور کلام علما سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وحدت کی دو تہیں ہیں ایک وحدت عددیہ جو گنتی اور اعداد
 میں ہوتی ہے اور دوسری غیر عددیہ اور حقیقی کی وحدت وحدت عددیہ سے وصف نہیں کیجاتی اور اول وایتوں میں سے
 ایک وہ روایت ہے جو جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے توحید میں اسکی سند کے ساتھ مقدم بن شرح بن ثانی سے اور
 انہوں نے اپنے باب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ بروز خباک جبل ایک اعرابی کھڑا ہو گیا اور کثرت سے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین
 علیہ السلام آپ فرماتے ہیں کہ اللہ واحد ہے راوی کہتا ہے کہ جب اہل شکر اور اصحاب حضرت نے اس اعرابی کا یہ کلام و سوال
 سنا تو امیر ثور بر سے اور کہنے لگے کہ ای اعرابی یہ کون محل وقوع اس ایسا مسئلہ پوچھنے کا ہے دیکھتا نہیں کہ جناب
 امیر المؤمنین علیہ السلام کس کام میں مصروف ہیں۔ کہ ہمسما نکاح دل بٹا ہے جی لگا ہے یہ سننا تھا کہ جناب
 امیر المؤمنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مان مان اسے رہنے دو بھلا اعرابی وہ چیز چاہتا ہے جسکی ہم خود سب لوگوں نے
 خواہش رکھتے ہیں پھر حضرت اس اعرابی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ای اعرابی بھیکہ قول کہ (اللہ تعالیٰ واحد)
 خدا ایک ہے) چار قسم پر ہے دو قسمیں اسمین کی خدا کی بارہین جائز نہیں ہیں اور دو صورتیں جائز اور اسکے لئے ثابت ہیں
 پس وہ دو صورتیں جو جناب باری کے لائق نہیں ہیں اور اسکے لئے ناجائز ہیں ایک یہ ہے کہ کہے واحد اور مراد لے گنتی کا
 شروع پس یہ کہنا خدا کی حق میں جائز نہیں اسلئے کہ جسکا ثانی اور دو کسر اٹھو وہ گنتی کے شروع میں کیونکر داخل ہو سکتا
 کیا نہیں دیکھا تو نے کہ جسے خدا کو ثالث ثلثہ تین میں سے ایک یا تیس قرار دیا وہ کافر قرار پایا اور دوسری صورت کچھ
 کہ جیسے کسی کو کہتے ہیں ہو واحد من الناس۔ وہ بھی ایک انہیں آدمیوں سے ہے تو مراد یہ ہوئی کہ اسی جنس سے
 نوع یا نوع سے شخص ہے مثلاً ایسے ہی خدا کے لئے کہنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ یہ تشبیہ ہے اور حقیقی ایسی مشابہت سے
 سے بزرگ و برتر ہے اب رہیں وہ دو صورتیں جو ذات باری کے لئے زیبا اور جائز ہیں وہ یہ ہیں کہ کہیں اندھو غر و جل و
 وہ جہت بجانہ و تعالیٰ واحد و یکتا ہے کوئی شے اسکی شبیہ و مثل و مانند نہیں ہے اس طرح کا کہنا جائز ہے اور ہمارا خدا ہی
 طرح ہے اور جیسے قول قائل اللہ ربنا غر و جل احد المعنی ہمارا پروردگار ہر طرح واحد و یکتا ہے۔ یعنی اسکی تقسیم اور
 جزا و مرکب سے نہ وجود میں ہو سکتے ہیں نہ عقل میں نہ جسم میں یہ بھی معنی جائز نہیں اور اس طرح ہمارا خدا ہے لیکن ظاہر نظر میں یہ
 یہ قول قول سے جناب امام زین العابدین علیہ السلام کے صحیفہ سجادیہ میں مخالف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نے فرمایا ہے و لا
 یا الہی حد انیہ العدد خداوندانیرے لئے وحدانیت عدد ہے تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قول ہمارا اللہ واحد کنی معنی
 رکھتا ہے بعض انہیں صحیح میں اور کچھ اذعان و اعتقاد رکھنا لازم و واجب ہے اور بعض انہیں ایسے ہیں کہ انکا منسوب کرنا
 درگاہ باری کی طرہ جائز نہیں ہے اور حرام ہے وہ معنی جو صحیح میں ایک انہیں سے یہ ہی کہ واحد سی مراد لیں کہ مفہوم وصف

وصف عنوانی یعنی جو چیز اسیر لولی جاتی ہے۔ اور جو چیز اسمیں پای جاتی ہے وہ مکر اور دھری نہیں ہے اور ان معنوں سے
 ہر شے کو واحد کہہ سکتے ہیں۔ بلکہ وہ معنی اور مفہوم جو خود اپنی ذات کو ہی عارض ہو نہیں اور اپنے اوپر ہی صادق آتے ہیں جسے
 علم حکمت و منطق میں کلی و مکرر کہتے ہیں وہ بھی اس معنی سے واحد ہیں جیسے کلی اور شئی اور جنس و انسان وغیرہ اسلئے کہ
 کہہ سکتے ہیں کہ کلی ایک ہی کلی اور شئی ایک ہی شئی اور جنس ایک ہی جنس ہے اسلئے کہ کلی جسکو آپ نے کہا وہ اس جگہ کہ نہیں ہے
 یعنی جو کلی ہے وہ اکہری ہے دھری نہیں ہے پس کلی واحد یہ صحیح ہوا اسد طرح خود شئی کو بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ بھی ایک
 شئی ہے دھری نہیں ہے اسد طرح ہر چیز کو ایک کہہ سکتے ہیں کیونکہ وہ اکہری ہے دھری نہیں ہے اب رہی یہ بات کہ علم
 حکمت و منطق میں کیوں ایسے کلی کو مکرر و مکرر کہتے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسی عام شے ہے کہ غیر جزو نہ پر ہی جاتی
 ہے اور خود اپنے اوپر ہی صادق آتی ہے پس ایک کلی تو خود محل حقیقت و ذات ہے اور دوسرے کلی وہ عارض ہے اولاً و ثانیاً قائم
 اور اس میں پائی جاتی ہے اور یہ معنی واحد کے جب عام اور ہر شئی کی واسطے ہو سکتی ہے۔ تو کچھ توحید اور غیر توحید میں مفید بھی
 اسی سبب جناب امیر المومنین نے اس معنی وحدت کی تفسیر توجہ اور التفات نہیں فرمایا۔ دوسرے معنی صحیح وحدت کے میں
 کہ ایک فرد مراد لین عام مضمون کی جو سب پر صادق آتی ہیں جیسے شے اور موجود ہی کہ عام ہے سب پر صادق آسکتی ہیں پس یہ
 کہیں کہ ان سب چیزوں میں ایک خدا ہی ہے اور موجودات میں ایک خدا ہی ہے تو یہ معنی اگرچہ صحیح ہیں مگر مثل پہلی معنوں کے
 یہ بھی مفید ہیں نہ مضر اسی سبب سے یہ بھی جناب امیر المومنین علیہ السلام نے نہیں بیان فرمائی۔ تیسرے معنی یہ ہیں کہ کہیں
 اللہ ایک ہے اس راہ سے کہ چوٹی الوہیت کے لفظ اللہ سے سمجھ جاتے ہیں انہیں دولی اور کثرت و مکرر حقیقت و واقع
 میں نہیں ہے سوائے پروردگار کسی میں یہ معنی الوہیت کے پائے ہی نہیں جاتے اور سوائے اس ایک اللہ کے دوسری
 فرد اسکی ہی نہیں اور ان معنوں سے توحید کا اعتقاد و اقرار لازم و واجب ہے اور اسی توحید سے یہ بھی توحید ملتی ہے کہ جس طرح
 الوہیت ایک ہی میں پای جاتی ہے اسد طرح اسکے سوا کوئی اس عالم کا پیدا کر نہوا لایا ہی نہیں ہے وہی تنہا اسکا پیدا کر نہوا
 اور صانع عالم ہے اور نہ ہی تنہا واجب الوجود اور قدیم ازلی ابدی ہے کہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ سوائے اسکے کوئی
 دوسرا قدیم اور واجب الوجود نہیں ہے اور یہ جو سمجھنے کہا کہ اس معنی توحید الوہیت سے یہ معنی توحید بھی لاحق ہیں یہ اس سبب
 کہا کہ یہ معنی اللہ واحد سمجھ میں نہیں آتے بلکہ اس مقام کی مناسبت اور قیاس سے حاصل ہوتے ہیں اسلئے کہ حاصل ان معنوں کا
 یہ ہوا کہ اللہ واحد و یکتا ہے اس عالم کے پیدا کرنے میں ہی اور واجب ہو نہیں ہی۔ بلکہ متصور ہے جو صوفی مذہب میں انہوں نے
 تو اس توحید کے ساتھ ایسی توحید وجود شامل کی ہے کہ سوائے خدا کے کوئی موجود ہی نہیں سمجھتے جو کچھ موجود ہے وہ خدا ہے
 خدا ہی کھر میں سوائے خدا کے کوئی غیر کھر والا نہیں ہے اور یہ کھر و شرک ہے درگاہ خدا میں اور اسی طریقہ اور مذہب کو
 ہے اپنی کتاب شہاب ثاقب میں جو نہایت عمدہ عمدہ تحقیقوں پر شامل اور نہایت باریک باتوں اور تہ قیقات میں کامل ہے
 باطل کیا ہے جو چاہے اسکے طرف رجوع کرے اور اسکو دیکھے اور ظاہر یہ ہے کہ معنی توحید کے وہی تیسرے معنی توحید میں
 جو کلام جناب امیر المومنین میں مذکور ہیں اس حدیث اعرابی میں چوتھے معنی توحید کے یہ ہیں کہ وہ خدا واحد و یکتا ہے اس طرح
 کہ اسکے جز اور ٹکڑے نہ ہیں میں ہو سکتے ہیں نہ خارج میں یعنی اسمیں کی طرح کثرت اور دولی ہو ہی نہیں سکتی یہاں
 تک سعادۃ سبب خدا میں ۱۲

اگر پروردگار عالم خیر کو مہلت دی اور افکار زمانہ سے نجات ملی تو اس کتاب شہاب ثاقب کا ہی ترجمہ کر کے اردو زبان میں طبع کرونگا خادم المومنین

یہاں تک کہ اُسکے خبر بھی نہیں ہیں کہ اُن جزوین میں دوسری ہو جائے نہ ذہن میں نہ خارج میں اور نہ کئی ضیق میں ہو نیسے اس میں
تعدد اور کثرت اور دوئی آتی ہے یہ بھی چوتھے معنی توحید کے ہیں۔ جو کلام میں جناب امیر المومنین ؑ کے ذکر ہوئے۔ جس کا
اعتقاد و اذعان کہنا ہر بالغ و عاقل پر لازم واجب ہے۔ یا چونکہ معنی توحید کے یہ ہیں کہ اس طرح کہہیں کہ وہ واحد ہے
یعنی ایک فرد ہے کسی جنس یا کسی نوع یا کسی صنف یا کسی قسم کی پس توحید ان معنوں سے حقیقی کے ذات کے
لائق نہیں اور اس پر اطلاق اس توحید کا ناجائز اور حرام بلکہ محال ذاتی و مستبعد ہے اس لئے کہ یہ معنی مخالف ضمیمہ
توحید کے اس راہ سے جو چوتھے معنی توحید کے بیان ہوئے اس لئے کہ کسی شے کا کسی نوع کی فرد ہونا یہ بغیر اس
حقیقت نوعیہ کے لائق دو جزوئے مرکب ہو ہی نہیں سکتا۔ اور کبھی حال جنس و صنف وغیرہ کا ہے۔ اور یہ وہی دوسرے
معنی توحید کے ہیں جو کلام جناب امیر المومنین ؑ میں بیان ہوئے تھے اور حضرت نے اپنے اعتقاد کی ممانعت فرمائی تھی جیسے
معنی توحید کے یہ ہوں کہ وہ واحد ہے یعنی سب خداؤں میں پہلا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ واحد کے معنی ذہن میں آ ہی نہیں
جب تک اس کا دوسرا خیال نہ کریں کہ وہ ایک اور پہلا ہو اور کچھ دوسرا مثلاً پس ان معنوں سے توحید قرار دینا مستبعد و ناجائز ہے
جس طرح یا چونکہ معنی محال ہے اور اسی طرح جو معنی ہیں کہ مخصوص ذات باری کی میں ان سب میں اس طرح کہنا مثلاً
وہ پہلا اصل عالم ہے اور پہلا واجب الوجود ہے یا اس جیسے معنوں سے جائز نہیں ہے اور یہ وہی پہلے معنی توحید کے
ہیں جو کلام امام علیہ السلام میں بیان ہوئے البتہ اگر ایسی چیز جو خدا کے مخصوص نہ ہو اس میں اول و ثانی ان معنوں سے کہہ
ہیں جیسے مثلاً کہیں کہ اول موجودات یا اول اشیاء خدا ہے اور ثانی مثلاً کہ ہے پس قول جناب سید عبدالعظیم رحمہ اللہ
کا اس حدیث شریف میں کہ خدا واحد ہے اس سے وہی معنی لیتا چاہیں جو توحید میں واجب و لازم ہیں کیونکہ مقام اسی
مناسب ہے پس حاصل ان کے قول کا کہ اللہ واحد ہے یہ ہے کہ سوائے اللہ کے دوسرا خدا نہیں ہے اور واجب الوجود سوا
اس کے کوئی نہیں اور صانع عالم وہی ہے اس کی تقسیم و جزو نہ وجود خارجی میں ممکن ہیں یہ عقل و دہم میں اواب اس بیان سے
خطا ہر در روشن ہو گیا کہ جو وحدت و یکتائی خدا کے لئے ہے وہ اس کے سوا دوسرے میں نہیں ہے۔ اور کسی میں خیال
ہو سکتے ہی نہیں اس لئے کہ اس کے سوا اور کسی میں اگر وحدت کسی طرح کی ہوگی تو کسی کسی طرح کی دوئی بھی اس میں ضرور ہوگی کہ
کم ہے کہ وجوب و لزوم اس میں اپنی علت اور غیر کے سبب سے اور امکان خود اپنے
ذات کی طرف سے نو ضرور ہے ہوگا۔ پس شاید مراد جناب امام زین العابدین علیہ السلام کی معنی عبادیہ میں یا اللہ وحدت
العدد تیری ہی لئے ہے یکتائی وحدانیت عدد میں یعنی جو وحدانیت و یکتائی تیرے لئے ہے وہ بھی یکتائیہ دوسرے
میں وہ وحدانیت نہیں ہے تیرے کبرائی و جبروت کی خصوص ہے اور کسی مخلوق کی واسطے وہ وحدانیت حاصل نہیں
اور اس وحدانیت کی نسبت عدد کی طرف اس وجہ سے فرمائی کہ وحدت و اعداد ہے پس یہ نسبت توضیح و تشریح کے
لئے ہے نہ کسی شخص کے واسطے واللہ تعالیٰ يعلم اب بھی قول جناب سید عبدالعظیم رحمہ اللہ کا اس حدیث شریف میں پس
کشتہ شئی قیست باس قول حق تعالیٰ سے سورہ نجم عشق میں کہ پروردگار عالم نے خود ارشاد فرمایا ہے پس کشتہ شئی
وہو الاستیعاب البصیر یعنی اس کے مثل و مانند کوئی شے نہیں ہے اور وہ سب سنی اور دیکھنے کی چیزوں کو جانتا ہے
حاصل اس کا یہ ہے کہ کوئی مثل اس کا نہیں ہے بطور بق کنا یہ کے اور فرق کنا یہ اور مجاز میں یہ کہ کنا یہ وہ لفظ ہے کہ اس کے
معنوں کو جو نیز لازم ہوتی ہے وہ مراد لاجبائی ہے اور خود و اور معنوں کا بھی مراد لینا اس میں جائز رہتا ہے۔
۱۵ اور مکلفین عافیس کو بھی لازم و واجب ہے کہ توحید سے یہی معنی مراد لین ۱۲ مترجم

جیسا کہ قول عرب میں ہے (فلان طویل النجاد) یہ کنایہ ہے طویل القاست سے اور یہی مراد ہے اگرچہ طول بنجاد یعنی مہمائل شمشیر کا طول اور پرتلے کی لمبائی بھی مراد ہو سکتی ہے اور مجاز میں دو نو معنی تھقی اور اسکا لازم نہیں ہو سکتی پس مراد نفی مثل مثل باری تعالیٰ سے نفی مثل باری ہے جس طرح نفی مثل لیس کا مثلاًشی سے نہیں ہے مثل خدا کے کوئی شے مراد ہے لیکن پہلا طریقہ بیان یعنی لیس کثرت سے یہ نہایت فصیح و بلیغ ہے لیس کا مثلاًشی سے - اسلئے کہ جیسا کہ نفی کی ادب چیز جو قائم مقام اس کے مثل کے اور اسکی صفتوں سے خاص ہے تو اس کے مثل کے بھی نفی بدرجہ کامل حاصل ہوئی اور نظیر اسکی عربی میں یہ ہے کہ کسی عرب سے کوئی کہی العرب لا تحفر الذمم یعنی عرب لوگ عہد شکنی نہیں کرتے تو اس طرح کہنا موافق ادب قاعدہ کے اور فصیح و بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ خود اسی سے خطاب کر کے کہیں لا تحفر تو عہد شکنی اور بد عہدی نکر - اور اسی طرح قول پروردگار عالم ہے بل ید اہ مبسوطات ان اس کے ہاتھ کشادہ ہیں یعنی خداوند عالم کریم و جواد ہے یہی اس جملہ سے مراد ہے بغیر اس کے کہ اس کے لیے ہاتھ کا تصور و خیال کریں اور ہاتھ کی کشادگی کا فرض محال کریں اسلئے کہ اس عبارت سے مقصود کرم و جود ہے نہ یہ کہ بیان دوسری باتوں کا کوئی خیال موجود ہے بلکہ جس کے ہاتھ بھی نہیں ہوتے ہیں اس کے لیے بھی یہی بات کہتے ہیں اسی طرح یہ کلمہ لیس کثرت سے لیس کے لیے جس کا مثل ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا ہے سب کے لیے برابر بولا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ کلمہ تشبیہ تاکید کے لیے آیا ہے جیسے کسی کو کہتے ہیں فاصبحوا مثل کعصف ماکول (یعنی جیسے بالکل چبائے ہوئے بھوسے کی طرح ہو گئے) یہی خلاصہ اس کا ہے جسکو زرخشری نے اپنی تفسیر میں کہا ہے اور یہ لیس کثرت سے اقتباس کرنا جناب سید عبد العظیم رحمہ اللہ کا بعد اپنے قول (اللہ تبارک و تعالیٰ واحد) کے ممکن ہے کہ توفیح و تشریح کے لیے ہو اس طرح کہ مراد وحدت سے ایسے معنی لین جو شامل ہوں وجود مثل پر خواہ بطور حقیت تو عہد یا جنسیت کے یا بطور لازم مخصوص مثل الوہیت و واجبیت و خالقیت کے اور مثل سے مراد وہ شے جو موجود ہو جو شریک ہو کیلئے واجب و ممنوع و محال و جائز و ممکن ہونے میں بنا بر اصطلاح مشکلیں و قرار داد علماء الہیین کے اسلئے کہ مثل کے نفی معنی مذکور سے لازم ہے وحدت کو معنی مذکور سے اور اسی طرح جب مثل سے ایسی چیز مراد لین جو نام ماہیت و حقیقت میں مشترک ہو جیسے عمر بہ نسبت زید کے مثلاً بنا بر اصطلاح و قرار داد حکماء فلسفین کے اسلئے کہ نفی خاص کی عام جو نفی عام سے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اقتباس کرنا تاسیس اور نئی بات کا بیان ہو اس طرح کہ وحدت کے ایسے معنی لین جو معنی مثل کو لازم و شامل ہوں اون معنوں سے جنکا ذکر ہو چکا - اور یہ قول جناب عبد العظیم علیہ الرحمہ کا خاج من الحدین حد الا بطل و حد التشبیہ (خارج ہے دونو حدون حد البطل اور حد تشبیہ سے) حد البطل یہ ہے کہ نہ اس کے لیے وجود ثابت کریں اور نہ کوئی صفت کمال خواہ فعلی ہو یا صفائی اور حد تشبیہ یہ ہے کہ ممکنات کا اسکو شریک ٹھہرائیں حقیقت صفات یا عوارض ممکنات میں اسی طرح بعض نے کہا ہے اور یہ ظاہر ہے ہر شخص اس سے ماہر ہے - اور یہ قول اون جناب کا - و هو انہ لیس بجسم ولا صورة ولا عرص ولا جوہر - (نہ وہ جسم ہے نہ صورت نہ وہ عرص ہے نہ جوہر) یہ جملہ بیان اس سے کا ہے جو پہلے کہا تھا کہ وہ خارج ہے حد البطل و تشبیہ سے کہ موجود ہے اور پھر کسی کے مشابہ نہیں ہے - جسم کی تعریف میں بعض نے کہا ہے کہ جو شخص معلوم و مدبر رک ہے وہی جسم بلا شک ہے اور کتاب خلیل سے بعض نے نقل کیا ہے کہ جسم ہی بدن اور اعضا سے بدن انسان و حیوانات وغیرہ ہیں اور اسی طرح کہ اگرچہ کتنا ہی عظیم و بزرگ ہو اور بوزید کا قول بعض نے نقل کیا ہے کہ جسم ہی جسد اور بدن ہے اور اسی طرح مجمع البحرین میں بھی لکھا ہے لیکن یہ معنی

موافق لغت اور عرف کے تھے اب رہے اصطلاحی معنی پس اشاعرہ کے نزدیک جسم وہ جو ہر ہے جو قابل تقسیم ہو جسکے ٹکڑے ہو سکیں اور یہ تعریف اونکی شامل ہے اس چیز کو بھی جو وہ جو ہر فرد سے بھی مرکب ہو۔ اور معتزلہ کے نزدیک جسم وہ ہے جسمین طول و عرض و عمق تینوں چیزیں ہوں اور فلسفیوں کے نزدیک جسم وہ جو ہر قائم بالذات ہے جسمین تینوں بُعد (طول عرض عمق) قرار دینا ممکن ہو اگرچہ اس وقت ٹکڑے اور جسمین نہ ہوں اور نہ ٹکڑے اوکے کیے جاسکیں۔

اب رہی صورت کی تعریف تو اسکی نسبت صاحب قاموس نے تصریح کی ہے کہ صورت شکل کو کہتے ہیں اور شکل کو فارسی میں پیکر کہتے ہیں (جسکو اردو میں رخ و بیج سانچہ ڈھانچہ کہتے ہیں) اور حکما کی اصطلاح میں شکل وہ نسبت ہے جو گھیرنے سے ایک حد مثل دائرہ اور کرہ کے یا کئی حدوں کے گھیرنے سے مثل مثلث اور مربع اور مکعب کے حاصل ہوا اور صورت اونکی اصطلاح میں وہ چیز ہے جسکے سبب سے شے بالفعل موجود ہو جائے جیسے صورت جسمیہ بہ نسبت جسم کے اور صورت نوعیہ بہ نسبت ہر ایک کے معنیات و نباتات و حیوانات کے اقسام سے۔ اور عرض اونکی اصطلاح میں اوس شے ممکن کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے محل اور موضوع قائم بالذات کے ساتھ یا یا جائے خود بالذات علیحدہ اوس سے نہو۔

اور جوہر اُنکے نزدیک وہ شے ممکن ہے جو بغیر موضوع و محل کے خود قائم بالذات موجود ہو۔ بعض محققین کا قول ہے کہ علماء کے نزدیک جوہر کی لفظ کئی معنوں کے لیے مقرر ہے۔ ایک یہ ہے کہ شے کی حقیقت اور اس کی ذات کو جوہر کہتے ہیں۔ دوسرے اس موجود کو جسے محل و موضوع کی احتیاج نہ ہو۔ تیسرے اس چیز کو جو خارج میں اگر پائی جائے تو بغیر موضوع و محل کے پائی جائے۔ چوتھے جو چیز کسی صفت کو قبول کرے اس چیز کو بھی جوہر کہتے ہیں۔ پانچویں اس کو بھی جوہر کہتے ہیں جس میں ایک صفت کے جانیکے بعد دوسری صفت آتی رہے۔ جب یہ پانچوں معنی جوہر کے معلوم ہو چکے تو سمجھنا چاہیے کہ پروردگار عالم پر معنی اول و معنی دوم سے جوہر صادق آ سکتا ہے اس لیے کہ اس کے لیے حقیقت و ذات ہے اور وہ ذات اس کی محل و موضوع کی محتاج نہیں ہے اور تیسرے معنی جوہر کے اس پر صادق نہیں آ سکتے اس لیے کہ وجود باری تعالیٰ اس کی عین حقیقت ہے نہ اس سے غیر و علیحدہ اسی طرح چوتھے اور پانچویں معنی بھی جوہر کے اس پر صادق نہیں آتے کیونکہ انشاء اللہ آمیدہ اس کا بیان ہوگا کہ کوئی صفت اس کی ذات سے زائد اور علاوہ نہیں اس طرح کہ اس صفت کو قبول کرے اور ذات کو وہ صفت عارض اور ذات اس کی معروض ہو اب رہی یہ بات کہ خدا کے نام توقیفی ہیں صاحب شرع کے بتانے پر موقوف ہیں اور صاحب شرع سے اجازت اس جوہر کی لفظ کے کہنے کی اس کی ذات پر نہیں وارد ہوئی لہذا اس لفظ جوہر کہنا اس کی ذات کے واسطے مطلقاً ممکن نہیں ہے اس لیے کہ دونوں پہلے معنی اگرچہ صادق ہو سکتے ہیں مگر اس لفظ کے کہنے کی اجازت نہیں ملی اب رہے باقی اعتبارات تو نہ وہ لفظ جائز ہیں اور نہ معنوں کی راہ سے جائز ہیں یہاں تک کہ یہ عبارت و کلام انہیں بعض محققین کا تھا اور یہ جو کچھ اوپر لکھا مقال ہے یہی حقیقت حال ہے۔ اور اسی حدیث شریفہ میں جناب عبدالعظیم علیہ الرحمہ نے اپنے عقیدہ کے اظہار میں یہ بھی بیان فرمایا ہے۔ بل هو مجسم الا جسام و مصور الصور و خالق الاعراض و الجواهر و رب کل شئ و مالک و جاعل و محدث و بلکہ اسی نے جسموں کی صورت دکھائی ہے اسی نے صورتوں کی شکل بنائی ہے وہی اعراض و جواهر کا خالق ہے وہی

ہے شے کا پروردگار اور انہی ہر شے کا مالک و جاعل و محدث و باعث ہے باقی ہر چیز مملوک و مجعول و حادث ہے (رب اصل لغت میں تربیت کے معنوں میں ہے اور تربیت کسی شے کو رفتہ رفتہ اس کے کمال تک پہنچانے کو کہتے ہیں پس ازراہ مبالغہ کے یہ صفت واقع ہوا جیسے صوم و عدل کہ مبالغہ صائم اور عادل کی جگہ بولا جاتا ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ رب لغت و صفت ہے ربہ یرتبہ فہو رب (رب تربیت کرنے والا) جیسے لغتہ تم فہو تم (یعنی جیسے تم صفت و اسم فاعل ہے اسی طرح رب بھی ہے) اب زبان عرب میں رب مالک کو کہتے ہیں کیونکہ وہ تربیت اور حفاظت کرتا ہے اپنے مملوک کی اور یہ قول او نجنا ب کا جاعلہ اپنے ظاہری معنوں سے اشارہ کر رہا ہے جعل بسیط کی حقیقت کا جیسے قول حق تعالیٰ جعل الظلمات والنور سے اشارہ جعل بسیط پر ہے کہ نفس و ماہیت ظلمت و نور کو پیدا کیا ہے اور یہی قول حق ہے جسے دلیاؤں نے بھی ظاہر و ہویدا کیا ہے۔ اور قول او نجنا ب رہ کا محدثانہ اشارہ کرتا ہے کہ عالم حادث ہے قدیم نہیں ہے۔ اب بیان پر یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ عدالت خدا کا اقرار کرنا یہ بھی ایک اصل ہے اصول دین سے کہ جو شخص عدل خدا کا اعتقاد نہ رکھے اس سے مومن نہ کہیں گے اور وہ مومن نہیں ہے مگر کلام میں جناب سید علیہ الرحمہ کے اس عدل کی تصریح نہیں ہوئی کی وجہ یہ ہے کہ رب کہنا اس کو اسی سے عدل نکل آیا اس لیے کہ عدالت اس کے رب ہونی کو لازم ہو کیونکہ تربیت جس سے رب مشتق ہے بغیر عدالت پائی جا ہی نہیں سکتی واللہ تعالیٰ یعلم۔ اور قول او نجنا ب کا وان محمد اعبدا و رسولہ خاتم النبیین فلا نبی بعدہ الی یوم القیمۃ (بدل اقرار کرتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفیٰ سید المرسلین اس کے بندے اور رسول خاتم النبیین ہیں خیر نبوت کا خاتمہ ہوا اب اس کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہ ہوگا) نبی اس کو کہتے ہیں کہ جو انسان خدا کے پیغام بغیر کسی انسان کے واسطے کے بندوں کو پہنچائے اور اس کے حکم بتائے خواہ اس نبی کے واسطے خدا کی جانب سے کوئی خاص شریعت و طایفہ مقرر ہو جیسے ہمارے پیغمبر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے واسطے تھا یا کوئی خاص شریعت اس کے لیے نہ ہو بلکہ کسی نبی کی شریعت پر اس کو عمل کرنے کا اور ہدایت کرنے کا حکم ہو جیسے حضرت یحییٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام تھے۔ وجہ تسمیہ کے بیان میں بعض نے کہا ہے کہ نبی کو نبی اس لیے کہتے ہیں کہ وہ خبر دیتا ہے خدا کی جانب سے (پس بتا رہے جس کے معنی خبر کے ہیں مشتق لیتے ہیں ابی فعیل کے وزن پر ہے معنوں میں مقبل) (اسم فاعل باب افعال سے) اور بعض نے کہا ہے کہ نبی مشتق ہے نبوت و نباوت سے جس کے معنی بلند ہونے کے ہیں زمین سے تو نبی کو نبی اس سبب سے کہتے ہیں کہ وہ شرف و بزرگی میں بلند مرتبہ ہے تمام مخلوقات سے پس اس صورت میں لفظ نبی کی اصل بغیر ہمزہ کی ہوگی اور بعض نے اور وجہ میں بھی اسے علاوہ لکھی ہیں۔ اور نبی اور رسول میں یہ فرق ہے کہ رسول خدا کی جانب سے پیغام پہنچاتا ہے بغیر کسی انسان کی وساطت کے اور اس کے لیے ایک خاص اس کی شریعت خدا معین کرتا ہے خواہ ابتدا ہو جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ناسخ ہو اور شریعتوں کے جیسے ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ اور نبی کے لیے یہ خیرین ضرور نہیں ہیں کبھی اس سے خالی ہوتا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ نبی فرشتوں کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس کی آواز میں سنتا ہے اور ظاہر بظاہر جاتے ہیں نہیں دیکھتا اور رسول وہ ہے کہ فرشتوں کی آواز بھی سنتا ہے اور خواب میں بھی دیکھتا ہے اور ظاہر بظاہر جاتے ہیں بھی دیکھتا ہے تیسرا فرق یہ ہے کہ رسول کبھی کبھی فرشتے اور ملائکہ بھی ہوتے ہیں

بخلاف بنی کے کہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا۔ قول او نجاب علیہ الرحمہ کا۔ واولن الامام والخليفة واولی الامر من بعدہ
امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام (اور بھی میں تہ دل سے کہتا ہوں کہ امام برحق و خلیفہ مطلق
اور حاکم احکام خلق بن۔ اور حضرت کے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں) امام اسم ہر معنوں میں
من یؤتہ بہ کی (جسکی پیروی کی جائے) اور اصطلاح میں امام وہ ہے جو رئیس عام اور حاکم تام امور دنیوی اور دینی
دونوں میں ہو نائب اور خلیفہ اور جانشین ہو نیکی سبب سے ہمارے بنی صلی اللہ علیہ وآلہ کے اور کبھی امامت
مطلق ریاست و حکومت عام کو بھی کہتے ہیں بغیر قید نیابت و خلافت کے جیسا کہ اسیر یہ قول حق تعالیٰ دلالت کرتا ہے
جسے حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا ہے انی جاعلک للناس اماما
(میں تمکو ضرور لوگوں کا پیشوا اور حاکم بناؤں گا) اور کتاب کافی میں شحام کی روایت میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے
منصب امامت کی افضلیت مرتبہ نبوت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض علما نے فرمایا ہے کہ ولایت یہ ہے کہ حق تعالیٰ
کی طرف سے انسان کو بعض اعمال کا القا اور الہام ہو اور امامت یہ ہے کہ اوسکو احکام پہنچانے کا بھی حکم ہو ان
معنوں کی راہ سے ولایت کو امامت سے وہ نسبت ہے جو نبوت کو رسالت سے۔ اور قول او نجاب علیہ الرحمہ کا
ان المعراج حق (اسکا بھی اعتقاد و یقین رکھتا ہوں کہ معراج حق پر مراد معراج سے جناب رسالت کا اسی
بدن شریف سے آسمان پر عروج فرماتا ہے جسکی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ باب نبوت میں بیان ہوگی اور یہ قول او نجاب
کا الجنة حق والنا حق۔ (بہشت و دوزخ حق ہے) مراد حیت و نار سے ثواب و عذاب کی جگہ ہے۔ اور
قول او کا الصراط حق (صراط کا پل حق ہے) مراد اس مقام پر پہر اور پل ہے جو جہنم کے اوپر بچھایا جائیگا
بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی بارہ سے زیادہ تیز ہوگا اور تمام اولین و آخرین کا اوسپر سے گذر ہوگا
اور یہ قول او نجاب کا المیزان حق (میزان حق ہے) بیان مراد میزان سے ترازو ہے۔ اور یہ قول او نجاب
کا والا مر بالمعروف والنہی عن المنکر (یعنی امر بمعروف اور نہی منکر واجبات سے ہے) معروف
واجب و مستحب کو کہتے ہیں لیکن مراد یہاں واجب ہے اور منکر سے مراد حرام ہے باقی فقرات حدیث کا مطلب
ظاہر ہے دوسرا مقدمہ معرفت خدا کے معنوں کی تحقیق میں خوب سمجھنا چاہیے معرفت سے کبھی اولیٰ جزئیات
اور اولیٰ چیزوں کا علم مراد ہوتا ہے جو ان حواس ظاہری آنکھ کان زبان ہاتھ وغیرہ سے دریافت ہوتے ہیں
جیسے عربی میں کہتے ہیں عرفت الشئ اعرفناہ بکسر راء مملہ عرفانا و سوفت جب کسی شے کو ان حواس خمسہ مذکورہ
سے دریافت کرتے ہیں۔ اور کبھی معرفت سے مراد ادراک اور دریافت کرنا اوس چیز و جزئی کا ہوتا ہے جو بسیط
و غیر مرکب و مجرد و خالی مادہ سے ہو اور ظاہری حواس سے اوسکا ادراک ہونے کے جیسے عربی میں کہتے ہیں
عرفت اللہ اور علمت اللہ نہیں کہتے اور کبھی معرفت اسکو بھی کہتے ہیں کہ پہلے سے کسی چیز کا علم ہوا اور پھر
معلوم ہو جائے۔ اور اسکو بھی معرفت کہتے ہیں کہ کوئی چیز معلوم ہو اور او سے بھول جائیں اور پھر دوبارہ
یاد آئے اور معلوم ہو۔

اور اسی اخیر معنوں کی نسبت بعض کا قول ہے کہ اسی معنی سے حق تعالیٰ کی معرفت کو معرفت کہتے ہیں
اسلیے کہ روحیں بدون سے پہلے پیدا ہوئیں ہیں جیسا کہ حدیثوں میں وارد ہوا ہے اور اوہنوں نے عالم
ارواح میں اقرار خالقیت و ربوبیت اوسکا کیا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں بیان فرمایا ہوا الاست برکم

تالو ابلی (یعنی پروردگار عالم نے اونسے خطاب فرمایا کہ کیا میں تمہارا خالق و پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا کیوں نہیں تو ہمارا خدا اور مالک و مختار ہے) لیکن جبکہ ان ظلماتی بدفون سے اوسکی ترکیب ہوئی اور اس اندھیری کو ٹھہری میں پھنسے اور اس مادی پردہ کی گٹھا ٹوپ اوپر ٹپری تو اپنے مالک و خالق کو بھول گئی پھر جب ریاضت کر کے مشقت جھیل سکے اس دار غرور کے قید خانے سے نکلے اور علم و عقل کی بدولت جدوجہد کر کے اس عالم زور و بہتان کی توجہ و رغبت چھوڑی تو اپنے اوس قدیمی قول و اقرار کو نیا کیا جو اس زمانے کے ہاتھوں اور دنیا کی گھاتوں سے انیٹ ہو ہی چکا تھا تو انجانب اوسے دکھو یا ہوا بعد دوبارہ آتا تو اس علم نے معرفت کا خطاب پایا اور پھر دوبارہ اوس معرفت کا ظہور ہوا تو یہ بعینہ نور کا علی نور ہوا ایسا تک اور نہیں بعض علام کا کلام تھا۔ اب یہ خوب توجہ سے سمجھنا چاہیے کہ مراد معرفت خدا یہ نہیں ہے کہ اوسکی کنہ ذات کا ادراک کرے اسلیے کہ یہ محال خیال ہے اور خیال محال ہے بلکہ مراد معرفت سے نعوت جلال کا جاننا ہے اور صفات جمال کا پہچاننا ہے اور مقدر کہ طاقت بشری کا امکان ہو عقل میں تاب و توان ہو۔ یعنی اوسکے واجب الوجود ہونے کا یقین و اذعان کرے اور اوسکے تمام عالم کے صانع و خالق ہونے کا ایمان لائے اور یہ بھی دل سے اقرار و اعتقاد رکھے کہ وہی منزاوار عبادت ہے نہ غیر اور اسکا کوئی لائق طاعت ہے اور تمام صفات ثبوتیہ جنکا وہ مستحق ہے اونکو پہچانے اور صفتیں سلبی جو اوسکے لائق نہیں اونسے اوسے مبترا جانے۔ اور علم کو بھی معرفت کہتے ہیں اسلیے کہ بجا رالانوار میں جامع الاخبار سے اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص خدمت بابرکت جناب رسالتا میں حاضر ہوا اور اس طرح عرض کیا ما را اس العلم قال معرفۃ اللہ حق معرفتہ الخ (علم کی کیا حقیقت و ماہیت ہے ارشاد ہوا کہ خدا کی معرفت ایسی جو حق معرفت ہے)۔ تیسرے مقدمہ۔ اس امر میں کہ یہ معرفت بدیہی ہے کہ موقوف نظر و فکر پر نہیں ہے یا نظری ہی کہ محتاج فکر و نظر کی ہے یا بعض قسمیں اسکی بدیہی ہیں اور بعض نظری ہیں پہلی صورت تو باطل ہے اسلیے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معرفت اس امر کے کہ وہ واجب الوجود قدیم حکیم و قدیر علیم ہے رویت اوسکی محال ہے نہ وہ زمانی ہے نہ مکانی ہے نہ جسم ہے نہ جسمانی ہے اور علاوہ اسکے اور بہت اصول و معارف ہیں جو کچھ نہ کچھ ضرور نہایت دقیق نظروں اور باریک فکروں پر موقوف ہیں جسکے انکار کی کسی شخص کو مجال نہیں ہے اگرچہ یہ نظر و فکر پر موقوف ہونا اور نہیں لوگوں کے لیے ہو جنکو قوت قدسیہ اور مہارت ملکوتیہ حاصل ہوا اسلیے کہ اسبقہ راون معارف کے نظری ہونے کے لیے کافی ہے کیونکہ نظری وہی ہے جسکا مطلقا حاصل ہونا نظر پر موقوف ہونا یہ کہ ہر طریقہ سے اور ہر شخص کے لیے اوسکا حاصل ہونا نظر و فکر پر موقوف ہونا اور تیسری صورت بھی اسی طرح باطل ہے لیکن اسکا باطل ہونا اتفاقی نہیں ہے بلکہ بعضوں نے بعض آیات و بعض روایات کے ظاہری معنوں پر خیال کر کے اختلاف بھی کیا ہے جب یہ دونوں صورتیں باطل ٹھہریں تو بنا بر خیر الامور و سطہا مستم و سطی یعنی دوسری صورت صحیح رہی اور اوسکے صحت کی کئی وجہیں ہیں پہلے یہ کہ ہم جب اپنے دل کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ہم برفرق پاتے ہیں اپنے ان قولوں میں الا ربعة زوج والنار حارة والسماء فوقنا (چار جہت ہے اور آگ گرم ہے اور آسمان ہمارے اوپر ہے) اسی طرح اوسے اور قولوں میں اور اپنے ان قولوں میں کہ مصداق واجب الوجود بحسب المصور موجود فی الحاج (مصداق واجب الوجود کا حقیقت میں وہی کے علاوہ خارج و واقع میں موجود ہے) و انہ تعالیٰ خالق العالم و انہ علیم قدیر حتی قدیم (وہ خالق تمام عالم کا ہے وہ قدیر و علیم ہی قدیم ہے)

علاوہ اسکے اور اسی طرح کی صفتیں ہیں اور ہر صفت فرق ان دونوں میں کر سکتا ہے پہلے قول ایسے ہیں کہ جنکا یقین خود بخود ہوا ہی جاتا ہے اور دوسری قسم کے قول ایسے نہیں ہیں سی سبب سے بڑے بڑے گروہ اس معرفت کے نظری ہونے کے قایل ہیں بعض نے جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کی کتاب المقالات سے نقل کیا ہے کہ جناب شیخ رہنے ارشاد فرمایا کہ معرفت خدا دلیل و نظر سے حاصل ہوتی ہے اور اسی طرح معرفت و شناخت انبیاء علیہم السلام کی اور معرفت ہر غائب کی اور یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ معرفت ان چیزوں کی جنکو مٹنے بتایا خود بخود ہو جائے۔ اور یہی قول و مذہب اکثر علماء امامیہ کا ہے اور بغدادی معتزلیوں کا بھی خاص یہی قول ہے اور اس میں اختلاف کیا ہے بصری معتزلہ نے اور مجبرہ نے اور حشویہ نے جو اپنے تئیں اصحاب حدیث سے سمجھتے ہیں۔ اور یہ بھی جناب شیخ رہنے اور اسی کتاب میں ارشاد فرمایا کہ معرفت حق تعالیٰ کی اور شناخت انبیاء کی اور صحت اس دین کی جسکو خدا نے پسند کیا ہے اور علم ہر شے کا جسکی حقیقت حواس ظاہری سے دریافت نہوا اور اسکی معرفت بدست میں داخل نہو بلکہ قیاس وغیرہ کے طریقہ سے حاصل ہو وہ ممکن ہی نہیں ہے اور صحیح ہی نہیں ہے کہ خود بخود بخود واضطرار اہل اختیار حاصل ہو جائے بلکہ ایسے حالات پر اطلاع ہو ہی نہیں سکتی بغیر دلیل و نظر سے کتاب و تحصیل کے جس طرح سے وہ چیزیں کہ جنکے علم کا طریقہ حواس ظاہری آنکھ کان زبان وغیرہ ہی قیاس و دلیل سے حاصل نہیں ہو سکتیں اور نہ وہ علم جو بدیہی ہیں وہ قیاس و نظر سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ تمام ہوا بعض کلام جناب شیخ رہنے کے بیان کا ہم نے ارادہ کیا تھا اور جناب شیخ صدوق رہنے نے کتاب التوحید میں بیان فرمایا ہے کہ بعض اہل علم کلام کو مٹنے کہتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی شخص صحرا و جنگل بیابان میں پیدا ہوا اور کسی کو بھی نہ دیکھے جو اسے ہدایت و رہنمائی کرے اور یوہین بڑے اور جوان صاحب عقل و تمیز ہو اور نظر کرے آسمان و زمین پر تو ضرور یہی دونوں اسے بتائیں گے اور انہیں کو دیکھ کر وہ سمجھے گا کہ کوئی انکا پیدا کرنا والا اور بنانے والا ہے یہ سنا کر مٹنے کہا کہ اب تک یہ ہوا ہی نہیں اور یہ ایسی بات کی خبر ہے جو ابھی تک نہیں ہوئی اور اگر کبھی ایسا بھی ہوگا تو معلوم نہیں کہ کیا اور کیونکر ہوگا اور اگر ایسا ہی ہوا ہے تو ضرور یہ شخص اپنے نفس کے لیے حجت خدا ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام میں ہوتا تھا کہ بعض انہیں اپنے نفس کے لیے ہوتے تھے اور بعض اپنی اہل و اولاد کے لیے اور بعض اہل محلہ کے واسطے اور بعض اپنے اہل شہر کے لیے اور بعض ایسے تھے کہ تمام جہان کے آدمیوں کے واسطے ہوتے تھے اور اگر حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے استدلال و دلیل لانے کو کہو کہ او حضرت نے ستارہ زہرہ کو دیکھا پھر چاند پر نظر کی پھر آفتاب پر غور کیا اور جب وہ غروب ہوا تو فرمایا۔ یا قوم اتی بربی مما تشترکون (ای میری قوم میں ادن شرک کی باتوں سے جھٹلین تم کرتے ہو بربری ہوں) تو وہ بلا شک بنی تھے اونکو امام ہوتا تھا وہ رسول مقبول تھے اور جو کچھ وہ حضرت نے ارشاد فرمایا وہ سب خدا کی تعلیم و الہام سے تھا کیونکہ خود پروردگار عالم نے ارشاد فرمایا ہے و تلامذہ حججتنا ادیناھا ابراہیم علی قومه (اور یہ ہماری جھٹلین تھیں جو ہم نے ابراہیم کو دین کہ وہ اپنے قوم پر حجت تمام کریں) اور ہر شخص تھوڑے ہی حضرت ابراہیم کی طرح ہو سکتا ہے بلکہ اگر معرفت توحید میں نظر کافی ہوتی اور تعلیم پروردگار کی ضرورت نہوتی اور اسکے پیچوانے کی احتیاج نہوتی تو حق تعالیٰ اون آیتوں کو جو اس باب میں نازل ہوئی ہیں کیون نازل کرتا اور فرماتا۔ فاعلم انہ لا الہ الا اللہ (خوب دیکھو اعتقاد کرو)

کہ سوائے اللہ واحد کے کوئی عبادت و پرستش کے لائق نہیں ہے) اور فرمایا قل هو اللہ احد آخر سورہ تکوین اور فرمایا بلدیع السموات والارض انی یكون له ولد ولم یکن له صاحبة (ایجاد کرنیوالا آسمانوں اور زمین کا بھلا کھانا اور رکھنا ہو سکتا ہے اور اوسکے لیے صاحبہ و زوجہ تو ہو ہی نہیں سکتی) یہاں تک کہ فرمایا وهو اللطیف الخبیر اور آخر سورہ حشر کے آیتیں اور اس کے علاوہ اور توحید کے متعلق آیتیں میں یہاں تک کلام جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ کا تھا۔ اب بنظر غور دیکھیے کہ جناب شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کس شہد مد اور مبالغہ کے ساتھ معرفت کے نظری ہونے کو بیان کیا ہے یہاں تک کہ مقدمات عقلیہ سے بھی معرفت کا حاصل ہونا تجویز نہیں کرتے جب تا کہ اسے تمہید کے ذریعہ سے تسلیم نہ کرے اور نہ بتائے تو بھلا وہ معرفت کے بدیہی ہونے کو تو کیا کہیں گے اور اپنی کتاب کمال الدین و تمام النعمہ میں ایک مقام پر یہ فرمایا ہے کہ اگر جسے کوئی دریافت کرے اور پوچھے کہ شریعت کی صحت پر کیا دلیل ہے تو جسکے پہلے حکم پر ضرورت پڑیگی کہ تمام عالم اور دنیا کا حادث ہونا قدیم ہونا ثابت کریں اوسکے بعد یہ بات ثابت کریں کہ خدا واحد و یکم و دانا ہے پھر خبر کی صحت کے طریقہ بیان کریں اور جناب رسول خدا کی نبوت کو ثابت کریں اور یہ ثابت کریں کہ اوٹ حضرت نے اس شریعت کو خدا کی جانب سے بیان فرمایا یہاں تک کلام اوٹ جناب کا نام ہوا یہ قول معرفت کے نظری ہونے میں علماء کے تھے اب رہے حکماء السین اور متکلمین تو اوٹ کی تمام کتابیں بھی پڑھی ہیں دلیلوں سے وجود واجب تعالیٰ اور اوسکے علم و حیات و وحدانیت وغیرہ پر اور یہ اسی سبب سے ہے کہ معرفت پروردگار عالم اوٹ کے نزدیک نظری ہے بلکہ بہت لوگوں نے اوٹین سے اوسکے نظری ہونے کی تصریح کی ہے مینے اوٹ کے نام اس خیال سے کہ طول ہوگا بیان نہیں کیے۔ دوسری دلیل معرفت کی نظری ہونے کی یہ ہے کہ خود پروردگار عالم نے قرآن شریف میں اور جناب رسول خدا اور آئمہ ہدایت علیہ السلام نے اکثر مقاموں پر احادیث میں اوسکے وجود پر اور صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر استدلال فرمائی ہے تو ضرور ہوا کہ معرفت پروردگار عالم کو نظری کہا جائے بیان اسکا سنئے۔

پہلی بات کہ قرآن میں حق تعالیٰ نے استدلال فرمائی ہے وہ اس لیے کہ سورۃ الزاریات میں ارشاد کیا ہے وفي الارض ايات للموقنین وفي انفسكم افلا تبصرون (زمین میں اوسکی نشانیاں مومنین موقنین کے لیے موجود ہیں بلکہ خود تمہارے نفسوں میں اوسکے وجود کی علامت و نشانیاں پائی جاتی ہیں پھر کیوں نہیں دیکھتے اور توجہ کرتے) اور سورہ جاثیہ میں فرمایا ہے ان فی السموات والارض لا ايات للمومنین وفي خلقكم وما یبث من دابة ايات لقوم یوقنون واختلاف اللیل والنهار وما انزل اللہ من السماء من رزق فالحیا بہ الارض بعد موتها ونضرب الیریاح ايات لقوم یعقلون (ضرور ضرور آسمانوں اور زمین میں کروڑ ہا نشانیاں اور پہچانیں ہیں ایمانداروں کے لیے اور خود تمہاری خلقت و نبوت میں اور جو زمین پر چلنے پھرنے والے پھیلے ہوئے ہیں نشانیاں اور پہچانیں ہیں یقین کرنیوالی قوم کے لیے اور اولٹ پلٹ رات دن کی اور جو کچھ خدا نے آسمان کی جانب سے روزی نازل کی اور بر سادی ہے جسکے سبب سے خشک کھڑے زمین مردہ کو تروتازہ زندہ کر دیا اور ہر پھر میں ہواؤں کی بڑی بڑی پہچانیں ہیں عقلمند قوم کے لیے) اور سورہ جم سجدہ میں پروردگار عالم نے فرمایا ہے سنبزہم اياتنا فی الافاق وفي انفسهم حتی ینبئین لوهم انہ الحق اولم ینکف بریاء انہ علی کل شئی شہید (بہت جلد دکھا دیں گے ہم اوٹ کو اپنی پہچانیں کناروں میں اور خود اوٹ کی جانوں میں یہاں تک کہ کھل جائے اوٹ کے لیے کہ ضرور وہی حق ہے کیا کافی نہیں ہے میرا پروردگار اس امر کے لیے کہ وہ ہر شے پر حاضر و ناظر ہے) اور ایسی نظیریں قرآن مجید و فرقان حمید میں

ہست ہیں۔ اب رہے استدلال معصومین علیہم السلام کی وہ تو بہت اور بیشمار ہے اور سب کا اکٹھا کرنا دشوار ہے اسی سبب سے چند روایتیں بیان کرتا ہوں اور انہیں میں اکتفا سمجھتا ہوں۔ انہیں سے ایک وہ روایت ہے جو کتاب احتجاج میں ہشام بن الحکم کے زبانی بیان کی ہے ہشام کہتے ہیں کہ ایک زندیق وہری بیدین نجری حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ صانع عالم (اس جہان کے پیدا کرنے والے پر) کیا دلیل ہے حضرت امام جعفر صادق ؑ نے ارشاد فرمایا انہیں سب چیزوں کا موجود ہونا گواہی دے رہا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ انکا کوئی صانع ہے جس نے انہیں بنایا ہے کیا تجھے یہ نہیں سوچھائی دیتا کہ توجیب کبھی عالیشان مکان باشوکت و رفعت کسی عمارت کو دیکھتا ہے تو کیسا سمجھ جاتا ہے اور دل میں ٹھان لیتا ہے کہ اسکا بنانے والا کوئی نہ کوئی ضرور ضرور ہے اگرچہ اسکا بنانے والے تیری نظروں سے پوشیدہ ہو۔ اور انہیں روایتوں میں ایک وہ بھی ہے جو اپنی سند کے ساتھ کتاب التوحید میں لکھی ہے کہ کسی شخص نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے عرض کیا کہ آپ نے اپنے پروردگار کو کیونکر پہچانا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مہتوں کے ٹٹنے اور دلی ارادوں کے چھوٹنے سے ہم کیسی دلی نیت کسی بات کے باندھتے ہیں اور وہ ہے زبردستی چھوٹ جاتی ہے اور کیسی پوری ہمت کسی چیز پر کرتے ہیں اور وہ خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔ اور انہیں میں ایک یہ بھی ہے جو اسی کتاب التوحید میں ہشام بن الحکم سے روایت کی ہے۔ جب ابوشامہ کو دیکھا تو حضرت امام جعفر صادق ؑ سے وجود پروردگار عالم پر دلیل مانگی تھی تو حضرت نے اوسکے جواب میں یہ بھی ارشاد فرمایا تھا۔ کہ جب میں اپنے نفس پر نظر کرتا ہوں تو دو باتوں سے خالی نہیں پاتا یا تو یہ ہے کہ میں نے ہی خود اپنے نفس کو پیدا کیا تو یہ بھی دو طرح سے خالی نہیں یا تو یہ ہے کہ میں نے اپنے نفس کو پیدا کیا اور وہ خود ہی سے موجود بھی تھا اور یا جب میں نے اپنے اوس نفس کو بنایا تو وہ میرا نفس خود ہی معدوم تھا موجود تھا پس اگر میں نے اپنے آپ کو اوس وقت بنایا اور پیدا کیا کہ خود آپ موجود تھا تو یہ میرا بنانا اپنے آپ کو بے حاصل ہے کیونکہ وہ تو خود آپ ہی موجود ہے اور اگر میں نے اپنے آپ کو اوس وقت بنایا کہ جب آپ ہی موجود نہ تھا تو یہ تو خوب معلوم ہے کہ جو چیز آپ خود ہی معدوم ہو اور موجود نہ ہو تو وہ بھلا کسی شے کو کب بنا سکتی ہے اور موجود نہ ہو سکتی ہے تو اب بھی قیصری بات باقی رہی اور ثابت تھری کہ ضرور کوئی میرا بنانا ہوا ہے اور وہی خدا تعالیٰ ہے جو پروردگار سارے جہان کا اور مالک کون و مکان کا ہے۔ اور انہیں روایتوں میں ایک وہ ہے جو کتاب جامع الاخبار میں لکھی ہے کہ کسی نے جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب سے اثبات صانع عالم کی خواہش کی حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بھلا خیال تو کر کہ مثلاً اونٹ کی نیلیاں شتر کو اور گدھے کی لید خر کو اور آدمی کے پیروں کا نشان انسان و بشر کو بتاتا ہے تو کیا یہ آسمان بارفت و لطافت و زمین بالکثافت اوس خداے لطیف و خیر کو نہیں بتاتے اور اوس سمیع بصیر کو نہیں دکھاتے ساسی طرح کی روایات میں استدلال بیشمار ہے جسکی تعداد و اختصار دشوار ہے اور اس مقام میں اسقدر کافی ہے۔ اب دوسری بات کہ خدا اور رسول خدا اور آئمہ معصومین ؑ نے استدلال معرفت پر کی تو ضرور ہے کہ معرفت نظری ہوئی اسلیے کہ دلیل لانا بدیہی بات پر بے حصول ہے خواہ مخواہ کا طول ہی کیونکہ یہ بیکار لغو و باطل ہے۔ اسی کا نام تحصیل حاصل ہے تیسری دلیل معرفت کی نظری ہونے پر یہ ہے کہ حدیث مفصل میں حضرت امام جعفر صادق ؑ نے ارشاد فرمایا بفضل کو خوب سمجھنا یا خوب فکر و غور کرو

اور فضل اوس علم میں جو انسان کو دیا گیا ہے اور جس سے وہ باز رکھا گیا ہے جو کچھ اوسکے امور دین و دنیا میں کارآمد ہے وہ اوسکو بتایا ہے جسمیں اوسکی صلاح ہے وہ اوسے سکھایا ہے مثلاً امور دین میں اوسکے لائق اور اوسکے حال کے موافق معرفت خالق ہے اون دلیلون اور نشانیوں سے جسے ملو اور بھری پوری تمام خلقت و خلافت و الخ اور کتاب التوحید اور کتاب عیون اخبار میں لکھا ہے کہ بعض خطبوں میں حضرت امام رضا نے ارشاد فرمایا ہے بصرع اللہ یسند علیہ وبالعقول یعتمد معرفتہ وبالفطرۃ تثبت حجتہ الخ اور اوسکے مصنوعات و مخلوقات اوسکے وجود کی دلیلیں ہیں اوسکی معرفت کا اعتقاد رکھنے کے لیے عقول کی شاہراہیں اور سبیلین ہیں۔ ہر شے کی خلقت سے خدا کی حجت تمام ہے ہر چیز کی نبوت اوسکے وجود کی گواہ بلا کلام ہے اور نبیج البلاغہ کے بعض خطبوں میں جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ دلیلہ آیاتہ و وجودہ اثباتہ و معرفتہ توحیدہ (اوسکی نشانیوں اور اوسکی پہچان ہے اوسی کا وجود اپنے اثبات کا ٹھیک نشان ہے معرفت اوسکی توحید ہے کہ جسے اوسکو پہچانا اوسے اوسے وحدہ لا شریک نہ ضرور جانا) اور اسکے چند نقرون کے بعد پھر ارشاد فرمایا ہے لیس بالہ من عرف بنفسہ ہوالدال بالدلیل علیہ والمودی بالمعرفۃ الیہ الخ (وہ خدا نہیں ہے جسکی ذات کو خود بخود بوجہ پایا۔ خدا وہ ہے جسے اپنی دلیلون سے اپنے ہونیکو پہچنوا یا۔ اور اپنی معرفت تک پہچنوا یا) اور دوسرے خطبہ میں ایک مقام پر نبیج البلاغہ میں ارشاد فرمایا ہے الدال علی قد مہ لجدوث خلقہ و لجدوث خلقہ علی وجودہ الخ (اپنے قدیم ہونے پر اس جہان کے حادث ہونے سے دلیل لایا اور عالم کے حادث ہونے سے اپنے وجود کو بتایا۔) اور ایک دوسرے مقام میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایسا ہے کہ باریک باریک باتوں سے مخفی ہے اور عقول پر روشن جلی ہے اسلئے اوسکی تدبیر کی علامتیں مخلوقات میں پیدا ہیں اوسکے مصنوعات کی حکمتیں روشن و مہدید ہیں۔ انبیاء علیہم السلام سے جب اوسکے بارے میں دریافت ہوا تو اوسکی ذات و ذاتیات کو نہ کسی بنی نے محدود کیا نہ اوسکی مائیت کو فرمایا بلکہ اوسکے افعال و آثار سے اوسکی صفتوں کو بتایا اور اوسکی نشانیوں اور آیات سے اوسکو پہچنوا یا غور و فکر کرنے والوں کی عقلیں اوسکا انکار نہیں کر سکتیں۔ منصفون کے دلیلی زبانیں اوسکے وجود کے اقرار سے نہیں مکر تیں اسلئے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ انہیں ہے جب اوسکی خلقت و فطرت سے بھرے پڑے ہیں تو پھر بھلا اوسکی صفت و قدرت کا کیونکر انکار کر سکیں اور اسی طرح اسکی نظیر بہت ہیں۔

چوتھی دلیل معرفت خدا کی نظری ہونکی یہ ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان ہو گا کہ معرفت خدا کی واجب ہے اور بندوں کو تکلیف دی گئی ہے معرفت خدا کی اور جو چیز بدیہی ہو کہ خود بخود ہر شخص کے لیے حاصل ہوا اوسکی تکلیف میں حسن و خوبی نہیں ہے اسلئے کہ فرمانبرداری ایسی چیز میں نہ ہوگی اور نہ اوس شخص کو فرمان بردار کہیں گے جسمیں بلا اختیار ہے اور یہ امر ہر شخص پر ظاہر و آشکار ہے۔

اب سنیے دلیلیں اون لوگوں کی جنکا دعویٰ ہے کہ معرفت خدا بدیہی ہے۔ دو آئین اور کئی روایتیں وہ اپنے دعوے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں ایک آیت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ولئن سالتکم عن خلق السموات والارض ليقولن الله (اور اگر اونسے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور رضو روہ کہہ اوتھیں گے کہ خدا نے پیدا کیا ہے) دوسری آیت یہ ہے کہ فرمایا پروردگار عالم نے بل الله ین علیکم ان هد اکمل لایان انکم صادقین (بلکہ خدا ہی نے یہ تمہارا احسان کیا کہ تم کو ایمان کا راستہ دکھایا اگر تم سچے ہو) اور

روایتوں میں ایک یہ روایت ہے جسکو بزرگ نطفی سے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو الحسن امام رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ انسان کو معرفت خدا میں دخل ہے اور معرفت انسان کا کام ہے یا نہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں انسان کا کام نہیں ہے مگر معرفت کے حاصل ہونے سے اونکو ثواب ملتا ہے یا نہیں فرمایا کہ یہ پروردگار عالم کا احسان ہے کہ وہ اونکو ثواب عطا کرتا ہے جس طرح اوسکا یہ بھی احسان وفضل و امتنان ہے کہ اون کو معرفت عنایت فرماتا ہے اور یہ بھی حدیث ہے کہ درست نامے ایک شخص نے ایک شخص سے جنسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد بیان کیا ہے روایت کی ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ چہ چیز میں ہیں کہ وہ انسان کا کام نہیں ہیں اور اونکی کاریگری کو اوسمیں دخل نہیں ہے معرفت۔ جمالت۔ رضا۔ غضب۔ خواب۔ بدکاری۔ تیرسری روایت عبد الرحیم قصیر نے کہا کہ میں نے عبد الملک بن اعین کے ہاتھ لکھ بھیجا اور حضرت سے سوال کیا کہ خدا کی معرفت اور اوسکا حمد و انکار یہ دونوں خدا کے پیدا کیے ہوئے ہیں یا نہیں اوسکے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا کہ تم نے جو معرفت کو دریافت کیا کہ وہ کیا ہے تو اب دل سے سمجھو خدا تم پر رحم کرے یہ بات ضرور ہے کہ معرفت خدا ایتعالیٰ کا فعل ہے کہ دلمیں پیدا کرتا ہے اور حمد و انکار یہ بھی خدا کا فعل ہے کہ جسے دل میں پیدا کرتا ہے اور یہ دونوں انسان کی دستکاری نہیں ہیں البتہ اونکو اکتساب اور حاصل کرنے میں اختیار ہے پس اپنے ایمان کی خواہش سے معرفت کو اختیار کرتے ہیں اور اوسیکے سبب سے مومنین عارفین ہو جاتے ہیں اور اپنے ہی کفر کی خواہش سے حمد و انکار کو اختیار کرتے ہیں اور اوسیکے سبب سے کافر بن جاتے ہیں اور ضلالت کی راہ میں کوششیں کرتے ہیں پس یہ ایمان خدا کی توفیق سے عطا ہوتا ہے اور کفر اوسکے خدا لان و سلب توفیق سے لیکن اس اکتساب و تحصیل کے اختیاری ہونے کی راہ سے حق تعالیٰ اونپر ثواب و عذاب کرتا ہے اور ایک روایت البصیر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ فرمایا حضرت نے کہ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ یہ محبت جسکی سبب سے تم مجھے محبت رکھتے ہو اوسمیں کچھ تمھاری کاریگری نہیں ہے بلکہ حق سبحانہ تعالیٰ کا یہ فعل ہے اور ایک روایت زرارہ نے حضرت امام محمد باقر سے نقل کی ہے فرمایا کہ لوگوں پر یہ واجب نہیں ہے کہ علم حاصل کریں یا فقیہ حق تعالیٰ اونکی تعلیم فرمائے پس جب وہ اونکو تعلیم فرمائے تو ضرور اونپر واجب ہے کہ عمل کریں۔ اور زرارہ نے یہ بھی اونھیں حضرت سے روایت کی ہے کہ میں نے عرض کیا فطرۃ اللہ الی فطرۃ الناس علیہا فطرت جیسے خدا نے لوگوں کی خافت و جبلت کی کیا ہے (فرمایا حضرت نے کہ مراد اس سے توحید ہے۔ اور صفوان کہتے ہیں کہ میں نے عی صالح (حضرت امام موسی کاظم علیہ السلام) سے عرض کیا کہ کیا آدمیوں میں یہ طاقت و قدرت ہے کہ وہ اوسکے سبب سے معرفت خدا حاصل کر سکیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ حق تعالیٰ کا فضل و احسان ہے میں نے عرض کیا کہ پھر بھلا اس معرفت پر اونکو ثواب ملیگا کیونکہ جب اونکا ۴۴ ۴۴ یہ فعل ہی ہوا اور انھیں یہ طاقت ہی نہوی کہ جس سے وہ اوسے حاصل کریں جیسے رکوع و سجود کے جسکا اونہیں حکم ہوا اور وہ بجالاتے ہیں اور اوسپر ثواب پلتے ہیں ینکر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ معرفت بھی خدا کی نعمت و احسان ہے اور اوسپر اونہیں ثواب دینا یہ بھی تفضل و امتنان ہے۔ اور یہ بھی ایک روایت زرارہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تفسیر میں اس قول پروردگار عالم کے بیان کی ہے اذ اخذ من ہک من نبی ادم من ظہورہم ذریعتہم و امشہدہم علی انفسہم (اور جب تیرے پروردگار نے

بنی آدم کے پستون سے اونکی ذریت نکالا اور اونکو اونکے نفسون پر شاہد بنایا) فرمایا حضرت نے کہ حق تعالیٰ نے یہ معاملہ کرا دیا تھا اسکے بعد اوس معاملہ کو بھلا دیا اور اوس اقرار کو اونکے دلوں میں ثابت و برقرار رکھا اور اگر یہ نہوا ہوتا تو کوئی شخص بھی اپنے خالق و رازق کو نہ پہچان سکتا اور یہی حاصل ہے اس قول خدا کا ولئن سالقم من خلقهم ليقولن الله (اگر اونسے پوچھو کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو ضرور ضرور وہ بول اوٹھیں گے کہ خدا تعالیٰ نے)۔

اب سنیے جواب اس دلیل کا یہ ہے کہ پہلی آیت سے فقط اتنا ہی حاصل ہوتا ہے کہ اوسکی معرفت اس طرح کہ وہ خالق آسمان و زمین ہے کفار کو قبل قرآن و حدیث سننے کی حاصل بھی اور یہ بات عام ہے کہ خواہ وہ معرفت اونکو بطریق نظر و فکر کے حاصل ہوئی ہو خواہ بطریق ہدایت کے لیکن از بسکہ دلیل بطلان ہدایت پر قائم ہو چکی ہے تو پھر سوائے نظری ہونے کے اور کیا رہا پس وہی معین و مقرر ٹھہرا اور دوسری آیت سے محض اتنا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان کی ہدایت کی ہے تو یہ ہدایت کرنا اس طرح ممکن ہے کہ اونسے دلیلین اور جہتین ایسی قائم کر دیں جو عقائد حقہ کو بتاتے اور ثابت کرتے ہوں بلکہ یہی معنی سب سے زیادہ روشن و ظاہر ترین اسلیے کہ کوئی شخص بھی تمام عقائد حقہ کے بدیہی ہونے کا قائل نہیں ہے۔ اب حدیثوں کا جواب سنیے۔

پہلی حدیث سے تو اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ معرفت میں انسان کو دخل نہیں ہے اوسکا فعل نہیں ہے تو یہ بات ٹھیک اور یوہن ہے اگرچہ معرفت کو نظری کہیں تب بھی بندے کا وہ فعل نہیں ہے اسلیے کہ معرفت اگر نظری بھی ہو تو بھی حاصل ہونا اوسکا یا بطور تولید ہے یا بطور ایجاب ہے اور یا یوہن خدا نے عادت جاری کر دی ہے اس لئے کہ بعد نظر و فکر کے جو علم حاصل ہوتا ہے اوسکے طریق حصول میں یہی تین قول ہیں اشعرون کے نزدیک تو یوہن عادت جاری ہوئی ہے کہ جب کسی بات میں فکر کی تو اوسکا علم ہو جاتا ہے اور مختصر لیون کے نزدیک بطریق تولید ہے جیسے مارنے سے چوٹ لگتی ہے اوسی طرح فکر سے وہ شے حاصل ہے جسکی فکر کجائی ہے اور حکماء کے نزدیک بطریق ایجاب و الزام ہے کہ وہی فکر سبب نام اوسکے حصول کا ہوتی ہے اور ہر صورت سے بندہ کا وہ کام نہیں ہے بلکہ طریقہ تحصیل و کتابت میں اختیار ہے اور وہی اوسکا کام ہے علاوہ اسکے یہ ہے کہ ہم کہتے کہ بعض محققین کا قول ہے کہ حق یہ ہے کہ نظر مستلزم ہے علم کو بالضرور یعنی جب نظر و فکر کسی شے میں کجیا و گلی تو ضرور ضرور وہ حاصل ہو جائیگی مثلاً جو شخص یہ جانے کہ عالم حادث ہے اور سمجھے کہ جو حادث ہے وہ محتاج موثر اور پیدا کرنے والے کا ہے تو ضرور ان دونوں باتوں کے جاننے کا لازمہ اس ترتیب سے یہ ہے کہ اوسکو خواہ مخواہ علم ہو جائے اور وہ جان جائے کہ عالم محتاج موثر اور پیدا کرنے والے کا ہے پس اس قول کے موافق اگر حدیث مذکور کا یہی حاصل ٹھہرائیں کہ معرفت بدیہی ہے تو ہم کہیں گے کہ مراد یہ ہے کہ بعد نظر و فکر کے بدیہی ہے اور جب یہ حاصل اوس حدیث کا ہے نہیں تو پھر کیا ہے ہمارے خلاف نہیں ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ بندیکام یہ معرفت ہی نہیں تو پھر اسکو تکلیف معرفت کیونکر ہو سکتی ہے اور یہ ادسپر واجب کیونکر ہوگی۔ اسکے جواب میں کہو گنا کہ کسی چیز کے اختیاری ہونے میں اور ادسپر مامور ہونے کے لیے اسقدر کافی ہے کہ اوسکے اسباب کا حاصل کرنا اس شخص کے اختیار و قدرت میں ہو اگرچہ وہ چیز فی نفسہ کیفیت جیسے علم وغیرہ یا جیسے کھڑے ہونا بیٹھنا کہ ایک ہیئت خاص ہے جسے اصطلاح حکماء میں مقول وضع کہتے ہوں یا جیسے گرم ہونا سرد ہونا اسکو مقبول

انفعال سے لیتے ہیں کہ ایک اثر قبول کیا۔ اسی طرح صوم (روزہ) کہ ترک مفطرات روزہ کے توڑنے والی چیزوں سے
 باز رہتا ہے اور نماز کہ اندونوئین بنابر اصطلاح حکماء کے کئی مقولہ اور کئی طرح کے عرض پائے جاتے ہیں مقولہ وضع و مقولہ
 حرکت اور بعض نے اس مقولہ حرکت کو بھی مقولہ انفعال میں داخل کیا ہے الحاصل معرفت کیا ہے تصدیق۔ واذعان رکھنا
 وجود باری تعالیٰ اور اس کے صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ پر۔ اور تصدیق ایک نفس کو کیفیت حاصل ہوتی ہے جس
 کیفیت کا خالق انسان نہیں ہے اور یہ بھی بات پہلے معلوم ہو چکی کہ بعد نظر و استدلال کے پھر اس کا حصول بندہ کے
 اختیار میں نہیں ہے تو یہ کتنا بھی صحیح ہوا کہ معرفت انسان کا فعل اختیاری نہیں ہے اور اس راہ سے کہ اس کا کتاب
 و حاصل کرنا اور اس کے مقدمات تحصیل کا متناظرنا فعل اختیاری بندے کا ہے لہذا وہ مامور و محکوم ہوا اور اس پر واجب
 ہوا کہ معرفت حاصل کرے۔ اب رہی دوسری حدیث اس کا جواب یہ ہے کہ اگر معرفت کے بدیہی ہونے کی وہ دلیل ہو
 تو اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ جتنے علم ہیں سب بدیہی ہو جائیں اس لیے کہ معرفت سے یہاں مطلقاً علم مراد لیا ہے کیونکہ
 جہل کے متبادلہ کا قرینہ اسی کو کہہ رہا ہے بلکہ ذکر رضا و غضب و خواب و بیداری کی لفظوں کا بھی یہی تقاضا ہے حالانکہ
 کسی نے یہ نہیں کہا کہ جتنے علم ہیں وہ سب بدیہی ہیں اور یہ تو یقینی باطل بھی ہے پس انہیں قرینوں سے معلوم
 ہوا کہ اس حدیث میں اور اسی طرح ایسی ہے اور حدیثوں میں معرفت سے مطلق احکام حقہ کا علم مراد ہے اور محض
 معرفت خدا سے مخصوص نہیں ہے۔ اور تیسری حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ تو صراحتہ ہمارے مطلب کے موافق
 ہو سکتا ہے کہ موافق نہیں ہے کیونکہ او سمین یہ بھی بیان ہے کہ محکوم ہونا اور ثواب ملنا معرفت پر اسی سبب
 ہو کہ تحصیل و کتاب اس کا ایک فعل اختیاری بندہ کا ہے تو اب یہ مقام شکر ہے ہمارے لیے اور ہم اس پر خدا کا
 شکر کرتے ہیں۔ چوتھی حدیث کا جواب یہ ہے کہ جسمین بحث ہو رہی ہے یعنی معرفت اور کتاب بیان اس حدیث میں نہیں
 ہو اور حب اور بغض سے کوئی بحث ہماری نہیں ہے اگرچہ وہ بلا شک بندے کے اختیار میں فعل نہیں ہیں۔
 پانچویں حدیث کا جواب یہ ہے کہ او سمین تو صراحتہ بیان ہو کہ احکام شرعی جو متعلق فروع دین سے ہیں جیسے نماز و روزہ
 اور اور عبادات و نکاح و طلاق و قصاص وغیرہ ان کے حاصل کرنے میں عقل مستقل نہیں ہے کہ سب حکموں کو فقط
 عقل ہی سے دریافت کر لین پس بنابر لطف و مرحمت پروردگار عالم پر ضرور ہے کہ سب کو بیان فرمائے اور بندوں کو
 لازم ہے کہ اس کے حکم کے مطابق عمل کریں۔ چوتھی حدیث کا جواب یہ ہے مراد حدیث سے یہ ہو کہ لوگوں کی خلقت جبلت
 میں داخل ہے کہ جن حق و باطل اور صحت و مرضی مرادوں کی دلیلین صاف صاف روشن عقل کے نزدیک قابل قبول
 ہوتی ہیں اور کتابت جلد یقین و اذعان کر لیتے ہیں خصوصاً اقرار خالق عالم کا اور اس کے علم و قدرت کا اس لیے کہ
 اس کی صاف صاف دلیلین روشن برہانین اس کی مدد کر رہی ہیں اور قوت دے رہی ہیں۔ اور اس بیان سے یہ غرض
 نہیں ہے کہ یہ مسائل اور ان کے اور مثل سب کے سب بدیہی ہیں بلکہ واضطراراً بظاہر اختیار ان کا علم حاصل ہو جاتا ہے
 اور قرینہ اس کا علاوہ اور دلیلوں کے جو معرفت کے نظری ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور ان کو ہم نے سابق میں
 بیان بھی کیا ہے کئی حدیثیں بھی ہیں۔ ایک وہ جو بحار الانوار میں بیان کی ہے حضرت علی بن موسیٰ الرضا سے

اس لیے کہ جب و بغض میں مثل معرفت کے ہے کہ خود اختیاری بندہ کا نہیں ہو گا کتاب اسباب جب و بغض مثل کتاب اسباب معرفت کے اختیاری فعل
 انسان کا ہے اسی سے ثواب و عقاب جب و بغض پر ہی ملتا ہے ۱۲ مترجم
 ۱۵ و اقصیٰ اہل انصاف ملاحظہ کریں کہ عقل بشری ہر چیز کے نفع و ضرر کو کتنا تک دریافت کر سکتی ہے ملاحظہ ہو کہ شرعیات نے جس مشراب کو
 حرام کیا ہے اس کی قیامت و برائی و مضرت و ناب و اکثری ہزاروں برس کے بعد ظاہر کر رہے ہیں اسی طرح بدیہی کو بدعت اب کیا مروج مجرہ ہے میں

کہ حضرت نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت کی اور ان حضرت نے اپنے جد علیہ السلام حضرت امام محمد باقر بن علی بن الحسین صلوات اللہ علیہ وعلیہم سے روایت فرمائی تفسیر میں اس قول پروردگار عالم کے فطرۃ اللہ النبی فطر الناس علیہا کہ وہ فطرت و جبلت جسکو پروردگار عالم نے انسان کی خلقت و طبیعت میں قرار دیا) فرمایا حضرت نے وہ فطرت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین ہے اور یہ سب داخل توحید ہے اور یہ بھی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے فاقم وجہک للذین حنیفاً دین حنیف و پاک و صاف کی طرف متوجہ رہو اور او سکوقائم رکھو) فرمایا حضرت نے کہ مراد دین حنیف سے ولایت ہو (یعنی ولایت و امامت آئمہ ہدایہ علیہم السلام) اور کتاب توحید میں مع سند کے حضرت امام جعفر صادق سے روایت ہے تفسیر میں اس قول حق تعالیٰ کے فطرۃ اللہ النبی فطر الناس علیہا فرمایا حضرت نے کہ مراد فطر سے توحید خدا و اقرار رسالت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و ولایت امیر المومنین علیہ السلام ہے۔ یہ بات ظاہر و آشکار ہے کہ کوئی شخص عقل امین سے اسکا قائل نہیں ہوا کہ ہمارے نبی کی نبوت اور جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کی امامت مقدمات بدیہیہ میں سے ہے اور یہ عقل کے نزدیک بہت ظاہر و آشکار ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ احادیث فطرت کی مزید توضیح و بحث عدالت میں کی جائیگی۔ اور ساتویں حدیث سے جواب یہ ہے کہ وہ حدیث شامل ہے یہاں فرق پر درمیان علم و عمل کے اور اسکا بیان ہو کہ عمل بندوں کا فعل ہے اور ادکھا اختیاری کام ہے بخلاف علم کے کہ وہ بندوں کا فعل نہیں ہے اور نہ ادکھا و سمین کچھ اختیار ہے سوائے اسکے کہ اسکا سبب اور مقدمات اسکے حاصل کرین اور مقدمات میں ترتیب دین۔ آٹھویں حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ متضمن ہے اسرار و راز ہائے خداے تعالیٰ چرکھا اذعان کرنا واجب ہے تعبداً۔ اور یہ بھی بعید از عقل نہیں ہے کہ اوس عالم ارواح میں **۱۴** یعنی از بسکہ پروردگار عالم سے انسان کو بعد ہے اور ہر شخص لائق خطاب بلا واسطہ نہیں ہے پس نبی کی ضرورت ہوئی جو احکام پہنچائے اور امام کا بھی ہونا جو حفاظت شریعت موافق مرضی خدا کے کرے ضرور ہو اور اسی سبب کہ موافق مرضی خدا کے کام کرنا اسکی شناخت انسان نہیں کر سکتا پس بجانب خدا امام کا بھی ہونا مثل نبی کے واجب لازم ٹھہرانہ ہمارے اور آپ کے اتفاق رائے سے جو اکثر اپنے اغراض نبوی کے موافق ہوا کرتا ہو پس جب اقرار توحید واجب ہوا تو اسی سے یہ بھی لازم ہوا کہ اقرار رسالت اعتقاد وصایت و امامت کرے اسوجہ حدیث میں وارد ہوا کہ اقرار وحدانیت خدا و رسالت جناب محمد مصطفیٰ و امامت علی مرتضیٰ یہ سب توحید ہی میں داخل و شامل ہے ۱۲ ترجمہ۔

۱۵ مراد تعبدی احکام سے احکام خدا ہیں جنکی لم عقل بشری ادراک کرے یا ادراک نہ کر سکے لیکن از بسکہ عقل سے ثابت ہو گیا ہو کہ خدا حکیم و علیم ہے فعل قبیح نہیں کرتا اور انبیاء و آئمہ علیہم السلام مخیر صادقین و معصومین ہیں پس انکے اقوال و احکام ضرور صحیح و صادق ہیں خواہ ہماری سمجھ میں انکے علم اور وجہ آئے یا نہ آئے البتہ وہ اقوال قطعی جو مخالف عقل خالص یقینی کے ہوں گے انکی تاویل جو مخالف شریعت و عقل نہو کی جائے گی۔ اور اگر وہ مخالف عقل نہو تو ضرور بلا تاویل او سکوصحیح سمجھا جائیگا اگرچہ عقل بشری اسکے حسن و قبح کا ادراک نہ کرے کیونکہ ہمارے عقول ناقصہ یسے نہیں ہیں جو ہر شے اور ہر چیز کے آثار و اسباب و موانع کا ادراک کر سکیں اور اسی بیان سے ہمارے دہر میں اور آزاد منش۔ نیچری مذہب لوگوں کی غلطی ظاہر ہوتی ہو کہ وہ اپنی عقل پر بھروسہ اور تکیہ کر کے احادیث کے ادون مخالفین پر جو عقل کی سمجھ میں نہیں آتے عمل نہیں کرتے حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہماری عقول ناقصہ اس قابل نہیں ہیں کہ کل مالد و مال علیہ ہر شے کے سمجھیں بہت احکام جو شریعت نے بیان کیے تھے اور عقل او کھا ادراک نہ کر سکتے تھے اب سیکڑوں برس کے بعد وہ موافق شریعت کے دریافت ہوئے مثل قبیح شراب و غیرہ اسی طرح کل احکام و اخبار صحیح و درست ہیں اور اذعان اور اعتقاد ادبیر لازم و واجب ہے خواہ انکے لمین ہماری سمجھ میں آگئی ہوں یا نہ آئی ہوں اور یہی مراد تعبد سے ہے ۱۲ ترجمہ۔

جو اسکی ربوبیت والوہیت کا اقرار کیا اسکا یہ اثر اور یہ دخل ہو کہ اس دار دنیا میں بندوں کو توفیق ہوے کہ اون مقدسات و اسباب کی تحصیل کریں جنکی ترتیب سے معارف الہیہ حاصل ہوتی ہیں اور اوسے عالم ارواح کے اقرار کا یہ اثر ہو کہ پہلے اسکی معرفت کا انکار نہ کریں بلکہ اوسے اقرار کو ان معارف کے عقلی ہونے میں بھی مدخلیت ہو جیسا کہ فقرہ اخیرہ اوس حدیث ان امور کی طرف اشارہ کر رہا ہے واللہ اعلم۔

ملاحظہ فرمائیے کہ وافی میں پہلے لکھا کہ لوگوں کی خلقت و جبلت میں داخل ہے کہ وہ وقت شدائد میں خدا پر توکل کرتے ہیں اور نہایت دل سے سبب و اسباب و سہل الامور الصعاب کی طرف توجہ کرتے ہیں اور اسکی تائید میں ایک حدیث بیان کی جو دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ لوگ وقت شدائد اور خوفناک حالتوں میں اور اضطراب و اضطراب کے وقتوں میں حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اسکے بعد ملاکاشی نے لکھا کہ اسی سبب سے لوگ معذور رکھے گئے ترک کرنے میں اکتساب معرفت خدا سے تعالیٰ کی اور چھوڑ دی گئی اپنی فطرت و جبلت پر اور محض زبانی اقرار پر اونسے اکتفا کی گئی ہے اور اوتکو اسند لال علمی کی تکلیف نہیں دی گئی ہے اس معرفت کے حاصل کرنے میں اور یہ تعمق نظر و غور و فکر نہیں ہے مگر اسلیئے کہ بصیرت و مہارت زیادہ ہو۔ اور یہ اس طرح کا اکتساب گروہ خاص کے ساتھ مخصوص ہے اب رہی اسند لال تو وہ اسلیئے ہے کہ اہل ضلالت اور گمراہوں کی اوس سے رد کریں پھر سمجھنا چاہیے کہ فہم اور عقلی لوگوں کی مختلف ہیں اور ایک سے دوسرے کی سمجھ اور عقل میں فرق ہے قبول کرنے میں مراتب عرفان و تحصیل اطمینان کے کمیت و کیفیت۔ ضعف و شدت۔ بطور و سرعت۔ علم و حالت۔ کشف و عیانیت میں اگرچہ اصل معرفت فطری ہو یا ضروری و بدیہی یا اس طرح ہو کہ تہنیہ خفیف کی ضرورت ہو مگر اختلاف اقسام و عقول سے ہر شخص کے واسطے ایک علیحدہ طریقہ ہے کہ اگر وہ اہل ہدایت و ایمان سے ہے تو حق تعالیٰ اوسے طریقہ سے اسکی ہدایت کرتا ہے۔ پس جتنے عدد و نفوس خلائق ہیں اوتنے ہی طریقہ معرفت خدا کے ہیں و ہم درجات عند اللہ یرفع الذین امنوا والذین اولوا العلم درجات (وہ خدا کے نزدیک زینہ بزمین ہیں بلند مرتبہ کرتا ہے حق تعالیٰ اون لوگوں کو جو مومنین ہیں اور جنکو علم دیا گیا۔) تمام ہوا کلام ملاکاشی۔ مگر اس مقام میں مخفی نہ ہے کہ کلام ملاکاشی اسی سبب سے لوگ معذور رکھے گئے ہیں بلکہ زبانی اقرار پر اونسے اکتفا کی گئی ہے پتہ تک تحقیق سے خالی بلکہ اوس سے عاری و دور ہے اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ لوگ معذور رکھے جائیں ترک اکتساب معرفت میں حالانکہ معرفت اول واجبات اور سب سے اہم و ضروری اور افضل واجبات ہی اور تمام عبادتوں کے قبول ہونے کی شرط ہے جیسا کہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ اسکا بیان ہوگا اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ محض اقرار زبانی اونسے پسند کیا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اقرار کلمہ شہادتین پر جو اکتفا کی جاتی ہے تو وہ محض حکم دینا کے معلق ہے کہ اسکی جان اور مال کی حفاظت ہو جاتی ہے۔ اور بھلا یہ تو خیال کیجیے کہ محض اقرار زبانی اور انکار قلبی ہی تو منہی درجہ کفر کا ہے۔ ہاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو زبانی اقرار کلمہ توحید پر اکتفا فرمائی اسکی کئی وجہیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ معرفت اس طرح کہ واجب الوجود موجود

۱۔ ان معنوں سے کہ خدا کا اور خالق کا تو اقرار سب کرتے ہیں مگر اپنے غواہیت و ضلالت سے اوصاف میں مشرک آرت ہیں مثلاً کوئی حقائق طبعیت کو کہتا ہے کوئی دیگر کوئی خدا ہی محم و مرئی قرار دیتا ہے وغیرہ وغیرہ ۱۲ مترجم

اور وہی خالق عالم ہے محض عقلی ہے اور بخلہ اون امور کے ہے جس پر نبوت موقوف ہے اور اس معرفت کے لیے عقل اور شواہد عقل اور آثار مصنوعات جو وجود حق تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں کافی ہیں اور یہی حجت خدا منجانب خدا ہیں بندوں کے لیے بخلاف اسکے کہ وہ مستحق عبادت ہے اور سوائے اسکے کوئی مستحق عبادت نہیں ہے کہ یہ امر صرف عقلی خالص نہیں ہے بلکہ سمعی ہے اسکا اور اک بغیر سمع اور بلا تعلیم انبیاء نہیں ہو سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اقرار کلمہ توحید کا مستلزم ہے اقرار کو وجود باری تعالیٰ کے بعض صفات مخصوصہ باری تعالیٰ کے عنوان میں اور اذعان و اعتقاد اس امر کا کہ عبادت کا مستحق سوا اسکے کوئی نہیں ہے ممکن ہی نہیں ہے بغیر اسکے وجود کے اذعان و اعتقاد کے پس تکلیف توحید کی مستلزم ہے اسکی معرفت کی تکلیف کو باین عنوان کہ وہ واجب الوجود اور خالق عالم وغیرہ وغیرہ ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اہل مکہ اور اسکے قریب قریب رہنے والے وجود واجب الوجود کا تو اقرار کرتے تھے اور اسکے بھی معرفت و معرفت تھے کہ وہ خالق عالم ہے کفر اونکا منحصر اسمین تھا کہ وہ ایک خدا کے سوا اور بھی خدا مانتے تھے اور اونکا بھی مستحق عبادت جاننے تھے جس طرح حق تعالیٰ کو مستحق سمجھتے تھے پس پروردگار عالم نے تکلیف دی اونکو اس امر کی کہ اقرار کریں کہ سوائے اسکے کوئی مستحق عبادت نہیں ہے اور عبادت مخصوص ہے اسی کی جو واجب الوجود اور خالق عالم ہے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اقرار امر ظاہری ہے پس مناسب حال و وقت یہی تھا کہ اسی کی تکلیف دی جائے کیونکہ وہ زمانہ ابتداء تھا نیا دنیا امر تھا اسی اقرار کے سبب سے فرمانبردار و نافرمان کی پہچان تھی بخلاف معرفت قلبی کے کہ وہ تو نفسانی کیفیت ہے اور مخفی بھی بات ہے۔ پس اگر اسی معرفت کی ابتدائی ہی سے اور پہلے ہی پہل تکلیف دی جاتی تو طبع و عاصی مومن و کافر میں تفریق نہ ہو سکتی تھی حکمت پروردگار حکیم و حلیم ایسے کے مقتضی تھے اول اول اسی امر ظاہری اور اقرار زبانی کی تکلیف دی جائے تاکہ مطیع و فرمانبردار عاصی و نافرمان سے تفریق پائی جائے اسکے اونکے دونوں میں نور ایمان کو ڈالا اور براہین ساطعہ و حجج قاطعہ سے معارف الہیہ و معالم دینیہ کو اونکے قلوب صافیہ میں جلوہ دیا اور آثار و شواہد والہ سے اونکو متقن و مستحکم کیا جیسا کہ کتاب الہی کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے اور انہیں ملا محسن کاشی نے یہ بھی لکھا ہے کہ (لوگوں کی عقلیں مختلف ہیں اسی سبب سے انہیں قبول معرفت و مراتب عرفان میں فرق ہے تو یہ قول اونکا درست ہے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ کچھ بعید از عقل نہیں ہے کہ صاحبان قوت قدسیہ و مالکان ملکہ ملکوتیہ مثل انبیاء و اوصیاء و ائمہ علیہم السلام کے لیے بلکہ اونکا مرتبہ تو زیادہ ہے ہم اون از کیسا کو بھی کہتے ہیں کہ منتہاے درجہ زکات رکھتے ہوں اور کوئی پہلو اور جہت کا وجہ انسان کی طاقت و حیثیت کے مناسب ہو چھوڑا ہو یا خیر بعض جہات کچھ کم بھی ہوں تو بھی ہو سکتا کہ معرفت خدا اونکو بلا کسب و اکتساب کے حاصل ہوا اور مثل بدیہی نور عرفان و اذعان اونکے دونوں میں داخل ہو کیونکہ نظریٰ سکتا ہے کہ بعض لوگوں کے لیے بدیہی ہو بخلاف بدیہی کے اور اسکی تحقیق اپنے مقام پر ہو چکی ہے اور جب ایسا ہوا کہ وہ نظریٰ اسکے لیے بدیہی ہوئی تو اب اسکو

۱۔ نبوت بنی کی اسوقت ضرورت ہے کہ جب وجود خدا کا ثبوت ہو جائے پس نبوت کا ثبوت موقوف ہے ثبوت خدا پر پس اگر خدا کا نبوت موقوف ہو کلام نبی پر تو مستلزم دور محال کو ہو گا لہذا اثبات وجود باری تعالیٰ میں عقل و آثار کافی ہیں بلکہ ضروری ہے کہ قبل اثبات ثبوت باری تعالیٰ ہو البتہ تنبیہ نبی اور بیان ادلہ وجود باری قطع نظر حیثیت نبوت سے ہو سکتا ہے اور بعد اسکے کہ اون اول سے اثبات باری تعالیٰ کر لیا جائے اسکے بعد اثبات نبوت کیا جائیگا۔ ۱۲ مترجم۔

ضرورت اکتساب کی ہوگی اور نہ اسکو تکلیف اسکی دی جائیگی۔ اور یہ بھی کچھ بعید از عقل نہیں ہے کیونکہ اکثر واجباً ایسے ہیں کہ نسبت بعض اشخاص کے وہ واجب ہیں اور یہ نسبت بعض کے واجب نہیں ہیں۔

بعض متفقین نے اسکی وجہ میں کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ اظہر موجودات ہے اور پھر بھی عقول پر کیسے پروے پڑے ہیں کہ پروردگار عالم اوس سے مخفی ہے جسکے سبب سے ہزاروں اختلاف ہو رہے ہیں ایک کلام طولانی لیکن نہایت عمدہ اور پاک و پاکیزہ لکھا ہے میراجی چاہتا ہے کہ میں بھی اسکو اس مقام میں لکھوں۔ اب ملاحظہ ہو وہ کلام یہ ہے یہ تو درست و صحیح ہی ہے کہ اظہر موجودات واجب و روشن ترین کائنات پروردگار عالم ہے اور یہی اس امر کو تھا کہ اسکی معرفت اول معارف ہوتی سب سے پہلے وہ سمجھ میں آتا عقول پر اسکی معرفت کا طریقہ سب سے زیادہ سہل و آسان معلوم ہوتا حالانکہ ہم بالکل ان سب باتوں کے مخالف و خد پاتے ہیں۔ تو اب ضرور ہوا کہ کچھ اسکی وجہ و سبب بیان ہو۔ پس یہ جو ہم نے کہا کہ حق تعالیٰ اظہر موجودات و اجلائے کائنات ہے اسکی وجہ بغیر تمثیل و مثال کے سمجھ میں نہیں آسکتی پس اسکی توجیہ و مثال یہ ہے۔ کہ ہم جب کسی انسان کو دیکھتے ہیں کہ مثلاً کتابت کرتا ہے یا خیاطی کرتا ہے تو اسکو زندہ صاحب حیات سمجھنا یہ بہت ظاہر و بدیہی ہے بلکہ اظہر موجودات ہے۔ تو ایسے وقت میں اسکی حیات اور اسکا علم خیاطی اور اسکی خیاطی پر قدرت یہ ہمارے نزدیک اسکی سب صفاتوں کے بہ نسبت خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی اظہر و آشکار ہیں۔ اسلئے کہ اسکی باطنی صفتیں مثل غیظ و غضب و خواہش و رغبت و خلق و مروت و مرض و صحت وغیرہ ایسی صفتیں ہیں کہ محض کتابت و خیاطت کے دیکھنے سے ہرگز دریافت نہیں ہو سکتیں اگرچہ خود اس شخص کی صورت بھی دیکھ لیں اب رہیں ظاہری صفتیں تو اسکی حالت بھی یہی ہے کہ بعض تو ہم پہچان ہی نہیں سکتے اور بعض میں شک رہیگی مثل مقدار طول و اچلائی اور اختلاف لون و بشرہ و جلد وغیرہ کے۔ البتہ وہ صفتیں جو سابقین میں بیان ہوئیں یعنی حیات و قدرت اور ارادہ اور علم اور اسکا منجملہ حیوانات بلکہ منجملہ انسانات ہونا ہمارے نزدیک یقین و اجلائے موجودات سے ہے بغیر اسکے کہ آنکھوں سے اسکی حیات و قدرت و ارادہ کو دیکھیں بلکہ یہ صفتیں ایسی ہیں کہ جو اس ظاہری آنکھ کان زبان ناک ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ سے دریافت ہو ہی نہیں سکتیں بلکہ یہ حیات و قدرت و ارادہ اسکا محض اسی خیاطت و کتابت سے معلوم ہوا ہے۔ اسی طرح ہم اگر نظر کریں ہر ہر اس چیز پر جو اس عالم میں سوا خدا کے ہے تو اس چیز کی صفتیں دیکھنے یا سننے یا چھونے یا چکھنے یا سونگھنے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ ایک ہی ایک دلیل اسکی دریافت ہونے کی ہے باوجود اسکے وہ صفت اور وہ چیز کس طرح ظاہر و روشن ہو جاتی ہے۔ پس اب لحاظ کرنا چاہیے وجود باری تعالیٰ اور اسکی قدرت و علم اور تمام صفتوں کو کہ کرو یا دلیلیں کسی پکار پکارا اسکو بتا رہی ہیں اور اس کے وجود و شہود کے گواہی دیتے ہیں۔

سنیے وہ کون کون ہیں۔ جنگو ہم دیکھتے ہیں۔ جنہیں ہم سنتے ہیں۔ جنہیں ہم چھوتے ہیں۔ جنہیں ہم کھاتے ہیں۔ جنگا جنگا احساس ہم جو اس ظاہری یا جو اس باطنی سے کرتے ہیں حجر و مدر۔ کنگر۔ پتھر۔ نباتات ہر شجر حیوانات بحر و بر آسمان و زمین ستارے شمس و قمر۔ جنگل و صحرا۔ سمندر و دریا آتش و ہوا جو ہر و عرض۔ بلکہ پہلے شاہد باری تعالیٰ کے مکلف و غیر مکلف کا فرق تو ظاہر ہے عورت و مرد کے احکام میں فرق ہے حاضرین و مسافرین کا فرق مثلاً ناز جمعہ حاضرین لازم ہے مسافر بلازم نہیں۔ مسافر پر واجب ہے حاضر پر واجب نہیں بلکہ حرام ہے وغیرہ وغیرہ ۱۲ مترجم

بعض متفقین نے اسکی وجہ میں کہ باوجودیکہ حق تعالیٰ اظہر موجودات ہے اور پھر بھی عقول پر کیسے پروے پڑے ہیں کہ پروردگار عالم اوس سے مخفی ہے جسکے سبب سے ہزاروں اختلاف ہو رہے ہیں ایک کلام طولانی لیکن نہایت عمدہ اور پاک و پاکیزہ لکھا ہے میراجی چاہتا ہے کہ میں بھی اسکو اس مقام میں لکھوں۔ اب ملاحظہ ہو وہ کلام یہ ہے یہ تو درست و صحیح ہی ہے کہ اظہر موجودات واجب و روشن ترین کائنات پروردگار عالم ہے اور یہی اس امر کو تھا کہ اسکی معرفت اول معارف ہوتی سب سے پہلے وہ سمجھ میں آتا عقول پر اسکی معرفت کا طریقہ سب سے زیادہ سہل و آسان معلوم ہوتا حالانکہ ہم بالکل ان سب باتوں کے مخالف و خد پاتے ہیں۔ تو اب ضرور ہوا کہ کچھ اسکی وجہ و سبب بیان ہو۔ پس یہ جو ہم نے کہا کہ حق تعالیٰ اظہر موجودات و اجلائے کائنات ہے اسکی وجہ بغیر تمثیل و مثال کے سمجھ میں نہیں آسکتی پس اسکی توجیہ و مثال یہ ہے۔ کہ ہم جب کسی انسان کو دیکھتے ہیں کہ مثلاً کتابت کرتا ہے یا خیاطی کرتا ہے تو اسکو زندہ صاحب حیات سمجھنا یہ بہت ظاہر و بدیہی ہے بلکہ اظہر موجودات ہے۔ تو ایسے وقت میں اسکی حیات اور اسکا علم خیاطی اور اسکی خیاطی پر قدرت یہ ہمارے نزدیک اسکی سب صفاتوں کے بہ نسبت خواہ ظاہری ہوں خواہ باطنی اظہر و آشکار ہیں۔ اسلئے کہ اسکی باطنی صفتیں مثل غیظ و غضب و خواہش و رغبت و خلق و مروت و مرض و صحت وغیرہ ایسی صفتیں ہیں کہ محض کتابت و خیاطت کے دیکھنے سے ہرگز دریافت نہیں ہو سکتیں اگرچہ خود اس شخص کی صورت بھی دیکھ لیں اب رہیں ظاہری صفتیں تو اسکی حالت بھی یہی ہے کہ بعض تو ہم پہچان ہی نہیں سکتے اور بعض میں شک رہیگی مثل مقدار طول و اچلائی اور اختلاف لون و بشرہ و جلد وغیرہ کے۔ البتہ وہ صفتیں جو سابقین میں بیان ہوئیں یعنی حیات و قدرت اور ارادہ اور علم اور اسکا منجملہ حیوانات بلکہ منجملہ انسانات ہونا ہمارے نزدیک یقین و اجلائے موجودات سے ہے بغیر اسکے کہ آنکھوں سے اسکی حیات و قدرت و ارادہ کو دیکھیں بلکہ یہ صفتیں ایسی ہیں کہ جو اس ظاہری آنکھ کان زبان ناک ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ سے دریافت ہو ہی نہیں سکتیں بلکہ یہ حیات و قدرت و ارادہ اسکا محض اسی خیاطت و کتابت سے معلوم ہوا ہے۔ اسی طرح ہم اگر نظر کریں ہر ہر اس چیز پر جو اس عالم میں سوا خدا کے ہے تو اس چیز کی صفتیں دیکھنے یا سننے یا چھونے یا چکھنے یا سونگھنے سے معلوم ہوتی ہیں اور یہ ایک ہی ایک دلیل اسکی دریافت ہونے کی ہے باوجود اسکے وہ صفت اور وہ چیز کس طرح ظاہر و روشن ہو جاتی ہے۔ پس اب لحاظ کرنا چاہیے وجود باری تعالیٰ اور اسکی قدرت و علم اور تمام صفتوں کو کہ کرو یا دلیلیں کسی پکار پکارا اسکو بتا رہی ہیں اور اس کے وجود و شہود کے گواہی دیتے ہیں۔

وجود پر ہماری نفسیں۔ ہمارے جسم۔ ہماری مختلف منفص۔ ہماری مختلف حالتیں۔ ہمارے دلوں کی اولیٰ پٹی بائیں۔ ہمارے اطوار اور حرکتیں۔ اور ملاحظہ ہو کہ سب چیزوں سے زیادہ ظاہر و روشن ہم پر اور معلوم و متیقن ہو کہ ہماری نفسیں ہیں اور بعد اوسکے محسوسات جو اس خمسہ ظاہری سے اسکے بعد وہ چیزیں جو جو اس باطنی ذہن و عقل سے دریافت ہوتی ہیں مگر یہ خوب معلوم ہے کہ یہ سب چیزیں جس جو اس کے ذریعہ سے معلوم ہوتی ہیں وہ ایک ہی ہے۔ ان تمام مدرکات کا چاہئے جو سے مدرک ہو ہر مدرک کے واسطے ایک ہی ایک مدرک اور ایک ہی ایک شاہد اور ایک ہی دلیل ہوتی ہے اسکے بعد ملاحظہ ہو کہ ذات باری تعالیٰ وہ ہے کہ یہ جو کچھ اس عالم موجودات میں ہے سب کے سب شواہد ناظرہ و ادلہ شاہدہ اپنے خالق و اپنے مدبر و مصرف و محرک کے وجود کی ہیں اور اسکے علم و قدرت پر دلالت کر رہی ہیں اور اسکے لطف و حکمت کو بتا رہی ہیں اور یہ ظاہر ہے ہر شخص اس سے خوب ماہر ہے کہ کوئی حد و انتہا ان موجودات و مدرکات و محسوسات کے نہیں ہے۔ پس جبکہ حیات کاتب نوہما و اسکے ہاتھ کی حرکت یا کتابت سے معلوم ہوئی کہ جو شاہد واحد ہے اور اس کاتب کی حیات ہمارے نزدیک محض اسی دلیل سے ظاہر قرار پائی تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ ظاہر و روشن نہ وہ ذات ہمارے نزدیک جیسے شاہد اور جسکی دلیلین ہر چیز میں جسکا ہم ذرا بھی خیال کریں اور ذرا بھی اپنے ذہن میں لائیں ظاہر و آشکار ہیں جو کچھ ہمارے نفسوں میں داخل ہے جو چیزیں ہمارے نفسوں سے خارج ہیں وہ سب مثبت وجود پروردگار ہیں اور اسکے وجود کو باور بلند بکار بکار کر دکھا رہے ہیں اور اسکی عظمت و جلالت کا شور مچا رہے ہیں ہر ہر ذرہ نداد سے رہا ہے ہر ہر ذرہ کا عدم سے وجود میں آنا بتا رہا ہے کہ اسکا خود بخود وجود میں آنا ناروا ہے ہرگز ہرگز خود بخود حرکت بھی نہیں کر سکتا ہے بلکہ بلاشبہ اسکو اپنے وجود میں موجود کی احتیاج ہے اپنی حرکت میں محرک کا محتاج ہے سب سے پہلے بڑے شاہد اسکے ہمارے اعضا کا ترکیب پانا ہماری ہڈیوں کے جوڑوں کا ملنا گوشت و پوست کا بڑھنا اعضا و اجزا کا آپس میں بڑنا یا یوں کا اوگنا ہمارے ماتحتوں اور پیروں اور اونگلیوں اور ناخنوں کا مناسب شکلوں پر ہونا اور تمام اجزا و اعضا سے بدن کا آپس میں مناسبت رکھنا پس تمام اعضا و اجزا ہماری خواہ ظاہری ہو یا باطنی اور اسکے وجود کے شاہد و بڑے دلیل قوی ہیں اسلیئے کہ ہم یقیناً جانتے ہیں کہ ہمارے اجزا خود بخود مرکب نہیں ہوئے ہیں اور اسکا علم و یقین ہو اسی طرح ہے جس طرح اسکا علم ہے کہ کاتب اور لکھنے والے کا ہاتھ خود بخود بلا قصد و ارادہ متحرک نہیں ہوتا۔ لیکن از بسکہ کوئی شے موجودات و مدرکات و محسوسات و مخلوقات میں حاضرات و غائبات میں ایسی نہیں ہے جو اسکے وجود کی شاہد و دلیل اور اسکے معترف اور بتانے والی شناخت و پہچاننے کی سبیل نہ تو وہ نہایت عظیم الظہور و کالنور علی شامق الظہور بلکہ آفتاب نصف النہار ہے یعنی جو چیز دیکھنے کی ہے وہ آنکھ سے معلوم ہوگی مثل رنگ کے جو چکھنے کی ہے وہ زبان سے دریافت ہوگی مثل مزے کے یہ نہیں ہو سکتا کہ آواز کو آنکھ سے دریافت کریں اور مزے کو ہاتھ سے اور گرمی کو سونگھ کے پس ہر شے کے اور اک کا ذریعہ ایک ہی ایک دلیل اور ایک ہی ایک شاہد و مدرک ہے بخلاف ذات باری تعالیٰ کے کہ اسکے وجود کے شاہد ہر چیز ہے خواہ کسی حاسہ سے جو اس خمسہ ظاہری یا باطنی سے مدرک ہو پس تمام مدرکات کل موجودات جمیع اشیاء کائنات ہر ہر واحد اسکے وجود کے مستقل دلیل ہے اور بتا رہی ہے کہ اسکا صانع و خالق موجود وحی و عالم و فساد و مرید ہے جو عیب کی بات نہ کرے ہر نقص و قبح سے معرا ہے ۱۲ مترجم۔

سے بھی زیادہ روشن و آشکار ہوا۔ اور یہی سبب ہے کہ عقل کو اوسکے ادراک سے حیرت اور اوسکے دریافت میں
دہشت ہے۔ پس ہماری عقلیں جو اوسکے ادراک میں حیران و سرگردان ہوتی ہیں اوسکی معرفت میں مضطرب و
پریشان رہتی ہیں۔ اسکی دو وجہیں یہاں بیان کی جاتی ہیں ایک وجہ یہ ہے کہ حقیقت اوسکی غیر معلوم و مخفی ہوا بہت
اوسکی غامض و مخفی ہو اور یہی وجہ ایسی ہے جس سے ہر شخص ماہر و جسکی مثال ہر شخص پر ظاہر ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ قدر ظاہر
و آشکار ہو جسکا وہ شمار غیر دشوار ہو مثلاً اسکی سیج کہ خفاش (چکا در) ضیف اللہ بخریفہ لفظ بآفتاب نکلتا ہو جلوہ ٹور چکتا ہو تو کیسا گھبراتا
ہو کھلاتا پھرتا ہے اور آفتاب کو نہیں دیکھ سکتا ہے۔ پس آفتاب کی وہ شدت ظہور کی گرما گرمی اور چمکا در کی
وہ آنکھوں کی بصارت کی کمی یہی باعث ہے کہ وہ اوسکو نہیں دیکھ سکتا بلکہ گویا کسی شے کو بھی دن کو نہیں دیکھ سکتا۔
البتہ جب تیرگی ضو اور روشنی سے ملتی ہے اور وہ تیزی اور ٹپ اور چمک دمک کم ہوتی ہے تو کچھ کچھ اوسکو
سو جھلمکے اور جب شب کا اندھیرا پھیلتا ہے تو اوسکو دکھائی دیتا ہے اسی طرح ہماری عقلیں کمزور و ناقص
و بے نور ہیں۔ جمال حضرت الیہ کا انتہائے درجہ ظہور ہے ہر طرف روشنی اوسکے وجود کی چمک رہی ہے
ہر طرف خوشبو اوسکی تمک رہی ہے ہر کھلی اوسکا نام لیکر چمک رہی ہے قمری اوسکا دم بھر رہی ہے اوسکی
کے ذکر میں بلبل چمک رہی ہے۔ اوسکے ظہور نے ہر چیز کو گھیرا ہے ہر شے کو شامل اور ہر بات میں
پیرا ہے۔ زمین لگا کے آسمانوں تک کوئی ذرہ اوسکے ظہور سے نہیں جھوٹا ہے یہ تمام گلشن ہستی اوسکی ایک
ادنی گلزار ظہور و معرفت کا پھول اور بوٹا ہے۔ پس یہی ظہور سبب اوسکے خفا کا ہوا۔ اسی سبب سے عقل
کی آنکھوں پر پردا پڑا۔ اسی شدت ظہور و نور سے اوسکے ہماری عقل چونکہ ہیا گئی اور اوسکی آنکھوں پر چکا چونکہ
انگلی فسیحان من احجب با شراق نورہ و اختفی عن البصائر والا بصار لبطھور کا (سبحان اللہ)
جو اپنی چمک دمک کے پردوں میں چھپا ہے وہ کیسا پاک و پاکیزہ ہے باوجود کثرت نور و شدت ظہور کے کیسا
آنکھوں سے پوشیدہ ہے (اور اسکا کوئی تعجب نہ کرنا چاہیے کہ بھلا اس شدت ظہور و نور کے باعث پوشیدہ
و مستور کیونکر ہوا کیونکہ یہ بہت معروف و مشہور ہے الاشیاء تعرف باضداد ہا شناخت ہر چیز کی اوسکی ضد سے
ہوتی ہے جن چیزوں کے خلاف اور ضد پائی جاتی ہے وہ چیز نہایت آسانی سے سمجھ میں آتی ہے۔ اور جب کوئی
ایک ہی طریق پر رہتی ہے اور ایک راہ پر چلی جاتی ہے تو اوسکی معرفت و شواہد لاتی ہے و ٹھوکرین کھلاتی ہے
مثلاً اسکی جیسے آفتاب کی روشنی زمین پر کہ یہ ہلکوبخوبی معلوم ہے کہ یہ زمین کے اوصاف ذاتی و لوازم سے
نہیں ہے بلکہ ایک عارض شے ہے کہ غروب آفتاب سے زائل ہو جاتی ہے۔ پس اگر آفتاب کبھی غروب
نکرتا اور ایک ہی طور پر زمین کو منور کیے رہتا تو ضرور ہلکوا گمان ہوتا کہ یہ جو ہیئت و حیثیت جسموں کی رنگوں سے
حاصل ہے یہی ہے یعنی سیاہی و سفیدی وغیرہ اسکے سوا کچھ اور اک نہوتا کیونکہ سیاہی میں سوا سیاہی کے
اور سفید میں سوا سفیدی کے اور تو ہمیں کچھ دکھائی دیتا ہے نہیں تو اس آفتاب کی ضو اور دیوب کو تنہا
علیحدہ کیونکر دریافت کرتے لیکن جب آفتاب نے غروب کیا اور زمین پر اندھیرا چھایا تو اوسوقت روشنی
و اندھیری کے فرق کا بتا پایا اور دونو حالتوں میں امتیاز و تفرقہ کیا اور ہلکوا معلوم ہوا کہ یہ آفتاب کی روشنی
سے انہیں ضیاء تھی۔ ایک علیحدہ دوسری صفت سے انہیں صفت پیدا تھی کہ آفتاب کے غروب ہوتے ہی یہ ہام
۱۲ گہرہ بند بروز شب پر چشم چہ شد آفتاب را چہ گناہ

اوس سے اور وہ روشنی ان جسموں سے جدا تھی۔ پس جسے وجود نور کو اوس کے عدم سے پہچانا اور اگر اوس کا عدم نہوتا تو بہت دشوار ہو جاتا اور سکا جانا کیونکہ جسموں کے کچھ بھی نور و ظلمت میں فرق نہوتا ہر ایک اپنے حال پر بلا اختلاف باقی رہتا تو پھر نور و ظلمت کا بھلا کیونکر فرق معلوم ہوتا۔ اور یہ تو کوئی تباہی کی بات نہیں ہے کہ نور تمام محسوسات میں کیسا روشن و اظہر ہے اور کیونکر ایسا نہو حالانکہ جتنے محسوسات ہیں سب اسی روشنی و نور کے سبب سے محسوس و مشاہد ہوتے ہیں۔ اب غور و تامل و انصاف سے دیکھیے نور کہ جو چیز ایسی ظاہر ہے بلکہ اور اور چیزوں کو ظاہر کرنے والی ہے اگر اوسکی ضد اور مخالف تاریکی نہوتی تو اوس کے بھی پہچانے میں کس طرح کا شبہ و دوہو کا ہو سکتا تھا۔ اب پروردگار عالم بھی بلاشبہ اسی طرح ہے کہ اظہر امور ہے سب سے زیادہ اوس کا وجود روشن و ظاہر ہے اور تمام چیزوں کو اوس نے پیدا اور ظاہر و بیدار کیا ہے ہر چیز پر وہ ناطق ہے۔ اور اگر اوس کے لیے بھی عدم ہوتا یا غیبت و تغیر اوس کا ہدم ہوتا تو یہ زمین و آسمان کچھ بھی نہ تھا ملک و ملکوت لطلان کا نقشہ بننا اور آپ کو دونوں حالتوں میں تفرق معلوم ہو جاتا۔ اور اگر مثلاً بعض چیزیں اوس کے سبب سے موجود ہوتیں اور بعض اوس کے غیر کے سبب سے تو بھی ان دونوں طرح کی چیزوں کا فرق معلوم ہو جاتا کہ کون چیز اوس پر دلالت کرتی ہے اور کون دلالت نہیں کرتی۔ لیکن بیان تو دلالت اوس کے وجود کی سب چیزوں میں عام ہے۔ سب کا ایک طریقہ پر انتظام ہے۔ وجود اوس کا ہر حال میں ہمیشہ و دائم ہے ہر وقت وہ موجود وحی و قائم ہے۔ وہ بلا تغیر و لازوال ہے خلاف ضدیت اوس کے لیے محال ہے۔ تو اب ضرور ہوا کہ یہی شدت ظہور اور کثرت و ضوح نور باعث اسکی ہوئی کہ وہ محض دستور ہو۔ اور عقل و فہم کو اوس کے ادراک میں تصور ہو۔ اب رہے وہ لوگ جنکی عقل و بصیرت قوی ہے جنکے بنیہ میں ضعف نے راہ نہیں پائی ہے۔ وہ اپنے اعتدال کی حالت میں خدا ہی پر نظر رکھتے ہیں سوائے خدا کے کسی کو نہیں دیکھتے ہیں اونسکے اقوال و افعال جو ایک اثر ہے آثار قدرت خدا سے لایزال کا اوسکے تابع ہیں کیونکہ اون فعلوں کا درحقیقت کوئی وجود نہیں بلکہ یہ وجود ہے اوس و احد حق کا جسکے وجود ان افعال کا ہوا ہے اور اسی طرح تمام حالات اوس شخص کے پس کسی شے میں کسی فعل میں وہ نظر نہیں کرتا مگر یہ کہ اوسکے فاعل کو اوس میں دیکھتا ہے اور فعل کو بھولا دیتا ہے اس خیال سے نہیں دیکھتا کہ یہ آسمان ہے یا زمین ہے حیوان ہے یا درخت ہے بلکہ اس راہ سے نظر کرتا ہے کہ یہ صبح پروردگار عالم ہے پس نظر ایسے شخص کی سوائے خدا کے کسی طرف پڑتی ہی نہیں سوائے اوسکے کسی کو دیکھتا ہی نہیں جس طرح کوئی شخص کسی کے شعر کو یا خط کو یا اوسکی تصنیف کو دیکھے اور اوس میں شاعر کے اور کاتب و مصنف کے حال پر نظر کرے اور اس راہ سے اوسے دیکھے کہ یہ آثار اوس شخص شاعر و کاتب و مصنف کے ہیں نہ اس راہ سے کہ یہ روشنائی اور ایلو اور پھلکری وغیرہ سے سفید کاغذ پر نشان بنے ہیں پس اس راہ سے دیکھے گا تو کہیں گے کہ سوائے مصنف کے کوئی چیز اوسے نہیں دیکھی۔ اسی طرح تمام عالم کو تصنیف پروردگار عالم سمجھے۔ پس جو شخص اس عالم دنیا و مافیہا کو دیکھے اس طرح کہ یہ فعل خدا اور مخلوق رب عطا ہے اور وہ دیکھے کہ یہ خدا کا فعل ہے اور اوس سے محبت اسی نظر سے رکھے کہ یہ خدا کا فعل ہے تو اوسے گویا خدا کی طرف نظر کی اور خدا کو سمجھا اور اوسکے معرفت حاصل کی اور خدا ہی سے محبت حاصل کی اور وہی موجد برحق ہے جو سوائے خدا کے کسی کو دیکھتا ہی نہیں بلکہ وہ اپنے نفس کو بھی اپنے وجود کی حیثیت سے نہیں دیکھتا بلکہ اس حیثیت اپنے نفس پر

نظر کرتا ہے کہ وہ بندہ خدا ہے پس یہی وہ شخص ہے کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے فنا فی التوحید فنا فی اللہ ہو گیا اور گویا اسی درجہ کی طرف اشارہ نکلتا ہے اوس شخص کے قول میں جو کہتا ہے۔ کنا بنا فقینا عنا فقینا بلا نحن ہم اپنے آپ میں تھے کہ اپنے آپ سے گزر گئے اب باقی رہ گئے بغیر ہم ہی کے اور یہ باتیں اسی میں کہ ہر صاحب عقل کے نزدیک ظاہر ہیں عقلاً و صاحبان بعیرت اس سے ماہر ہیں۔ اب اگر دقت ہوئی ہے اور شکل پڑی ہے تو محض اسی سبب سے کہ افہام و عقول اوس کے اور اک میں ضعیف ہیں قدر میں علما کی اوس کے ایضاً و توضیح میں قاصر و ضعیف ہیں ایسی عبارت نہیں بیان کی جس سے مطلب نکل آئے جس سے غرض سمجھی جائے دوسرا باعث اوں علما کو یہ بھی ہوا کہ اپنے نفسوں کی تکمیل میں مشغول تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان باتوں کا غم سے بیان کرنا کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کو بھی ان باتوں سے دوری نہیں ہے انکی غور و فکر میں کچھ مجبوری نہیں ہے پس یہ بھی سبب ہوا کہ معرفت خدا کی سمجھنے میں لوگوں کے فہم نے تصور کیا اور معرفت کا اوند کو حصول نہوا۔ اور اسی تقریر کے ساتھ ضمیر بھی یاد رکھنا چاہیے۔ چھتے مدرکات و محسوسات ہیں وہ سب دلیل و شاہد وجود خدا کے ہیں مگر ان کے انسان بچپن سے جب عقل بھی نہیں ہوتی انہیں چیزوں کو دیکھتا رہتا ہے اور وقتاً فوقتاً وہ تھوڑا تھوڑا ہر چیز کو اور اک کرتا جاتا ہے اس طرح کہ اپنے مقاصد و مطالب و خواہشات نفسانی میں مشغول ہے اور اوس کی فکر میں سرگرم و سرشار ہے پس ایسی حالت میں رفتہ رفتہ وہ اپنے اوں مدرکات و محسوسات کا عادی ہوتا چلا گیا اور اونسے مانوس و مایوس ہو گیا اسی سبب سے کوئی دقت اوس کے دلیلیں اوں چیزوں کی نہ رہی اور کوئی حس و حرکت اوس کے نفس کو اوں چیزوں سے نہ ہوئی۔ البتہ اگر کوئی چیز ایسا کی اوس کو نظر پڑ جاتی ہے۔ کوئی نئی صورت کبھی دکھائی دیتی ہے مثلاً اگر کوئی عجیب و غریب حیوان اوس کو دکھائی دے گیا یا کوئی فعل خدا خلاف عادت کے نظر آئی دیا تو ضرور بعض وجوہات سے فکر سبحان اللہ کہہ اٹھا۔ حالانکہ تمام رات دن اپنے نفس اور اعضا و جوارح کو دیکھتا رہتا ہے اور تمام حیوانات مانوس و مایوسہ پر نظر کرتا ہے اور وہ سب اوس کے وجود کے قطعی دلیلیں اور یقینی برہانیں ہیں مگر اوس کو ان کے دیکھنے سے ایک ذرا بھی حس نہیں ہوتی ہے اور نہ اوندکی شہادت اوسے شہادت دیکھائی دیتی ہے اور اسکا محض سبب یہی ہے۔ کہ بچپن سے اونسے انس و الفت پیدا ہوئی ہے۔ اور اگر فرض کریں کہ کوئی گونا گواہر انہر شکم مادر سے پیدا ہوا اور بالغ و عاقل ہو پھر بعد بلوغ و عقل اوس کے عوارض بر طرف ہوں گویا شفا بینا ہو جاے اور آنکھوں کی روشن ہوتی ہے آسمان و زمین و درخت و نباتات و حیوانات کو ایک ایک دفعہ دیکھے تو گمان تو ہے کہ عقل اوسکی دنگ ہو جائے اسی فوج میں کہ کسی عظیم شہادت و گواہی یہ چیزیں وجود باری تعالیٰ پر دے رہی ہیں اور کس کس طرح اوس کے وجود کو بتا رہے ہیں اور یہ عجائب مخلوقات اوس صانع کائنات کا کیسا صیغہ ٹھیک ٹھیک پتا دے رہے ہیں۔ پس ماوجودات ہماک کے امور دنیا ہے فانی میں اور اشتغال کے مقاصد و خواہشات نفسانی میں ایسے ہی ایسے اسباب و وجہیں ہوتیں کہ خلق خدا پر اوسکی معرفت کی راہیں بند ہو گئیں اور اوس کے نور و نور کی چمک دمک سے آنکھیں لوگوں کی خیرگی کرنے لگیں۔ اور وہ اوس کے دریاے معرفت کی رست میں پھرنے سے ٹھک گئے ساحل مقصود تک پہنچ سکے اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیزیں زیادہ روشن اور علی ہوتے ہیں اوسے زیادہ دیکھنے میں نہایت دقتیں پڑتی ہیں اور یہی اسرار کی باتیں ہیں اسی سبب باوجود خدا کے وجود ظاہر و اظہر ہونیکے فلائق کے دلوں پر پردے پڑے ہیں۔ اسی سبب سے کہا گیا ہے۔

لقد ظهرت فلا تخفى على احد

لكن بطننت بما اظهرت محجبا

الا على امه لا يعرف القمر

وكيف يعرف من بالعرف استرا

دھک دھک بات تو یہ ہے کہ وہ ایسا روشن و ظاہر ہے کہ کسی پر مخفی نہیں رہا۔ سوائے کور مادر زاد کے جسکو آفتاب و مابتاب بھی دکھائی نہیں دیتا۔ مگر خود اسے ظہور و وفور نور کے پردوں میں چھپا ہے۔ تو اب بھلا کیونکر معلوم ہو وہ کہ جس سے اسکی معرفت ہو اسی معرفت کا اوپر پردا پڑا ہے (یہاں تک کلام اسی بعض علام کا تھا۔

مخفی نہ ہے کہ یہ کلام بہت پاک صاف ہے کوئی خرابی نہیں ہے اور ہمارے دعویٰ کی معرفت نظری ہے اس کے بھی مخالف نہیں ہے کیونکہ مراد ہماری معرفت کے نظری ہونے سے اس کا مخفی ہونا ہی اور بدایت معرفت ہے خواہ کسی سبب سے ہو۔ لیکن یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ کلام اہل بدعت اور صاحبان مذہب کی بھی اسی طرف رجوع ہوتی ہے اور ان کے کلام کی بھی تاویل اسی طرح ہو سکتی ہے کیونکہ وہ اقوال باطلہ ہیں جنکی توضیح و تشریح ہمنے اپنی کتاب شہاب ثاقب میں بہت اچھی طرح کی ہے۔

چوتھا مسئلہ اس امر کی تحقیق میں کہ معرفت خدا واجب ہے یا نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جب کسی بات کا حکم کیا جائے اور کوئی چیز کسی چیز کے لیے ثابت کیجا تو ضرور ہے اس حکم کے سمجھنے کے لیے اور صحت و سقم معلوم ہونے کے لیے کہ پہلے وہ دونوں چیزیں معلوم ہوں۔ اور ہم اس کے قبل معنی معرفت کے بیان کر چکے ہیں۔ تو اب ہم کو محض یہ چاہیے کہ قبل مقصود معنی وجوب کے ذکرین اور بیان کر دین کہ مراد وجوب سے اس مقام میں کیا ہے۔ پس سمجھنا چاہیے کہ لغت میں اور زبان عرب میں معنی وجوب کے لزوم کے ہیں مثلاً یہ بات واجب ہے یعنی لازم و ضروری ہے اور انہیں معنوں سے کہتے ہیں کہ حقائق نے اپنے نفس پر رحمت واجب کر لی ہے۔ اور اصطلاحی معنی جو عالموں نے ٹھہرائے ہیں وہ یہ ہیں کہ وجوب کیا ہے کسی فعل کا ہونا اس عہدگی اور خوبی پر کہ اس کے فاعل کی مدح و ثنا کریں اور اس فعل کے تارک کی مذمت کریں۔ اور قول علما اللطف واجب علی اللہ (لطف واجب ہے اللہ پر) اس سے مراد یہی ہے کہ خدا کو لطف کرنا بندوں کے ساتھ بہتر ہے اور ترک لطف بدتر ہے اور یہ دونوں معنی افعال خدا میں بنی آتے ہیں۔ اور کبھی ان دوسرے معنوں کے ساتھ یہ بھی قید لگاتے ہیں کہ استحقاق ثواب ہو جس کے فضل پر اور استحقاق عقاب و عذاب ہو جس کے ترک پر۔ اور اس قید کے لگانے بعد یہ معنی وجوب کے خدا کے افعال پر صادق نہیں آتے۔ اور یہاں مقصود ہمارا بحث کرنا اسی وجوب سے ہے جو معرفت کے لیے ہم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ پس اب ہم کہتے ہیں کہ معرفت واجب ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق و اجماع ہے مگر ایک جماعت قلیل اسکے مخالف ہے اور انکی مخالفت کچھ ضرر نہیں پہنچاتی۔ اور انکی طرف اعتنا بھی نہیں کیجاتی۔ پس ہم امداد شاعر کے

ابن عربی معنی وجوب کے ہوئے ایک لغوی اور دو اصطلاحی پہلے معنی وجوب کے لزوم کے ہیں دوسرے معنی وجوب کے یہ ہیں کہ کسی فعل کا ایسی خوبی رکھنا کہ جس کے فاعل کی مدح و ثنا کریں اور اس کے تارک کی بقیع و مذمت کریں تیسرے معنی یہ ہیں کہ کسی فعل کا ایسی خوبی رکھنا کہ جس کے فاعل مدح و ثنا کریں اور فاعل اس کا مستحق ثواب خردی ہو اور تارک کی اسکی بقیع و مذمت کریں اور تارک اسحق عقاب عذاب خردی ہو پس پہلے دونوں معنوں سے وجوب کا اطلاق خدا کی افعال پر ہو سکتا ہے اور تیسرے معنی میں قید استحقاق ثواب عقاب کے ہو وہ ادب و برکت میں آتے

نزدیک وجوب معرفت عقلاً ثابت ہے۔ وجوب اسکا عقلی ہے سمعی نہیں ہے اگرچہ اولہ سمعی سے بھی یہ بات حاصل ہوتی ہے اور اس سے دلیل عقلی تقویت پاتی ہے اور اونکا بیان بھی عنقریب انشاء کیا جائیگا۔ وجوب عقلی کی دلیل یہ ہے۔ کہ جو شخص کامل العقل ہو اور اپنے نفس کی طرف رجوع کرے اپنے نفس کو بالکل نعمتون میں ڈوبا پائیگا بہت سے ظاہری بہت باطنی ہزاروں اصلی لاکھوں فرعی دقیق و خفی جلیل و جلی روحانی و جسمانی کروڑوں نعمتون کو دیکھیے گا۔ اور یہ بھی بالبداہت جانتا ہے کہ یہ تمام نعمتیں خود اسکی جانب سے نہیں ہیں اور نہ خود بخود یہ نعمتیں پیدا کی گئی ہیں بعد اس سمجھنے کے ضرور ضرور جانے گا کہ کوئی ان نعمتون کا دینے والا ہے اور وہی منہ حقیقی حق تعالیٰ ہے۔ اور یہ بات حق تعالیٰ نے فطرت و جبلت انسانی میں داخل کر دی ہے کہ اگر کوئی شخص اسکو نعمت دے یا احسان و انعام اسپر کرے اسکے عوض اور بدلے میں شکر کرنا مستحسن و بہتر سمجھتا ہے اور برخلاف اسکے کفران نعمت قبیح و بدتر جانتا ہے پس اس بیان سے ہمارے معلوم ہو گیا کہ شکر منعم بداہتہ واجب ہے۔ اور ایک یہ بھی امر ہے کہ ترک شکر سے عاقل کو نفس میں ضرر کا خوف پیدا ہوگا۔ اور دفع خوف نفس سے بداہتہ واجب ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شکر منعم بغیر معرفت منعم ممکن ہی نہیں پس معرفت منعم واجب ہوئی اور یہی ہمارا مطلوب ہے۔ اور جو لوگ قائل ہیں کہ معرفت عقلاً واجب نہیں ہے اونکی بڑی بڑی دلیلین چند امر ہیں۔ پہلا امر یہ ہے کہ وجوب کے معنوں میں ثواب داخل ہے اور ثواب ایک امر اخروی ہے جسکو عقل تنہا مستقلاً ادراک نہیں کر سکتی ثواب یہ امر کہ معرفت واجب ہے یا شکر واجب ہے یا دفع خوف عقلاً واجب ہے کب قابل شمار ہو سکتا ہے دوسرا امر یہ ہے کہ معرفت اسی سبب سے واجب ہے کہ شکر کرنا معرفت پر موقوف اور شکر اس سبب سے واجب ہے کہ ترک شکر سے خوف حاصل ہوا ہے اسکا دفع کرنا واجب ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ معرفت خوف کے دفع کرنے کے لیے واجب ہوئی حالانکہ وہ بات اب بھی باقی ہے اسلیے کہ معرفت حاصل کرنے میں اور نظر و استدلال میں بھی خوف لازم ہے کیونکہ احتمال خطا کا قائم رہتا ہے پس خوف عقاب و عذاب اب بھی اپنے حال پر باقی رہا جس طرح پہلے تھا بلکہ اسکے علاوہ یہ رحمت و محنت و مشقت نظر و استدلال کی اور اسپر زیادہ ہو گئی۔

تیسرا امر یہ ہے کہ ہم کہتے کہ کوئی بھی فعل عقلاً واجب نہیں ہے ان معنوں سے کہ اس فعل کے ترک میں عقاب و عذاب کا مستحق ہو۔ اسلیے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے وما لکنا معذبین حتی نبعث رسولاً (ہمارے یہ عبادتیں نہیں کہ بغیر رسولوں کے بھیجے ہوئے ہم گناہگاروں پر عذاب کریں) اور یہ بھی حق تعالیٰ کا قول ہے رسولاً مبشراً و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد الوسل (وہ رسول بھیجے جو نیکوں کو ثواب کی بشارت دیتے ہیں اور گناہگاروں کو عذاب سے ڈراتے ہیں تاکہ لوگوں کو پھر خدا سے کوئی بخت و تکرار کا محل ان رسولوں کے بھیجنے کے بعد باقی نہ رہے)۔

چوتھا امر یہ ہے کہ وجوب شکر دفع خوف کے لیے ہے حالانکہ شکر خود ہی مستلزم خوف کو ہے اسلیے کہ احتمال ہے کہ ہمارا شکر لائق درگاہ منعم کے نہ ہو۔ اور یہ ہمارا شکر بلاشبہ گویا بمنزلہ تسخر و استہزاء کے قرار پائے کیونکہ جب دنیا **۱۵** دلیل سمعی یہ ہے کہ کلام خدا و انبیاء و اوصیاء سے محض حاصل ہوا اور عقل مستقل اوس میں نہیں اگر وجوب معرفت سمعی قرار پائے تو مستلزم دور کو ہوگا قبل معرفت خدا اثبات کلام خدا کیونکہ یہ سکنا ہے جس معرفت کا وجوب عقلی ٹھہرا اگرچہ احادیث سے بھی یہ معنوں حاصل ہو تو وہ مویہ اس دلیل عقلی کے ہوگا نہ مستقل دلیل سمعی شرعی ۱۲۔

و ایضا کی خزانہ اخروی پروردگار عالم کے مقابل میں کچھ حقیقت و وقت نہیں ہے تو بھلا ہمارے شکر کا کیا حساب یہ کیا حقیر و سبک مقابل میں متمنا ابدی کے ہے۔

پانچواں امر یہ ہے کہ اگر شکر کے واجب ہونے کو مان بھی لیں تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ شکر اس معرفت پر موقوف ہو جس کے واجب ہونے کو تم ثابت کرتے ہو بلکہ معرفت منعم میں محض اس قدر کافی ہے کہ ہمیں کہ کوئی نعمت دینے والا ہے اویسیکا ہم شکر کرتے ہیں وہ چاہے کوئی ہو اوسکی نعمیں و شخص کرنا ضروری نہیں جو منعم حقیقی ہے اوسکا ہم شکر کرتے ہیں۔ اور انا جاننا اور اس قدر معرفت بدیہی ہے جس کا تم خود بھی اقرار کر چکے ہو کہ بلا شک کوئی نعمتیں دینے والا ہے۔ اور یہ معرفت اس نظر و استدلال پر مقدم ہے جو معرفت کا مقدمہ ہے۔

چھٹا امر یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے اس امر کو کہ جس شے پر کوئی امر واجب موقوف ہو تو وہ شے بھی واجب علیہ ہے۔ اور تم جو اس مسئلہ کے ثبوت میں بیان کرتے ہو کہ جب واجب مطلق کسی شے پر موقوف ہو اور وہ شے واجب نہ ہو بلکہ ترک اوسکا جائز ہو اور ہم اوس شے کے عدم و ترک کو فرض کریں تو وہ واجب بھی واجب باقی نہیں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ اگر اوس واجب کا وجوب جاتا ہے اس شے کے نہ ہونے سے تو معلوم ہوا کہ وہ واجب واجب مطلق نہ تھا بلکہ مقید تھا حالانکہ ہم نے اوسکو واجب مطلق فرض کیا ہے۔ پس وہ اپنے وجوب پر اس حال میں بھی باقی رہیگا پس لازم آئیگا واجب کرنا واقع ہونے کا اوس چیز کے جو کسی شے پر موقوف ہو۔ حال عدم موجودگی میں اوس شے موقوف علیہ کے اور یہ تخلیف محال ہے تو ہم اس تقریر کے جواب میں کہیں گے کہ ہم اس امر کو تسلیم نہیں کرتے کہ جو چیز کسی شے پر موقوف ہے اوسکا واقع کرنا محال عدم موجودگی میں اوس شے موقوف علیہ کے محال ہے۔ بلکہ محال یہ ہے کہ اوس شے موقوف کے واقع کرنے میں شرط لگا دیں کہ وہ موقوف علیہ ہرگز نہ موجود کیا جائے اور محدود ہی رہے نہ یہ کہ وہ موقوف زمانہ عدم موقوف علیہ میں بھی محال ہے۔ اور فرق ان دونوں باتوں میں ظاہر ہے کچھ پوشیدہ بات نہیں ہے۔

اب سنیے جواب ان شبہوں کے۔ پہلے امر کا جواب یہ ہے کہ ثواب و عقاب سمی اور حدیث سے پر موقوف اور وقت میں بد تا کہ جب ثواب سے مراد وہ عطیہ ہو تا جس کا استحقاق بندے کو خدا کی درگاہ سے دار آخرت میں دائمی وابدی ہوتا ہے اور عقاب بخلاف ثواب کے مراد لیا جائے۔ لیکن اس وقت کہ جب ثواب سے مراد وہ نفع ہو جس کا استحقاق بندے کو حاصل ہوتا ہے اور تعظیم و تکریم کے ساتھ ہوتا ہے اور عذاب سے مراد وہ ضرر ہے جو امانت و ذلت سے ملتا رہتا ہے۔ پس ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ وہ دو ثواب و عقاب ان معنوں سے بھی موقوف صحیح و حدیث پر ہیں کیونکہ وہ مکمل ہوتا ہے کسی شریعت و مذہب کے نہ تھے وہ بھی قابل معاد روحانی کے تھے جسکی تفسیر وہ اعمال کی جزا و سزا ثواب و عقاب سے کرتے تھے جیسا جناب محقق طوسی علیہ الرحمہ کی کتاب فوائد القواعد سے نقل ہم تک پہنچی ہو۔ اور ان جناب کے کہ ہے۔ چوتھا مسئلہ ثواب عقاب میں۔ وہ دونوں یا بدنی ہیں مثل اون لذتوں کے جو حواس خمسہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ یا نفسانی ہیں مثل تعظیم و تکریم و ذلت و امانت کے الخ۔ اس مقام میں ایک شبہ

واجب مطلق وہ جو بعد بلا غش و عقل و قدرت اپنے وقت پر بجالایا جانا اوسکا لازم ہوا اور وجوب اوسکا موقوف کسی شے پر نہ ہو جیسے اطاعت اور رسول و ائمہ اطاعت والدین و اطاعت شوہر اور ناز و روزہ وغیرہ اور واجب مقید بشرط وہ ہے جو باوجود بلا غش و عقل و قدرت موقوف کسی شرط پر ہو جیسے زکوٰۃ و خمس و حج و جہاد وغیرہ وغیرہ ۱۳۔

او اشکال غور طلب ہو تا جو بار بار میرے دل میں آتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عمدہ مقصود ہمارا اس بحث سے یہ ہے کہ معرفت
 کا وجوب ثابت کریں اور اس شخص کے لیے جسکو ابھی معرفت حاصل نہیں ہوئی ہے۔ اور علم ثواب و عقاب کا اگرچہ
 سمجھی نہیں ہے اور موقوف حدیث کی نئی پر نہیں ہے تو بھی یہ ضرور ہے کہ وہ دونوں موقوف ہیں معرفت پر پس جسکو
 ابھی معرفت باری تعالیٰ حاصل نہیں ہوئی ہے اور سپر شکر اور سکا کیونکر واجب ہوگا۔ اور وہ دفع خوف جو موقوف ہے
 اور معرفت باری پر جو موقوف ہے ایسی نظر و استدلال پر جو موقوف ہے وجوب شکر و دفع خوف پر کیونکر واجب
 ہوگا۔ اور مجرد علم استحقاق ملح و ذم کا حکیم عاقل و دانائی جانب سے اگرچہ بغیر معرفت کے مد رک و حاصل ہو تا
 لیکن اس علم سے استحقاق ثواب و عقاب کا جو دونوں بعد معرفت باری تعالیٰ معلوم ہونگے حاصل و معلوم نہیں
 ہو سکتا جیسا کہ ظاہر ہے۔ اور جواب اسکا جو پروردگار عالم نے مجھ کو الفار اور الہام فرمایا یہ ہے کہ ثواب و عقاب
 کا ہونا کسی فعل پر یا ترک فعل پر وجوہ نعم کے فی الجملہ علم پر موقوف ہے یعنی اگر عمل طور سے معلوم ہو جائے کہ کوئی
 نعم ہے تو اسی امر کا یا ثواب و عقاب کے لیے کافی ہے اور یہ علم اجالی ہر شخص کو بالبدلتہ حاصل ہے جیسا کہ سابق
 میں یہ معلوم بھی ہو چکا۔ اور یہی معرفت مقدم ہے اور نظر و استدلال پر جو موقوف ہے معرفت باری تعالیٰ
 پر اس عنوان سے کہ وہ واجب الوجود ہے اور خالق عالم ہے اور علاوہ اسکے اسی طرح کے اور اوصاف باری تعالیٰ
 پر۔ اور جواب دوسرے امر کا یہ ہے کہ شکر کی حین و خوبی اور اسکا وجوب اور سپر وہ شکر موقوف ہو اور اسکا وجوب
 معلوم و بدیہی ہے۔ اب رہا احتمال اور خیال خطا کہ تکمیل معرفت میں بسبب کسی خلل کے طریقہ استدلال و کتاب
 میں تو اسکا جواب تھا کہ اوہمین اور نہیں لوگون کا قصور ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ بری راہ چلے۔ تو خود برا سے
 اختیار کرنے سے امر واجب کا ترک۔ کیونکر جائز ہو جائیگا۔ اور بضر محال اگر ہم اس بیجا محال بات کو مان
 بھی لیں کہ اوہمین نے جو حق گوشتش کا تھا اسی طرح انصاف و گوشتش کی اور کسی طرح کی کمی اور کوئی قصور
 ذرا بھی نہیں کیا اور پھر بھی خطا ہو گئی تو بطور تعلیق المحال علی المحال ہم یہ بھی کہیں گے کہ پھر وہ لوگ ایسی حالت میں
 یہ محال ہی کئی وجوہ سے بعض کی طرف اجمالاً اشارہ کیا جاتا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ سبب سے سبب کا جدا ہونا علت
 نامہ سے معلول کی جدائی و انفکاک محال ہے یعنی جب تمام شرائط تاثیر کا وجود ہو اور موانع کا ارتفاع ہو تو ضرور اثر پائے گا
 اور انفکاک محال ہے اور باب معرفت میں بھی موجودات و مخلوقات و مصنوعات باری تعالیٰ بمنزلہ شرائط کے ہیں اور عدم توجہ
 ان صنائع و بدائع میں۔ اور کشت خال ملا ہے و ملاعب و لذائذ و بناے فانی میں اور اگر وہ متفرع و عبودیت و تکلیف احکام و
 پابندی شریعت سے بمنزلہ موانع کے ہو۔ پس ایسی صورت میں وجود شرائط تو بدیہی ہے یعنی یہ موجودات و مصنوعات تو ہر شخص کو
 مشاہد و قیصر میں اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہمیشہ سے نہیں ہیں قدیم و واجب الوجود نہیں ہیں بلکہ حادث ہیں اور یہ بھی ظاہر و بدیہی
 ہے کہ خود بخود بھی پیدا نہیں ہوئی ہیں بلکہ کوئی سبب و باعث و موجد و خالق انکلی ہے۔ اب رہا دفع موانع وہ بھی ظاہر ہے کہ
 ہر شخص کو ہر وقت وہ موانع درپیش نہیں رہتی ملاہی و ملاعب و غیرہ کا اشتغال اکثر اوقات خود بخود دفع ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی
 شخص ایسا نہیں کہ مصائب و آلام میں مبتلا نہ ہوتا ہو اور ایسے شدائد جنہیں انقطاع خلق سے ہو جائے اور سپر واقع نہ ہوتی نہ ہو اور
 یہ بھی بدیہی اور ظاہر ہے ہر شخص اس سے ماہر ہے ہر بالغ عاقل بلکہ کس لیکن سمجھدار اسکا مزاج پائے ہوئے ہے ضرور کچھ نہ کچھ
 صدمہ و الم و ہجرت و مفارقت موت اعزا و ابویں و دلائل و اٹھائے ہوئے ہے۔ پس جبکہ سبب پایا گیا۔
 یعنی وجود شرائط کے ساتھ دفع موانع ہو گیا تو وجود سبب یعنی وجود باری تعالیٰ کا ضرور بضر و خیال آجایگا اور انفکاک

معذور و معاف رکھے جائیں گے و الا تکلیف مالا لطاق لازم آئیگی اور تعجب محنت و مشقت کا جو تم غدر کرتے ہو وہ جیسا کہ
 کیونکہ اس رحمت کی راحت ملیگی محنت و مشقت باعث زیادتی ثواب آخرت ہوگی اس لیے کہ افضل الاعمال احمرھا
 (جس کام میں محنت زیادہ ہو اس کی افضلیت بے اندازہ ہے) تیسرے امر کا جواب یہ ہو کہ یا تو اس روایت کو
 مخصوص لیں اور امر و نواہی شرعی سے یا لفظ رسول سے مجازاً معنی عام مراد لیں کہ خواہ وہ رسول ظاہری انسان
 و نبی ہو خواہ رسول باطنی عقل ہو کیونکہ عقل خالص حسین شائبہ اور سیل و ہم و خیالات و ایسے کانوہ بھی حجت ربانی
 بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۔ معرفت سے بعد توجہ و نظر و فکر کے محال ٹھہرا۔ اور اسی کی سوجھ بھج ہے وہ حدیث جو حضرت امام جعفر صادق سے
 ایک دہریہ بخبری سے بیان فرمائی تھی خدا سے وجود خالق عالم پر دلیل طلب کی تھی خلاصہ اس ارشاد کا یہ ہو کہ حضرت نے ارشاد فرمایا
 اس دہریہ بخبری سے خطاب کر کے کہ کبھی تو نے سمندر میں کشتی پر سفر کیا ہو۔ اس نے عرض کیا کہ جی ہاں اکثر اتفاق ہوا ہے۔
 حضرت نے فرمایا۔ کبھی طوفان بھی آیا تھا اور کشتی شکستہ بھی ہوئی تھی ایسی جگہ جہاں نہ کوئی کشتی تھی نہ کوئی ملاح اور نہ پیراک
 نہ تو تجھے خود ہی پرنا آتا تھا کہ تجھے ڈوبنے سے بچا سکتا۔ اس نے عرض کیا کہ پورا ٹھیک یہی واقعہ گزرا کہ ایک مرتبہ طوفان
 آیا کشتی شکستہ ہو گئی ایک تختہ پر رہتا ہوں کے طمانچے سنا چلا جاتا تھا نہ کوئی وہاں کشتی تھی نہ ملاح نہ مجھ کو خود پرنا آتا تھا ہر وقت
 و ہر آن موت کا سامنا تھا کسی طرح بچنا خیال میں بھی نہ آتا تھا۔ اس وقت حضرت نے ارشاد فرمایا کہ بھلا یہ تو بتا کہ اس وقت بیسی
 و بے بسی میں تیرے دل میں یہ بھی آتا تھا کہ کوئی قادر مختار ایسا بھی ہو جو اس کیسی میں آئے اور اس آفت و مصیبت سے چھڑائے۔ اس نے
 عرض کیا کہ یہ تو ضرور تھا کہ اس وقت یہ ضرور خیال آتا تھا اور دل متوجہ ہوتا تھا کہ ایسی مصیبت و آفت سے بھی کوئی بچاؤ والا ہو حضرت نے
 فرمایا کہ میں وہی حق تعالیٰ ہو جو اپنے بندوں کا پالنے والا اور آفت و مصیبت بچاؤ والا ہے وافی خدا وہی ہو کہ کیسی و بے بسی
 میں اوس کا خیال آجاتا ہو اور جب تمام عالم سے امید منقطع ہو جاتی ہو تب اوس کا دھیان ضرور ضرور آتا ہو اگرچہ بندہ اپنے شوی سے
 ملا ہی و ملاعب میں اشتغال کرے اور لذت آندہ دنیا سے فانی میں پھنس کر پھر بھول جائے۔ یا اپنی مہٹ و دھرمی سے اوسی خیال میں
 نہ لائے اور اپنی ہیکرٹی سے اوس کا انکار کر جائے چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اسی امر قطعی و برہان یقینی کی طرف اشارہ فرمایا ہے
 فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلِ دَعَا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ
 وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حاصل ظاہر آیت کریمہ یہ ہو کہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خوب خائف و نڈر بن جاتے ہیں خدا کو بکارتے ہیں
 اس سے نجات کی دعائیں مانگتے ہیں اور جب خدا اوٹو اوٹو اس آفت و زحمت سے نجات دیکر خشکی میں پہنچتا ہو تو پھر شرک
 کرنے لگتے ہیں اور شرک بن جاتے ہیں تاکہ کفران کریں ہماری اون نعمتوں کا جو ہم نے انھیں دیں اور اپنی خواہش نفسانی کے موافق
 تمتع و نفع حاصل کریں اور بے غل و غش مزے اوتھائیں پس اب بہت قریب ہو نہ وہی کچھ دور ہیں نہ قیامت ہی دور ہے
 ان باتوں کا نتیجہ بہت جلد معلوم ہو جائیگا جب یہ سب اوتھائیں اور ان کے آگے آئیگا۔ دوسری وجہ بطور اختصار یہ ہو کہ حق سبحانہ و تعالیٰ
 جو اصدق الصادقین اور صادق الوعد ہو جب کا بیان و ثبوت اسی کتاب عماد الاسلام میں اور اوس کے ترجمہ میں انشاء اللہ تعالیٰ
 آئیگا قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہو۔ وَالَّذِينَ جَاهَلُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ
 خلاصہ و حاصل ظاہر مفاد آیت وافی ہدایہ یہ ہو کہ جو لوگ ہماری راہ معرفت میں کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنی معرفت کی
 راہوں کی ہدایت کرتے ہیں اور ان راہوں کے راست پر پہنچا دیتے ہیں اور بلاشبہ و شک حق تعالیٰ محسنوں اور نیکو کاروں
 کے ساتھ ہو حق سبحانہ و تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جب کوئی کوشش کرے گا ہماری راہ معرفت میں تو ہم ایک راہ کیسی سب
 راہیں اور سب طریقہ اپنی معرفت کی اوس کو بتائیں گے اور راستوں پر پہنچائیں گے اور یہ بھی اشارہ اس آیت سے نکلتا ہے

اور سراج منیر نیردانی ہے۔ اور یہ بھی جواب ہو سکتا ہے کہ نفی نغیب سے نفی استحقاق نغیب نہیں ہوتی۔ اور فعل واجب سے مراد امر ثانی ہے یعنی جسکا فاعل مستحق ثواب اور تبارک مستحق عذاب ہو۔ پس ہو سکتا ہے کہ کوئی فعل کسی بند پر واجب ہو مگر اس فعل کے ترک میں خدا سے تعالیٰ اپنے تفضل و رحمت سے اس پر عذاب نکرے۔ اور دوسری آیت سے تو محض اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر پروردگار عالم رسول کو نبی مبعوث نہ کر دے تو وہ محرمات میں لوگوں کو ایک عذر کا محل و موقع فی الجملہ ملتا اور یہ بات مسلمہ کہ اون و محرمات سمیعہ میں جنکا حسن و قبح مستغلا عقل و ادراک نہیں کر سکتی۔ اور چوتھے امر کا جواب یہ ہو کہ حسن و خوبی شکر کی بدادہ معلوم ہو چکی ہیں منکر اسکا مکابر اور محض بہت دہری پر کمر باندھی ہو تو ایسے شخص کی باتوں سے اعراض لازم ہے۔ اور ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ مشاکر متلزم مستحضر استہزا ہو اور کیا یہ قول شاعر نہیں سنا ہو اور کانون ناک یہ کلام نہیں پہنچا ہو۔ **پاؤں** پیش سلیمان بردن پو عیب است و لیکن ہذا است از مورے۔ پانچویں امر کا جواب یہ ہو کہ تعظیم ہر شخص کی اسکی منزلت و مرتبہ کے لائق و جلال قدر کے موافق ہوتی ہے اسلئے کہ اگر اس طرح نہوگی تو وہ تعظیم نہوگی بلکہ استہزا قرار پائیگی اور یہ بات ظاہر و بچشم دیدہ ہے مخفی و پوشیدہ نہیں تو اب ضرور ہوا کہ شکر کے لیے جس سے مراد تعظیم منعم ہے معرفت منعم تفصیلاً حاصل کریں تاکہ اسے شکر بوجہ کامل جو منعم کے لائق اور اس کے موافق ہو کہ لائیں۔ چھٹے لکھنے کا جواب یہ ہے بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ کہ خود ہم بھی اسکے ساتھ ساتھ دیکھتے ہیں اب لفظات سے ملاحظہ ہو کہ اول تو راستوں پر پہنچ جانے سے پھر راستہ بھولنا اور بھٹکنا محال ہو کیونکہ جب پہنچ ہی گئے تو پھر بھٹک گمان سکتے ہیں اور بھولنا گمان رہا اس کے علاوہ یہ ہو کہ جسکی منزل پر آپ جا رہیں وہ خود بھی منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے آپ کے ہمراہ ہے اور اپنے مکان پر خود لیے جاتا ہے تو بھلا بھول بھٹک محال ہو ہی یا نہیں اب تو آپ جب ہی بھٹکیں گے کہ وہ صاحب خانہ خود ہی کسی دوسرے شخص غیر کے گھر میں گھس جائے اور اسکو اپنا گھر سمجھ لے تو صاحب عقل و ہوش تو ہرگز اپنے کو پرایا اور پرانے کو اپنا رات کو دن و نگو رات نہ سمجھے گا نہ کہ خدا عالم و قادر و مختار تو اب یہ بدیہی ہے یا نہیں اور خلاف اسکا محال ہے یا نہیں۔ پس جو شخص خدا کی معرفت اور دین حق کی تحقیق و جستجو کر لگا وہ ضرور دین حق اختیار کر لگا اور اگر دین حق نہیں اختیار کیا تو ضرور دوا مروں سے ایک امر ہی یا تو اسے تحقیق اور جستجو دین حق کی نہیں کی یا یہ کہ حق دوسرے ظاہر ہو گیا لیکن محض مزد و مقصد پر کمر باندھی اور اس سے جہد و انکار کرتا ہے اور کافر و منکر ہوتا ہو اور لمو و لعب کے مارے نفس امارہ کی پیروی کرتا ہو اور عبادت و اطاعت سے بھاگ کے اقوال خدا و رسول دامنہ کا بلکہ خود خدا ہی کا منکر ہوتا ہے اور طبیعت کو مانتا ہے اور نیچری بننا ہی تمام نعمتوں کو اور آیات و نشانیوں کو پس پشت بلکہ کالعدم سمجھتا ہے اور اسی جانب حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی اشارہ فرمایا ہے وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَكَرَ بآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهَا إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْقِمُونَ (۱۷) مغلطہ ظاہری آیہ وافی بدایہ یہ ہے کہ بلا اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جسکو آیات و علامات و نشانیاں اس کے خدا کی یاد دلائی گئیں تو اسکی جانب سے اعراض کیا اور منہ پھیر لیا اچھا تو اب یہ بھی خوب ٹھانے رہیں اور یقین جانیں کہ ہم بھی مجرمین سے خوب انتہام لینے والے ہیں) بہتر ہے بیان جو چاہیں کہیں ناحق کو حق کو ناحق قرار دین لیکن رذرا خرت یعنی بروز لیل الملائکۃ الیوم سب حال معلوم ہو جائے گا جس امر کو اونکا دل بھی کبھی کبھی گواہی دیتا رہتا ہے پس محال ہو کہ بعد کوشش کی تحقیق دین حق میں حق مخفی رہے۔ اسی اسکے خلاف کا بالکل عقلی و نقلی کاذب و مغفرتی امر محال ہو۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الرَّؤُوفِ وَمِنَ الْمُبْدِئِ وَإِلَيْهِ الْمآبُ ۱۲ ترجمہ۔

کہ ترک مقدمہ کی اجازت دینا اور جو چیز اس مقدمہ پر موقوف ہو اس کے ترک کی اجازت نہ دینا قبیح ہے کیا تمہاری سمجھ میں نہیں آتا اور تمہیں نہیں دیکھا کہ جو شخص اپنے غلام سے کہے کہ فلان شہر سے جو مسافت دور و دراز پر واقع ہو خود جا کر فلان شہر لا اور اس شہر کا لانا میں تجھے واجب کرتا ہوں اور تجھ کو اس شہر کے جانے میں اختیار ہو اور تو مجاز ہے نہ جانے میں تو ایسے مالک کے لوگ مذمت کرینگے اور بے عقل و سفیہ قرار دینگے آپ ہی تو کہتا ہے کہ خود تجھے وہاں سے فلان شہر کا لانا واجب کرتا ہوں اور آپ ہی تجھ کی اجازت دیتا ہے پس بیان سے ثابت ہو گیا کہ واجب مطلق کا واجب ہونا بغیر مقدمہ کے واجب ہوئے ہو ہی نہیں سکتا خیال و تصور میں آ ہی نہیں سکتا اور تحقیق مقام یہ ہے کہ وجوب مقدمہ میں کونسے معنی مراد لیتے ہو اگر واجب سے یہ مراد لیتے ہو کہ وہ فعل ایسا ہو جس کے ترک پر تارک اس کا مستحق عقاب ہو فی الجملہ خواہ اس راہ سے کہ اس نے ترک مقدمہ کیا خواہ اس راہ سے کہ ترک مقدمہ مستلزم ایک دوسرے فعل کو ترک کا ہوا پس ہم کہتے ہیں کہ البتہ ان معنوں سے مقدمہ واجب مطلق یقیناً اور قطعاً واجب ہے اور اگر وجوب مقدمہ سے یہ مراد ہے کہ خود اس کا ترک ہو جائے بالذات بلا واسطہ موجب استحقاق عذاب ہے پس قول تحقیقی یہ ہے کہ اس طرح کا وجوب مقدمہ کے لیے ثابت نہیں ہے باین معنی کہ تارک مقدمہ پر دو طرح سے عذاب و عقاب کریں ایک ترک مقدمہ پر اور ایک ترک ذی مقدمہ پر اور کیونکر ہو سکتا ہے اس لیے کہ عقل سلیم حکم کرتی ہو کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کہ مالک اپنے غلام سے مثال مذکور میں اس طرح کہے کہ اگر تو اس مقام میں نہ جائیگا تو اس نجائی کی سزا پائیگا لیکن اس راہ سے کہ وہ شے مطلوب نہ اسکے گی پس تو میرے عذاب کا مستحق ہو جائیگا۔ اب اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ یہ جو قول علماء ہے مقدمہ کے وجوب ثابت کرنے میں۔ اذ اتوقف واجب مطلق اچھے (جب واجب مطلق موقوف ہو کسی شے پر) مراد اس سے کہ جب مقدمہ واجب نہ ہوگا تو ترک اس کا جائز ہوگا کیا ہی پس اگر مراد یہ ہے کہ ترک نفس مقدمہ مستلزم عذاب کو نہیں ہو تو ہم کہیں گے یہ بات ٹھیک ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ترک نفس مقدمہ مستلزم عذاب کو نہیں ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ترک مقدمہ کسی راہ سے بھی مستلزم عذاب کو نہ ہو اس لیے ترک مقدمہ سے مکلف ضرور مضبور یقیناً مستحق عقاب ہوتا ہے لیکن نہ اس جہت سے کہ اس نے ترک مقدمہ کیا بلکہ اس راہ سے کہ وہ ترک مقدمہ مستلزم ہے ترک واجب مطلق کو اور اس قول کا اس کے فقیہان تارک المقدمہ الواجب المطلق واجب الم لا جب مقدمہ ترک کرے تو اس وقت واجب مطلق واجب رہیگا یا نہیں) ہمارے نزدیک کچھ محصل نہیں ہے اس لیے کہ یہ تو بات ایسی ہے کہ کوئی کہے کہ جب واجب مضیق ترک ہو جائے تو بعد ترک کے واجب ہو یا نہیں خلاصہ یہ کہ ترک مقدمہ از بسکہ فوت میں ترک واجب مطلق کے ہو تو مکلف مقدمہ کے ترک سے ملے واجب مضیق اس کو کہتے ہیں کہ جب اس وقت اس فعل سے زیادہ اور کم نہ ہو جسے روزہ کہ وقت اس کا ابتداء صبح صادق سے غروب آفتاب تک ہو یا حج کہ عشرہ اول ذی الحجہ ہے مثلاً پس اگر تمام دن گزر جائے تو کہیں کہ شب کو روزہ واجب ہے یا نہ یا ذی الحجہ گزر جائے اور کہیں کہ محرم و صفر میں حج واجب رہا یا نہیں اور صاف مثال اسکے یہ ہے کہ اگر کسی کو اچھو ہو اور رقمہ گلو گیر ہو اور پانی طلب کرے اور نوکر اس وقت تو پانی نہ لائے اور بعد رقمہ فرو ہو جائے گھنٹہ بھر کے سکے کہ اب بھی رقمہ اوتارنے کے لیے پانی کے ضرورت ہے یا نہیں تو یہ دریافت کرنا اس کا محض بیکار و عبث و بے معنی ہے اسی طرح حاصل ہو اس مقال کا کہ واجب مضیق بعد ترک کے واجب رہا یا نہیں اور مثال اسکے یہ کہ بعد ترک مقدمہ واجب مطلق زمانہ ترک میں واجب ہو یا نہیں ۱۲ م

مستحق عقاب تو ضرور ہوا لیکن حکم کرنا اور یقین کرنا اس بات کا کہ اوپر دوسرے عذاب کیا جائیگا ایک ترک مقدمہ پر دوسرے ترک واجب پر پس یہ بہت دشوار ہے۔ اور اب اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ وجوب معرفت کا اس دلیل سے جو ثابت ہوا وہ اسی طرح حکم ہے کہ تارک اسکا فی الجملہ مستحق عذاب ضرور ہوگا عام اس امر سے کہ یہ استحقاق عقاب ترک معرفت سے حاصل ہوا یا اس راہ سے کہ ترک معرفت مستلزم ہے ترک شکر کو۔ اب ہم ایک اور دلیل نہایت مستحکم اور مختصر بیان کرتے ہیں لیکن یہ موقوف ہے متنبہ ایک مقدمہ کے بیان پر اور وہ مقدمہ یہ ہے کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ معرفت سے مراد یہ ہے کہ ادغان و اعتقاد کرے اور دل سے قبول کرے کہ واجب ہو چکا ہو اور وہ خالق عالم ہے اسی طرح اوسکی تمام صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کا اعتقاد و اذعان کرے۔ اور اپنی حکیم پر ثابت ہو چکا ہے اور علماء محققین کا بھی یہی قول ہے کہ اذعان کیفیات نفسانہ سے ہے بندہ کے فعل کو اس میں سوا اسباب ہتیا کر نیکی کوئی مداخلت نہیں ہے بلکہ بنا بر معرفت کے نظری، نیکی بھی یا بطریق افاضہ و عطا ہے مبدار فیاض سے بعد کمال استعداد کے جو نظر کے سبب حاصل ہوئی یا بطور امر عادی کے ہے کہ حق تعالیٰ ہی عادت و طریقہ جاری فرمایا ہے کہ بعد نظر و فکر نفس میں اس اعتقاد کو پیدا فرمادیتا ہے یا بطریق تولد ہے کہ اوّل میں اسباب سے یہ سبب پیدا اور حاصل ہو جاتا ہے اور یہی تینوں قول سابق میں بیان بھی ہو چکے۔ پس بنا بر اس کے معرفت کا واجب ہونا بندہ مکلف پر اور اسکا تصور سوا اس کے کچھ اور نہیں ہو سکتا کہ کہا جائے مقدمات معرفت اور نظرواں ہیں (یعنی معرفت واجب ہے یا یعنی کہ اس کے مقدمات کا ترتیب بنا اور نظر و فکر کرنا واجب ہے جس سے معرفت کا اذعان و اعتقاد جو نتیجہ مقدمات سے حاصل ہو جائے) اور یہی ترتیب مقدمات ایسے خیر ہے جو بندہ مکلف کے اختیار میں ہے (پس ایسے اختیاری فعل سے اس کے وجوب متعلق ہوگا) اور میں جب یہ مقام لکھ چکا تو شرح تحریر میں بھی رہنے اپنے کہنے کے موافق پایا اور وہ یہ ہے کہ معرفت فی نفسہ غیر مقدور ہے ہماری قدرت سے بہت دیر ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ اوس سے ابتداء اور بلا واسطہ ہماری قدرت متعلق ہو بلکہ وہ معرفت مقدور میں اس نسبت ہو کہ ہم اس کے سبب پیدا کریں جو مستلزم اس معرفت کو ہوں پس معرفت کا واجب ہونا کیا ہے کہ اس کے سبب کا واجب ہونا ہے جو ہمارے اختیار میں ہے اور وہ نظر و استدلال ہے۔ اور اسکو اس طرح مثال مثال میں سمجھیے۔ مثلاً کسی شخص کو آپ حکم کریں کہ فلاں شخص کو قتل کر اور اسکو مار ڈال اور یہ ظاہر ہے کہ قتل کیا ہے روح کا بدن سے خارج کر دینا پس یہ تو بالذات اوس امور کی قدرت و اختیار میں نہیں ہے کہ روح کو بدن سے خارج کر دے پس ایسی صورت میں وہ شخص مامور ہوگا فقط او نہیں افعال کا جو اس کے اختیار میں ہیں اور وہی اوپر واجب ہون گے اور وہ اسباب ہیں جو موجب و باعث و سبب ہیں خروج روح کے مثل ضرب شمشیر وغیرہ کے کیونکہ تکلیف دینا اور حکم کرنا ایسی چیز کا جو مقدور و اختیار میں نہیں ہے۔ یہاں تک صاحب شرح تحریر کا قول تھا۔ اب بعد اس مقدمہ کے معلوم ہونیکے سنئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس میں کسی طرح کا شبہ و شک نہیں ہے کہ انسان کی جب عقل کامل ہو جائے اور تمام نعمتوں ظاہری باطنی داخلی خارجی سے اپنے نفس کو بھر اڑے تو یقیناً وطن کو جانے دیجئے کم سے کم یہ تو ضرور ہے کہ اس کے دل میں شک پیدا ہو کہ یہ نعمتیں جس کی طرف سے ہیں اور جس نے انہیں پیدا کیا ہے شاید وہ خواہشمند ہے شکر کا ہو اور اپنی ان نعمتوں کے عوض کچھ دے جسے بھی چاہتا ہو پس اگر اس خیال آنیکے بعد بھی اس کی تحقیق میں غور و فکر و نظر نہ کی تو اس میں کوئی شک نہیں ہو

نہ خود اوس کے نزدیک نہ کسی عاقل کو کہ اگر اوس شخص پر اوس کا منعم و خالق عقاب و عتاب کرے اور اوس کی مذمت کرے تو برائی نہیں بلکہ مستحسن ہے پس اس عقاب و عتاب کا حسن اور اچھا ہونا ہو ہی نہیں سکتا بغیر وجوب معرفت کے۔ اور بیان یہ بھی نہیں ہے کہ خوبی و حسن کا اسکے ادراک کرنا موقوف علم پر وجود منعم کے ہو کہ جب منعم کا وجود معلوم تیسق ہو جائے اوس وقت اس کی نیکی و بدی معلوم ہو بلکہ محض یہ احتمال کہ شاید اس کا کوئی منعم ہو یہی احتمال ترک معرفت پر حسن عقاب و عتاب کے لئے منعم کی طرف سے کافی ہے کہ ایسی صورت میں منعم اوس منعم علیہ پر (جس کو نعمتیں دیں ہیں) عتاب و عقاب کر سکتا ہے کہ ہمنے باوجودیکہ تجھے قدرت و اختیار دیا معرفت کے حاصل کرنے پر اب پھر بھی تو نے اوس کو ترک کیا اور یا مرہا ہو کہ صاحبان عقل سلیم و طبع مستقیم پر مخفی نہیں ہے۔ اور اب دوسری طرح سے پھر ہم بیان کرتے ہیں ترک نظر کرنا باوجود اس احتمال وجود منعم کے مستلزم ہے خوف کو اور خوف کا دفع کرنا نفس سے باوجود قدرت کے واجب ہے اور وہ دفع خوف نظر سے ہوتا ہے تو اب نظر و استدلال واجب ہو ہی اور یہی مراد ہے وجوب معرفت سے (تو اب لیلون سے وجوب معرفت عقلاً ثابت ہو گیا جو مطلوب تھا) اب رہا یہ امر کہ وجوب معرفت کا دلیل معنی و شرعی پر موقوف نہیں اوس سے سنیے۔ اگر ایسا ہوتا کہ وجوب معرفت سمع اور شرع پر موقوف ہوتا تو انبیاء کے حجت نامہ ہو جاتی اور اس کا کلام رد اور زبان بند ہو جاتی۔ اسلئے کہ جب نبی کسی مکلف کے پاس تشریف لاتے اور امر اپنے اتباع و تصدیق کا فرماتے تو مکلف پر یہ واجب ہی نہ ہوتا تا وقتیکہ اوس کو علم اوس نبی کے صدق کا نہ ہوتا اسلئے کہ محض دعویٰ کر نیسے کہ ہم صادق ہیں یا نبی ہیں اور اس کا صدق ثابت نہیں سکتا بلکہ کتنا معجزہ بھی اوس ہاتھ سے ظاہر ہونا یہ بھی اوس کی تصدیق نہیں کرتا جب تک کہ اسکے ساتھ اور مقدمات نہ ملائے جائیں اور مقدمات میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معجزہ خدا کے جانب سے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ فعل خدا کا اوس نبی کی تصدیق کی غرض سے ہے یعنی یہ نبی اپنے قول و فعل پر سچا ہے تیسرے یہ کہ جسکی خدا تصدیق کرے وہ صادق ہے۔ تو اب صدق رسول جب ان مقدمات نظر یہ پر موقوف ہوا جو متعلق معرفت ہیں کہ پہلے خدا کے موجود ہونے کو جانے اور یہ بھی سمجھے کہ وہ رسولوں کو بھیجتا ہے اور معجزہ دن سے اونکی تائید کرتا ہے اور کاذبین کی تصدیق نہیں کرتا۔ تو وہ بھی بدی نہ ہوگا بلکہ صدق رسول بھی نظری ہوگا تو اس وقت میں مکلف کہہ سکتا ہے کہ تمہاری صدق کی معرفت نظر پر موقوف ہے اور میں نظر و استدلال نہ کروں گا جب تک میرے اوپر عام طور سے نظر واجب نہ ہو یا خاص معرفت ہی میں واجب ہو اور مجھے اوس کے وجوب سے آگاہی بھی ہو جائے اور خبر معرفت اوس کے وجوب کی ہو سے تو مگر آپ کے کلام سے اور آپ کا قول حجت نہیں ہے جب تک آپ کا صدق ثابت نہ ہو پس اس کا جواب نبی کے پاس کچھ نہیں ہے اور وہ اس کا جواب نہیں دے سکتا تو اب حجت اوسکی منقطع ہوئی اور بعثت کا فائدہ گیا اگر اوس کے قول کی پابندی گئی

بقیہ حاشیہ ص ۵۲۔ خان خاصے کے اور ہر وقت خدا کا خدمت کے لئے معین ہوں اور آپ کی خاطر داری میں مشغول رہے اور تمام حوائج ضروری آپ کے مہیا کرتا رہے تو کیا آپ باوجود عقل تیز و ہوش و حواس کبھی بھی اس کا خیال نہ لائینگے کہ یہ کون شخص ہو اور کیوں ایسا کرتا ہے بلکہ مقتضائے عقل و حیا تو یہ ہے کہ پہلے ہی روز آپ دریافت فرمائیے کہ یہ ملازم کون ہیں اور کھانا کہاں سے آیا ہے اور کیوں بھیجا ہے نہ یہ کہ تمام عمر وہاں چین و آرام و مفت خوری کیجئے۔ اوس کا کوئی امر آپ سے متعلق بھی تھا مگر چشم پوشی کر کے کبھی آپ نے دریافت ہی نہ کیا تو فرمائیے عقلاً کیا کہیں گے وہ عقل و حیا کیا اسی کی مقتضی ہے۔ کہ یہ مشورہ دیا جائے۔ عاقبت کی خبر خدا جانے۔ بیان تو آرام سے گزرتی ہے۔ ۱۲ مترجم۔

اور متابعت اور کی لازم ہو ہی اور مخالفت کی حجت تمام اور معذور قرار پائے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وجوب معرفت
سمی ہو تو دور لازم آتا ہے اس لیے کہ معرفت وجوب و ایجاب کی موقوف ہے معرفت موجب (واجب کرنے والا)
پر پس اگر معرفت موجب ایجاب پر موقوف ہو ہی تو دور لازم آیا اور یہ قطعاً اور یقیناً باطل ہو۔ بعض نے پہلی
دلیل کا یہ جواب دیا کہ نظر واجب اور سپر نفس الامر اور واقع میں اور یہ اس امر پر موقوف نہیں ہے کہ اوسکو وجوب
علم بھی ہو جائے اور اوسکے وجوب کا اعتقاد بھی رکھے۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ کفار مکلف ہیں ایمان لانے پر جس کے
نزدیک اجماعاً باوجودیکہ اوسکے وجوب سے اونکو غفلت ہے اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیا ہے کہ شی کا واجب ہونا
موقوف ہو اوسکے واجب کہنے پر نفس الامر میں اسکی ضرورت نہیں ہو کہ جب ہمکو علم ایجاب (واجب کرنا) کا ہو اور نسبت
وہ شے واجب ہو اب رہا یہاں اعتراض کہ پھر غافل پر کیوں کوئی تکلیف نہیں ہو اور کیوں اوسپر کوئی شے واجب حرام نہیں
ہے اوسکا جواب یہ ہو کہ مراد غافل بیان وہ شخص ہو کہ جو فہم خطاب نہ کرتا ہو تو گویا بات بھی نہ سمجھ سکتا ہو۔ یا یوں کہو
کہ اوس سے یہ بھی نہ کہیں کہ تو مکلف ہو۔ (اب سنئے دونوں جوابوں کے جواب) ان دونوں کا دفع کرنا اور زائل کرنا
اس طرح ہو سکتا ہے کہ انسان کو جو عقاب ہوتا ہے کسی فعل واجب کے ترک پر یا کسی حرام کے فعل پر باوجود عدم
علم کے اوسکے وجوب و حرمت سے وہ اوسوقت ہوتا ہے کہ جب وہ شخص عارف ہو خواہ عقل سے یا نقلی دلیل سے
اس امر کا کہ اوس شے کا علم حاصل کرنا اوسے واجب ہے پس کافر عاقب ہوتا ہے عدم قبول ایمان پر بلکہ ترک پر
تمام واجبات کے اور ارتکاب پر تمام افعال محرمہ کے جیسا کہ یہی مذہب حق ہے باوجودیکہ علم ان امور کے وجوب کا
نہیں ہے اور اسی طرح حال ہے جاہل مسئلہ کا پھر یہ کیوں عقاب ہوتا ہے اس لیے کہ عالم ہی حجت عقل سے وجوب
نظر کا ان امور میں اور کشف حقیقت حال کا اور تحصیل علم کا اور اوسکو عقاب کر سکتے ہیں اور اعتراض اوسپر
متوجہ کر سکتے ہیں کہ باوجودیکہ تجھے علم تھا وجوب نظر کا اور شخص کرنا حقیقت حال واجب تھا پھر کیوں تو نے
نظر و فکر نہ کی کہ علم ان امور کے وجوب کا جو تجھ پر واجب ہے حاصل ہوتا۔ اور اگر ایسا نہ ہو کہ وجوب تحصیل علم کا
حجت عقل و نقل سے عارف ہو تو اوسپر عقاب کرنا ترک فعل واجب سے یا ارتکاب امر حرام سے باوجود عدم
علم وجوب یا حرمت کے قبیح ہے جیسے تکلیف غافل کی جو قابل فہم خطاب نہ ہو قبیح ہے۔

کیا یہ سمجھنے کی بات نہیں ہے کہ مثلاً اگر کسی کا غلام ایک مقام میں ہو اور اوسکا آقا اور مالک اوس سے بہت
دور دور کٹر شہر میں ہو اور کوئی غیر شخص اوس غلام کے پاس آئے اور کہے کہ تمہارے مالک نے ایک ہزار دینار
مجھے دلائے ہیں اوسنے تمکو حکم دیا ہے کہ مجھے دو۔ اور واقع میں بھی ایسا ہی ہو کہ اوسنے دلائے ہوں لیکن
غلام کے نزدیک اوسکا دلانا ثابت نہ تھا اس سبب سے اوس شخص فرستادہ کو اسنے نہ دیا دوسرے یہ کہ
جس طرح کا خیال اوسکی سچائی کا تھا ویسا ہی خیال اوسکے جھوٹے ہونیکا بھی تھا۔ اب اس صورت میں اگر مالک
غلام کو سزا دیکھا تو کوئی عاقل اوسکو اچھا نہ کہے گا اور غلام بھی یہ کہہ سکتا ہو کہ کیوں مجکو سزا دیتا ہے اس میں میرا
قصور کیا ہے میں اس تیرے حکم سے ناواقف تھا ہرگز مجکو اسکا علم نہیں ہوا۔ اب اگر مالک کہے کہ کیوں تو نے
سے دونوں جوابوں کا ایک ہی سلسلہ میں اس لیے جواب دیا گیا۔ ظاہر میں دو ہیں لیکن رجوع ایک ہی کی طرف ہو کیونکہ
امراول میں فقط خاص ایمان کا وجوب کفار کے لیے کیا ہے اور دوسرے میں عام ذکر کیا ہے اور یہ جواب متعلق عام سے
ہو پس خاص کا بھی جواب ہو جائیگا کیونکہ امتغای عام مستلزم امتغای خاص کو ہے ہر امر حسبہم۔

کوشش و تحقیق کی جسکے سبب تجھے علم حاصل ہوتا اور اسکا صدق و کذب جانتا اور اسکے دینے کا وجوب پہچانتا۔ اسکے جواب میں غلام کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی غلام کو معلوم تھا کہ آپ نے تحسین و تخلص و تحقیق کرنا واجب کیا اور جس طرح یہ احتمال ہو کہ آپ نے تحقیق کرنا واجب کیا ہو اسی طرح یہ بھی خیال میرے لیے برابر ہے کہ شاید تخلص و تحقیق کرنا حرام فرمایا ہو۔ اور عقل کا کہنا اور حکم دینا نہ آپ ہی کے نزدیک معتبر ہے نہ میرے ہی اور پر اسکا کچھ اثر ہے جب اس طرح کا جواب لا جواب دندان شکن غلام سے مالک یا یوگیا کا تضرع و وہ دناک ہو جائیگا اور نا طقہ بند پائیگا غلام کی حجت تمام مالک پر الزام بلا کلام و للہ الحجة البالغة علی الناس و خدا ہی کی حجت سب لوگوں پر عام اور تمام ہے اسکے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ اگر وجوب نفس الامری اور اور کسی شے کے حکم وجوب یا حرمت کا پہنچ جانا عذاب و عقاب کرنے میں اور منرا دینے میں کافی ہوتا تو علمائے اربعہ مالک و ابو حنیفہ و شافعی و حنبل وغیرہ وغیرہ یہ استحقاق عذاب کے قول کا الزام لازم آتا کیونکہ انہیں کس درجہ اختلاف کے کثرت ہے اور ہر ایک کو انہیں دوسرے کے فتوے پر واقفیت ہو کہ مثلاً اسکی رائے وجوب کے خلاف اسکے رائے حرمت ہے اسلیے کہ انہیں سے کسی نہ کسی کا قول ضرور خارج و نفس الامر مطابق ہے اور دوسرے کا فتویٰ اسکے خلاف میں غیر موافق ہے لیکن یہ تو شرع صاحب نزدیک بہت دور ہے اپنی خطا قول سے اوپر الزام لگانا کب منظور ہے۔ خیر علی سبیل التزلزل اب ہم کہتے ہیں کہ انتہائے مرتبہ یہ ہے کہ آپ کی کد کاوش سے یہ ثابت ہو گیا ہو سکتا ہے اور جائز ہے کہ معرفت کا وجوب اولہ سمعی سے حاصل کریں اس سے یہ کب لازم ہے کہ عقل سے معرفت کا وجوب حاصل کر نیکو باطل کریں اگر سمعی دلیل سے بھی ثابت ہوتا ہے تو عقل سے ثبوت کا بطلان کمان ہوتا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ معرفت کا وجوب ہونا اولہ سمعی پر موقوف نہیں ہے اور یہی ہمارا مقصود و مطلوب ہے۔

اب سنیے اس دلیل عقلی پر بعض نے یہ اعتراض کیا کہ اس سے بھی اسکا توافیام ابنیہ لازم آتا ہے خواہ دلیل عقلی سے وجوب نظر ثابت کیجیے خواہ دلیل سمعی یہ الزام و اعتراض مشترک ہے پس جو جواب ہمارا اس الزام کے برطرف کرنے میں ہو گا وہی بعینہ جواب ہمارا ہو جائیگا اور وہ اعتراض یہاں اس طرح کرینگے۔ کہ اگر وجوب نظر عقل سے ثابت کریں تو یہ وجوب بدیہی تو ہو نہیں بلکہ نظری ہے اور اسپر استدلال کی ضرورت ہے اور محتاج ہے کہ مقدمات دقیقہ اور ہر ایک سے ثابت کیا جائے کہ معرفت واجب ہے اور یہ معرفت بغیر نظر حاصل نہیں ہو سکتی اور نظر پر موقوف ہے۔ اور جو شے واجب کا مقدمہ ہو اور واجب اوپر موقوف ہو تو وہ شے بھی واجب ہوتی ہو پس نظر واجب ہوگی اسکے جواب میں مکلف کہہ سکتا ہے کہ ہر کو کوئی ضرورت نظر کر نیکی نہیں ہے جب تک نظر واجب نہ ہو اور واجب ہونا اسکا معلوم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں نظر نہ کی جائے تو اب ہر ایک اس وجود وجوب نظر سے اس میں ایک دوسرے پر موقوف ہوگا کہ نظر جب کیجائیگی کہ جب وجوب نظر معلوم ہو اور جب نظر اسوقت معلوم ہوگا جب نظر کیجائے۔ اب اسکا جواب سنیے کہ یہ اعتراض وجوب عقلی پر لازم نہیں آتا جیسا وجوب سمعی پر لازم آتا تھا اسلیے کہ ہم ان مقدمات سے قطع نظر کر گئے کہتے ہیں کہ یہ تو ہر کو باطلہ است معلوم ہے اور بدیہی بات ہو کہ نظر کے سبب سے جو خوف نفس میں پیدا ہوا ہو زائل ہو جائے پس اگر معرفت کا وجوب عقلی نہ محض سمعی ہو تو اسکا توافیام حجت جہلان نامعقول لازم و مختم ہو۔

اور انہیں سمی دلیوں میں سے یہ ہے جو عیون و علل میں حضرت امام رضا کے کلام میں ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اقرار اور معرفت اس بات کی کہ خدا تعالیٰ واحد واحد ہو ہم پر کیوں واجب ہو تو اس کے جواب میں کہا جائیگا کہ اس کے جواب کی کئی علتیں اور کئی وجہیں ہیں۔ ایک اونہیں سے یہ ہے کہ اگر یہ اقرار و معرفت اونپر واجب نہ ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ تو ہم کریں کہ دو یا زیادہ مدبر و خالق عالم ہیں۔ اور اونہیں سے یہ ہے کہ اگر اونپر یہ واجب نہ ہو تا کہ ہچا میں اور معرفت حاصل کریں اس بات کے کہ اس کا کوئی مثل نہیں ہے تو ہو سکتا تھا کہ وہ مخلوقات کے احکام اور سپر جاری کرتے۔ اور انہیں وجہوں سے وہ ہے جو صحیفہ الرضا علیہ السلام میں منقول ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ مَا افترض اللہ علی عبادہ و اوجب علی خلقہ معرفۃ الوحدا انبیۃ سے پہلے جو خدا نے اپنے بندوں پر فرض و واجب فرمایا وہ معرفت خدا کی وحدانیت کی ہے۔ اور بعض خطبوں میں حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا اَوَّلَ عِبَادَةِ اللہ معرفۃ (سب عبادتوں سے مقدم معرفت خدا ہے) اور بعض خطبوں میں جناب امیر المومنین نے ارشاد فرمایا۔ اول الدین معرفۃ (پہلا سرا دین کا اور مقدم سب سے دین میں معرفت خدا ہے) اور ایک دوسرے خطبے میں ارشاد کیا اول عبادۃ اللہ معرفۃ (عبادتوں میں سب سے مقدم خدا کی معرفت ہے) اور اس کے مثل بہت سی روایات و احادیث وارد ہیں۔ اور یہ بھی ہم کہتے ہیں کہ اذعان و اعتقاد یعنی رکھنا اون باتوں پر جس کی خبر خداوند عالم و جناب رسالتاں اور ائمہ ہدایہ نے دی ہے بالبداہت واجب و لازم ہے اور جو دباری تعالیٰ اور اس کی صفات ثبوتیہ اور صفات سلبیہ کی خبریں خود پروردگار و رسول مختار و ائمہ اطہار نے بیان کی ہیں تو اب اذعان و اعتقاد اس کا واجب ہوا اور یہی تو وجوب معرفت ہے سمعاً اور جو لوگ قائل ہیں کہ معرفت وجوب فقط سمعاً ثابت ہے ان کے لیے دو طریقے ہیں۔ پہلے ظواہر آیات قرآنیہ اور بعض احادیث ثبوتیہ ہیں اونہیں سے ایک یہ ہے۔ کہ جب قرآن مجید و فرقان حمید میں یہ آیہ وافی ہدایہ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَ النَّہَارِ لَا یَاتِیْ اِلَّا بِالْبَیِّنٰتِ (اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت میں اور رات دن کے اختلاف میں ضرور ضرور بہت سی آئین اور نشانیاں ہیں خدا کی معرفت کی خالص عقل رکھنے والوں کی لیے) نازل ہوا تو جناب رسالتاں علیہم السلام نے ارشاد فرمایا و یٰٰلَیْہِ لَیْلٌ لَا کُھَابِیْنَ لِحِیَّتِیْہِ وَلَھِیْ لِفِکْرِہِیْہَا (و اسی ہو اوس شخص پر جو اس آیت کو اپنے جگر سے سین چھپائے اور اس میں فکر نہ کرے۔

دوسری دلیل اون لوگوں کی جو معرفت خدا کا وجوب سمعی کہتے ہیں یہ ہے اور یہی دلیل اون کے نزدیک بہت عمدہ اور عمدہ بھی ہے جیسا کہ شائع تجرید نے اس کی تصریح کی ہے وہ یہ ہے کہ معرفت خدا کی سب مسلمانوں کے نزدیک واجب ہے اور سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق و اجماع ہے۔

اب اس کا جواب باصواب سنئے۔ معرفت اور معرفت میں نظر و فکر کا شرعاً واجب ہونا یہ اس کی عقل و حاجت نیکی منافی نہیں ہے اس میں کیا منافات اور کیا قباحت ہے کہ عقلاً بھی واجب اور شرع میں بھی اس کی وجوب کا بیان ہو بلکہ نقل و عقل تو آپس میں ایک دوسرے سے قوت پاتے ہی رہتے ہیں۔ اور وہ اطمینان نفس کو عقل و نقل کے تقاضہ (قوت دینا) و موافقت سے حاصل ہوتا ہے وہ ہر ایک سے تنہا تنہا حاصل نہیں ہوتا۔ اور کیا عجب ہے کہ یہی باعث ہو کہ جن چیزوں کا ادراک عقل مستقلاً کر سکتی تھی وہ بھی شریعت میں وارد ہوئی ہیں جیسے معرفت لہ یعنی اس آیت پر عمل نہ کرے اور محض الفاظ غیر موضوعہ و مہملہ اس کو سمجھے اور اس کے معنوں کا لحاظ نہ کرے کیونکہ اگر اس کے معنوں پر عمل کر گیا تو ضرور ایسا نذر ہو جائیگا پس جسے باوجود تنبیہ و تنبیہ کے فکر و نظر کی اور اس بات کو چھپا ڈالا وہ ضرور مستحق عذاب ہوگا ۱۲۔

عدالت۔ صدق نافع کا واجب ہونا اور ظلم۔ کذب ضار (جوٹ ضرر دینے والا) بغیر حق قتل نفس۔ کا حرام ہونا۔
اب ہے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ معرفت واجب ہی نہیں ہے پس مستسک اور دلیلوں میں ان کے کئی امر بیان کیے گئے ہیں
پہلا امر یہ ہے کہ نظروا ست۔ لال کرنا معرفت خدا میں حرام و بدعت ہے اس لیے کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدایہ اور اصحاب
با وفا کا وہ چیزوں کی نظر و استدلال میں مشغول ہونا جنگا ذکر ہو رہا ہے منقول نہیں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو تفسیر عدم
نقل کا ذکر کیا وہ غیر مسلم ہے بلکہ متواتر منقول ہوا ہے کہ وہ حضرات برابر بحث کرتے رہتے تھے اصول دین میں توحید وغیرہ
کی دلیلوں سے۔ اور قرآن مجید و فرقان حمید اور احادیث کی کتاب میں خصوصاً احتجاجات کی کتاب میں مملو اور بھری پڑی ہیں انہیں
دلیلوں سے اور یہ جو کچھ علم کلام کی کتابوں میں بیان ہے یہ بمنزلہ ایک قطرہ کے ہے دریا سے ذخار سے جو بیان ہوئی ہیں
خدا کے کلام اور احادیث رسالت و ائمہ اطہار علیہم السلام میں دوسرا امر یہ ہے کہ بہت سے حدیثوں میں مانفت وہی
بالکل علم کلام کی وار و مہوی ہے اور بعض میں بالخصوص نظر و فکر کی اور خدا کے باری میں کلام کی مانفت واقع ہوئی ہے اور
بعض میں جدل و مباحثہ کی بالکل مانفت ہے۔ اور تین سے وہ روایت ہے جو کافی میں ابوبصیر سے منقول ہے ابوبصیر کہتے
ہیں کہ فرمایا ابو جعفر امام محمد باقر علیہما السلام نے کہ مخلوقات و مصنوعات خدا میں کلام کرو اور خدا میں گفتگو اور کلام
نکرو کیونکہ خدا کے باری میں جو کلام بڑھاتا جائیگا اور سکا تحیر اور زیادہ ہوتا جائیگا۔ اور حریری کی روایت میں ہے۔
تکلموا فی کل شیء ولا تکلموا فی ذات اللہ (ہر چیز میں گفتگو اور کلام کر سکتے ہو اور کلام کرو لیکن ذات خدا
میں جاے دم زدن نہیں ہے ذات خدا میں میل و قال و کلام حیرت انجام سے باز رہو) اور اسی کتاب
کافی میں سلیمان ابن خالد سے روایت ہے سلیمان بن خالد کہتے ہیں کہ فرمایا حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق
علیہ السلام نے کہ پروردگار عالم ارشاد فرماتا ہے وان الی ربک المنتہی (بہت درست تحقیقی یہ کلام ہے کہ تمھارے
خدا کی طرف ہر شے کی انتہا اور اختتام ہے) پس جب خدا تک کلام اور گفتگو کی انتہی ہو تو زبان روکو اور سکوت کرو۔
اور یہ بھی اسی کتاب میں ابو عبیدہ خدا سے روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام
نے ارشاد فرمایا کہ اے زیاد لڑائی جھگڑو نہ بھاگتے رہو اور قصہ کمبٹرا اپنے سر مول نہ لو کیونکہ اوس سے شبہ و
شک پیدا ہوتا ہے کیا دھرم سب مٹا ہے نیکی برباد گنہ لازم آتا ہے۔ اور کہی بے دھڑک ایسی بات منہ سے
نکل جاتی ہے۔ جو بخشش و معفرت میں دشواری لاتی ہے۔ اور یہ طولانی روایت ہے ہکواس مجتہد میں مسطور
کی ضرورت ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بالکل علم کلام کی مانفت ہے تو اوس کے باری میں بھی یہی روایت ہے کہ جس کے
بعض فقر و غن میں اس کی طرف اشارت ہے اور اوس کا عنقریب بیان آئیگا۔ اور وہاں یہ اس کا جواب دیا جائیگا۔
اب اس شبہ کا جواب سنئے۔ یہ وہ شبہ ہے کہ اس میں بہت ایسے لوگ پڑے ہیں جن کو تحقیق کے راستے نہیں ملے
ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ وہ کلام جس کی مانفت ہے۔ وہ غیر ہے اوس کے جس کا وجوب ہمنے ثابت کیا ہے اس لیے
کہ جس کا وجوب ہمنے ثابت کیا وہ نظر و معرفت ہے۔ اور نظر وہی فکر ہے۔ جس کی خدا نے روح کی اور قرآن میں جس کا بخوبی
ذکر ہے۔ ویتفکرون فی خلق السموات والارض ربنا ما خلقت هذا باطلا (فکر و غور کرتے ہیں
خلقت و صنعت میں آسمانوں اور زمین کی اور کہتے ہیں کہ خداوند انہیں پیدا کیا تو نے انہیں عبث اور باطل)
اور وہی امر ہے کہ ہمنے دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے پہلے وجوب معرفت و نظر کو ثابت کیا اور عقل و نقل دونوں سے
اوس کا وجوب بتایا پس اب ضرور ہوا کہ اس مانفت کا کوئی محمل صحیح نکالیں۔ اور اوس سے مراد کنہ ذات حقیقت

خالق کائنات میں نظر کی ممانعت لین۔ نہ یہ کہ صفات ثبوتیہ اور سلبیہ میں نظر کو منع کریں۔ اور یہ بھی ہے کہ نظر جہل سے
جہل ہے جہل نظر کے سوا ہے۔ اس لیے کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ نظر وہی فکر ہے۔ اور جہل وہی مباحثہ کرنا ہو غیر کے الزام دینے
کو۔ اور اگر اسکو تسلیم کر لیا جائے کہ نظر و استدلال جہل کی قسموں سے ہو تو پھر ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ جہل بالکل ممنوع ہے
اور کیونکر ممنوع ہو سکتا ہے اس لیے کہ آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے برابر اصول دین و فروع دین میں حق
پر جہل فرمایا اور اپنے مقاصد و مطالب کو بخوبی انجام کو پہنچایا ہے۔ اور یہ جو ممانعت فرمائی یہ اون بیجا پروں کے لیے ہو
جو علم میں کم قوت و ضعیف ہیں بیان دین میں عقلیں اونکی قاصر و خفیف ہیں نہ وہ لوگ جو علم و فضل میں کامل ہیں صاحب فہم
و عاقل ہیں احتجاج میں مخالفین پر غالب آتے ہیں اونکی دلیلین اور حجتین اونٹھاتے ہیں۔ پس ایسے لوگ تو آئمہ معصومین
علیہم السلام کی جانب سے مامور تھے۔ دشمنوں اور مخالفین سے مقابست اور مقابلے اونکے دستور تھے۔ اور ان باتوں
بوظاہر کرتا ہے اور کھولتا ہے وہ قول حق تعالیٰ ہو جو اپنے نبی کی طرف خطاب کر کے فرمایا ہے و جادلہم بالحق ہی احسن
مجادلہ کرو (ای نبی محبوب) اونسے ساتھ اوس مجادلہ کر جو اس میں اور خوب مرغوب) اور یہ بھی قول حق تعالیٰ ہے ولا تجادلوا
اہل الکتاب الا بالحق ہی احسن (اور نہ مجادلہ کرو) (ایم کروہ مرد و زن) اہل کتاب سے مگر ایسا مجادلہ جو بہتر ہو اور احسن
اور قول جناب رسالت مآب ہے لحن المجادلون فی دین اللہ علی لسان سبعین بنیاد ہم میں دین خدا میں مجادلہ
کرنے والے اور ستر فیوں کی زبان پر یہ جاری ہوا ہے) یعنی بکثرت انبیاء کو حق تعالیٰ نے خبر دی اور راہ خدا میں
ہمارے مناظرہ و مجادلہ کرنیکی بشارت اونکی زبان پر جاری ہوئی) اور کتاب احتجاج میں لکھا ہے کہ فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن
عسکری علیہما السلام نے کہ ایک روز کسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے دین خدا میں جہل و مناظرہ کا ذکر
کیا اور یہ بھی ذکر کیا کہ جناب رسول خدا نے جہل کی ممانعت فرمائی ہے یہ سنے جناب امام جعفر صادق نے فرمایا کہ
او حضرت بالکل و مطلق کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اوس جہل کی ممانعت فرمائی جو غیر حق ہو اور بہتر ہو کیا تم لوگوں نے یہ قول حق تعالیٰ
نہیں سنا ولا تجادلوا اہل الکتاب الا بالحق ہی احسن (اہل کتاب سے مجادلہ کرو مگر وہ مجادلہ جو بطریق احسن ہو) اور
یہ بھی قول حق تعالیٰ ہے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ و جادلہم بالحق ہی احسن الحدیث
یعنی ای رسول ہمارے بلاؤ لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ پر ساتھ علم و حکمت و موعظہ حسنہ با رغبت کے اور مجادلہ
کرو اونسے اوس طریقے جو احسن و بہتر ہے) آخر حدیث تک یہ روایت طولانی ہے کتاب احتجاج میں مذکور ہے۔ اور معصوم
نے اس حدیث میں جہل کی دو قسمیں بیان فرمائیں ہیں ایک احسن اور دوسرے غیر احسن۔ مجادلہ احسن پر ترغیب و تحریص
فرمائی اور غیر احسن سے ممانعت کی اور اسی حدیث میں ہے کہ فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہما السلام نے کہ
اوس وقت ایک شخص نے ٹھٹھے ہو کر خدمت امام جعفر صادق علیہ السلام میں عرض کیا کہ یا رب رسول اللہ کیا جناب
رسالت مآب نے بھی مجادلہ فرمایا ہے یہ سنے حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اگر جناب رسول خدا کی طرف کسی بات کا
گمان کرنا تو ہرگز ہرگز یہ گمان نہ کرنا کہ اون حضرت نے کسی خلاف حکم خدا کیا ہوگا۔ کیا پروردگار عالم نے اونسے خطاب کر کے
یہ نہیں فرمایا و جادلہم بالحق ہی احسن (ای ہمارے رسول مجادلہ کرو اون لوگوں سے اوس طریقہ سے جو احسن ہو)
اور اون حضرت کو حکم فرمایا قل یحییٰہا الذی افشاءہا اول مرۃ (کو زندہ کر گیا اوسکو وہ جسے او سے پہلے پہل پیدا
اور انشا کیا) تو اب تیرا کیا یہ گمان ہے کہ جناب رسول خدا نے حکم خدا کی مخالفت کی جس مجادلہ کا اونکو حکم تھا وہ مجادلہ نہیں کیا
۱۲۔ اگرچہ مجازاً ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوا ہے ۱۲۔

اور جس بات کی خبر دینے کا اونکو حکم تھا وہ خبر مین دی۔ اب دل سے سن اور اعتقاد کر کہ مجھے میرے پدر بزرگوار حضرت امام محمد باقرؑ نے بیان فرمایا اور اونے میرے جد عالیہ قارب حضرت علی ابن الحسین امام زین العابدینؑ نے اور اونے اپنے پدر نامدا حسین بن علیؑ جناب سید الشہداءؑ نے اور اونے حضرت امیر المؤمنینؑ نے ارشاد فرمایا کہ ایک روز جناب سالکوں کی خدمت مین پانچ فرقہ پانچ دین واسلے جمع ہو کر حاضر ہوئے یہودی۔ نصرانی۔ دہری۔ مجوسی۔ عرب کے مشرک بت پرست۔ پہلے یہود نے کہا کہ ہمارا قول ہے کہ عزیز خدا بیٹا ہے۔ اور ہم تمہارے پاس اے محمد اسیلے آئے ہیں کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اگر تمہارے موافق کما تو بہتر ہے کہ ہم تو پہلے ہی سے اسکے قائل ہیں اور حق پر ہیں پس تم سے افضل ٹھہرے اور اگر تمہارے مخالف تھے تو پھر ہم سے مخالفت کی تو پھر ہم سے مخالفت کرینگے اور جھگڑینگے۔ اور رضاری نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ مسیح عیسیٰ بن مریمؑ خدا کا بیٹا اور خدا سے متحد ہے۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اگر تمہارے موافق کما تو ہم تو پہلے ہی سے یہ دین رکھتے تھے تم سے افضل ٹھہرے اور اگر تمہارے خلاف کما تو پھر تم سے مناظرہ کرینگے۔ اور دہریہ نے کہا کہ ہمارا قول ہے کہ دنیا اور مافیہا کی ابتدا نہیں ہے اور نہ اسکا کوئی پیدا کرنیوالا ہے یہ سب چیزیں قدیم اور دائمی ہیں اب ہم تمہارے پاس آئے کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اگر تمہارے قول کی پیروی کی تو ہم سے افضل ہیں کیونکہ ہم پہلے ہی سے یہ دین رکھتے ہیں اور اگر تمہارے مخالف تھے تو پھر ہم سے مناظرہ کرینگے۔ اور مجوسی نے کہا کہ نور و ظلمت یہی دو نور و مبر و خالق ہیں ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اور اسی طرح کما جس طرح دیگر مذہب والوں نے بیان کیا۔ پھر عرب کے بت پرستوں مشرکوں نے کہا کہ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے بت ہمارے خدا ہیں اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں کہ دیکھیں تم کیا کہتے ہو اگر تمہارے مخالفت کی تو ہم بھی تمہاری متابعت کرینگے اور اگر تمہارے مخالفت کی تو تم سے مخالفت کرینگے اور جھگڑینگے۔ یہ سب جناب رسالت مآبؐ نے سب کے جواب دیے اور سب پر الزام لگائے اور سب کو ساکت کیا

۱۔ اگرچہ اس حدیث طولانی کا ترجمہ موجب تطویل ہے لیکن اس لیے کہ فائدہ عام نفع نام ہو تمام روایت کا ترجمہ سلسلہ وار کتاب احتیاج سے نقل کرنا ہوں اگرچہ بعض فقرات کا ترجمہ متن کے ترجمہ کے ساتھ کیا گیا ہے مگر تمام روایت کا سلسلہ وار ذکر نہ تھا لہذا تمام روایت عرض کرنا ہوں کہ مجھ کو اور آپ کو دونوں کو کتاب حاصل ہو۔ جناب رسالت کے لئے ارشاد فرمایا امنت باللہ وحدہ لا شریک لہ وکفرت بکل معبود سواک (میں ایمان واقتدار رکھتا ہوں خداے وحدہ لا شریک کا اور انکار کرتا ہوں سب معبودوں کا جس کو جس کو لوگ مانتے ہیں سواے خداے واحد ویکتا کے) پھر ان لوگوں سے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ وردگار عالم نے مجھ کو تمام خلق پر مبعوث کیا ہے تاکہ مومنوں اور مطیعوں کو نعمتوں کی بشارت دیں اور کافروں اور عاصیوں کو عذاب سے ڈراؤں اور حجت خدا ہوں تمام عالم پر اور جو کوئی اپنے دین میں مگر دفریب کرتا ہے اور مکر کا دین بنائی ہے اس کا کید و مکر دیکھا جائیگا اور اولیٰ الزام اس کی گروں میں ڈالا جائیگا۔

اسکے بعد حضرت نے کیا تم اس لیے میرے پاس آگے ہو کہ میں تمہارے قول کو بغیر حجت و دلیل کے قبول
یہودی سے ارشاد فرمایا کر یوں۔

حی نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔

پورو-

حضرت رسالتہاٹ۔ پھر یہ بتاؤ کہ کیا سبب ہوا کہ تم کہتے ہو کہ غریب خدا کا بیٹا ہے۔

ہم اس قول کے اس سبب قائل ہیں کہ اونہوں نے (غیر نے) جنی اسرائیل کے واسطے تورا
کو پھر دوبارہ زندہ کیا اوکے جاتے رہنے اور مٹ جانے کے بعد اور یہ امر نہیں کیا مگر محض اسی سبب

اور سب اسلام قبول کیا اور یہ کل باتیں پوری پوری کتاب احتجاج میں مذکور ہیں۔ اور کتاب کافی میں یونس بن یقظہ کی حدیث میں حضرت امام جعفر صادق سے منقول ہے۔ فرمایا حضرت نے اے یونس اگر تم ابھی طرح کلام خداوندہ کر سکتے تو اس شامی سے مکالمہ کرتے یہ سنکر یونس نے کہا کہ اب اس وقت کیسی حسرت و افسوس مجھے ہے اسکے بعد عرض کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰۔ کہ وہ خدا کے بیٹے تھے۔

حضرت سالتاب۔

یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اتنی بات پر عزیز تو ابن اللہ ہو گئے اور حضرت موسیٰ جو توریث کو لائے اور بنی توریث نازل ہوئی وہ ابن اللہ نہ ہوے حالانکہ حضرت موسیٰ سے بہت معجزے ظاہر ہوئے جنکو تم بھی خوب جانتے ہو۔ اور اگر عزیز ابن اللہ ہو گئے محض اس امر سے کہ اونے یہ کرامت توریث کے زندہ کرنے کی ظاہر ہوئی تو حضرت موسیٰ کا درجہ تو اہمیت سے کمین بڑھ گیا اور لا اقل اہمیت کی اہمیت و اولویت اونکے لیے ضرور حاصل ہوئی اور اگر اتنی سی کرامت عزیز کے لیے اس امر کے باعث ہوئی کہ اکراما اور تعظیماً اونکو ابن اللہ کہا جائے تو حضرت موسیٰ کے لیے اس سے بڑھ کر اکرام ہونا چاہیے اہمیت سے کمین مرتبہ اونکا بسبب اونکی کرامتوں کے بمقابلہ عزیز زیادہ ہے۔ اور اگر تھلدا اس اہمیت کی نسبت یہ مطلب ہے جو ہم اپنی دنیا میں دیکھا کرتے ہو کہ ولادت اولاد کی اونکی مان سے بسبب اونکے باپکے وطنی اور مقاربیت کے ہوئی تو ضرور ضرور یہ کلمہ کفر ہے اور تم کا فرد منکر خدا ہوے اور اسکے مخلوقات سے اوسکو مشابہت دی اور حادثوں کی صفتوں کو تھنے اوسمین قرار دیا اور تمھارے نزدیک واجب ہوا کہ وہ حادث و مخلوق ہو اور اوسکا کوئی خالق و صانع ہو جسے اوسکو پیدا کیا ہو۔

یہود۔

ہرگز ہرگز ہم یہ مراد نہیں لیتے یہ تو ضرور کفر ہے جیسا آپ نے بھی ارشاد فرمایا۔ لیکن ہم ابن اللہ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ وہ کرامت و بزرگی میں برتر ہیں اگرچہ ولادت سے اہمیت نہیں ہوئی۔ جس طرح ہمارے بعض علما جب کسی کے اکرام کا قصد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اوسکے مرتبہ اور منزلت کو غیر کو سے امتیاز دین تو یا بنی و اندابنی (میرا بیٹا ہے) کہتے ہیں اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ ولادت اوسکے لیے ثابت کریں اسلیے کہ یہ کلمہ اوس شخص کے لیے بھی کہتے ہیں کہ جو بالکل اجنبی ہوتا ہے اور کسی طرح کی قرابت نسب ہی نہیں رکھتا ہے۔ اسی طرح جب حق تعالیٰ نے عزیز کے ساتھ جب وہ انعام و اکرام فرمائے جو فرمائے تو اذکموا اپنا فرزند قرار دیا محض کرامت و بزرگی کی راہ سے نہ ولادت و نسب کی راہ سے۔

حضرت سالتاب۔

یہ تو وہی بات ہے جو میں نے کسی تہی کہ اگر اس مرتبہ اور منزلت کے سبب عزیز خدا کے بیٹے قرار پائے تو یہ نزالت و رفعت و حضرت موسیٰ میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے۔ اور خدا اوسکو جو باطل پر ہو خود اسی کے منہ سے اوسے رسوا کرتا ہے اور اوسکی حجت و دلیل اوسی پر پٹ پڑتی ہے۔ جو حجت و دلیل تھنے بیان کی وہ تہ پر زیادہ خرابی لاتی ہے نسبت اوسکے جو میں نے تھنے کہا تھا۔ اسلیے کہ تم کہتے ہو کہ اکثر ہمارے بزرگ و علما اجنبی کو جسکے ساتھ کوئی قرابت نسب ہی نہیں ہوتی اپنا بیٹا اور اپنا فرزند کہتے ہیں بغیر قصد نسبت ولادت کے۔ اسی طرح یہ بھی تم دیکھتے ہو کہ وہ بھی بزرگ کسی اجنبی کو۔ ہذا احی (یہ میرا بھائی ہے) اور کسی کو ہذا شیخی والی (یہ میرا بزرگ اور میرا باپ ہے) اور کسی کو کہتے ہیں ہذا اسید دی و یا اسید دی (یہ میرا سردار ہے) اور اسی میرے سردار تعظیماً و اکرام کی راہ سے۔ اور جو کرامت و بزرگی میں زیادہ ہوتا ہے اوسکے لیے

کہ نیت آپ پر خدا ہوں میں تو آپ سے سنا جو آپ نے مکالمہ کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ دلیل و غدا یہ ہے
مکالمہ کرنے والوں کے لیے کہتے ہیں کہ یہ شے مطلب کو چلاتی ہے اور نہ نین چلاتی اور یہ لیل مقصود کو کھینچتی ہے اور وہ نین
کھینچتی اور اسکو ہم سمجھتے ہیں اور اسکو نین سمجھتے ہیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہاں میں نے یہ کہا تھا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۱۔ ویسے ہی الفاظ تعظیمی زیادہ ہوتے ہیں۔ تو اب اس لحاظ سے کہ جب عزرا بن اشد ہو سے تو
تھارے نزدیک جائز ہو اگر حضرت موسیٰ الخ اللہ یا شیخ اشد یا اب اشد یا سید اشد ہوں کیونکہ وہ عزرا سے
مرتبہ میں زیادہ ہیں جس طرح اگر کوئی شخص مرتبہ میں زیادہ ہو تو حسب مرتبہ اسکو یا سیدی و شیخی و یا اعمی
و یا رئیس تعظیم و اکرام کی راہ سے کہتے ہیں اور اگر کرامت و بزرگی میں زیادہ ہوتا ہو تو اسکی نسبت تعظیمی لفظیں
زیادہ کہتے ہیں۔ تو اب کیا تھارے نزدیک جائز ہے کہ موسیٰ خدا کے بھائی یا اس کے بزرگ یا اس کے
رئیس یا سید و سردار و امیر و حاکم ہوں اس لیے کہ قدر و منزلت میں حضرت موسیٰ اس شخص سے زیادہ ہیں
جسکو یا شیخی یا سیدی یا اعمی یا رئیس یا امیری کہتے ہیں۔
یہ جواب باصواب و الجواب شکر قوم ہیو و کو تحیر ہوا اور حیران ہو گئے۔

حضرت امیر المؤمنین
پیو و۔

ایم۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہو مملکت دیجیے کہ یہ جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا او سمین ہم غور و فکر کریں۔
اچھا ہمتے تلو مملکت دی مگر اتنا خیال رہے کہ انصاف سے نظر کرنا اور اعتقاد کی راہ سے اور دلی توجہ سے نظر کرنا
خدا تمکو راہ راست پر لائیگا اور تمھاری ہدایت فرمایگا۔

حضرت سالتاب

تم کہتے ہو کہ خداوند واجب و قدیم مسیح کے ساتھ متحد ہے۔ اب اس قول سے تمھاری مراد کیا ہے۔ کیا یہ مراد ہے
کہ واجب و قدیم حادث ہو گیا حضرت عیسیٰ کے سبب جو حادث تھے۔ یا حضرت عیسیٰ جو حادث تھے وہ اس
خدا سے واجب قدیم کے سبب قدیم ہو گئے۔ یا اتحاد سے تم یہ مراد لیتے ہو کہ خدا نے جن کرامتوں سے او کو
مخصوص کیا وہ کسی دوسرے کو نہیں دین۔ اب اگر یہ کہو قدیم حادث ہو گیا تو باطل ہے اس لیے کہ محال ہے کہ
قدیم حادث ہو اور اگر یہ مراد لو کہ حادث قدیم ہو گیا تو یہ بھی دعویٰ باطل ہے اس لیے کہ محدث کا بھی قدیم ہونا
محال ہے۔ اور اگر تمھاری مراد اتحاد سے یہ ہے کہ خدا نے او کو برگزیدہ کیا تمام مخلوقات پر اور اپنے بند و نین سے
زیادہ اون سے اختصاص رکھتا ہے تو یہ اقرار ہو گیا حدوث عیسیٰ کا اور حادث کا اور ان معنوں کے جن معنوں سے
اتحاد ہوا اس لیے کہ جب عیسیٰ حادث ہوے اور حق تعالیٰ اون سے متحد ہوا اس طرح کہ او نین ایک وصف پیدا کیا
جس کے سبب وہ تمام خلق سے برگزیدہ ہوے تو اب حضرت عیسیٰ اور یہ معنی دونو حادث ہوے اور خلافت
تمھارے اس قول کے جس سے تم نے شروع کیا تھا (یعنی متحد ہونا) لازم آیا (یعنی اتحاد نہ ہوا اور خلافت مفروض
و خلف لازم آیا)۔

پھر حضرت سالتاب
نے نصاریٰ کی فطرت
متوجہ ہو کر فرمایا۔

ایم۔ سننے جب خدا نے حضرت عیسیٰ کے ہاتھ پر عیب و غریب با نین ظاہر فرمائیں اور بت کہہ کر اس میں ظاہر
کین تو او کو اپنا فرزند بنا لیا محض تعلیم و اکرام کی راہ سے (نہ ولادت کے سبب)۔

نصاری۔

اگر یہی بات ہے تو اسکا جواب تو بہت تفصیل سے سن چکے جب میں نے یہود سے ان معنوں کا بیان کیا۔
پھر حضرت سے او نین باتوں کو دوبارہ بیان فرمایا جو یہود سے کہا تھا (یعنی ان معنوں کی راہ سے جیسے تعظیماً
ابن اللہ جائز ہوا۔ تو شیخ اللہ اور امیر اللہ اور عم اللہ اور اب اللہ بھی جائز ہو گا)۔ یہ بیان حضرت کا شکر

حضرت سالتاب
حضرت امیر المؤمنین

کہ دلیل و عذاب ہے اور لوگوں کے لیے اگر ہمارے قول کو ترک کریں اور جو جی چاہے اور کھاوہ کریں اور جس طرف چاہیں جائیں۔ آخر حدیث تک تکمیل جمیل (اس امر کے اثبات میں کہ مکالمہ و مناظرہ احسن جائز و مستحسن ہے) جناب صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب توحید میں اپنے اسناد کے ساتھ محمد بن عیسیٰ سے روایت کی ہے کہ کہا او سنے پڑھانے اور خطا میں سب ساکت ہو گئے مگر ایک شخص نے اونہیں سے جناب رسول خدا سے کہا۔

ایک شخص۔ ایچ ۳۔ کیا تم نہیں کہتے ہو کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ میں پس جب تم بھی یہ کہتے ہو تو ہم کو کیون عیسیٰ بن اللہ کہنے کو منع کرتے ہو۔

حضرت سالتاب۔ یہ دونوں باتیں ایک سان نہیں ہیں انہیں بڑا فرق ہے اس لیے کہ ہم جو خلیل اللہ کہتے ہیں تو لفظ خلیل مشتق ہے خلّت اور خلّت سے اور معنی اوسکے فقر و فاقہ اور احتیاج کے ہیں۔ تو اب معنی یہ ہوئے کہ خلیل ہیں خدا کے یعنی محتاج ہیں اوسکے اور غیر سے کچھ سروکار نہیں رکھتے کچھ حاجت غیر خدا کے نہیں رکھتے۔ اور یہ تھے دیکھا ہو گا کہ جب وہ حضرت نجیق میں رکھلا آگ میں پھینکے گئے۔ تو پروردگار عالم نے حضرت جبریل کو بھیجا اور کہا کہ میرے بندے کی کمک کر یہ سنکر جبریل آئے اور اثنائے راہ میں جب ہوا پر تھے ملاقات کی اور کہا کہ آپ کو کچھ حاجت ہے۔ مجھے پروردگار عالم نے آپ کی مدد کے لیے بھیجا ہے۔ اور وقت حضرت ابراہیم نے فرمایا بل حسبی اللہ ونعم الوکیل (خدا مجھے کافی ہے وہی میرا کفیل و وکیل ہے) اور کسی کی مجھے ضرورت نہیں سوائے اوسکے مجھے کیسی حاجت نہیں ہے۔ (جب اس طرح کا استقلال حضرت ابراہیم ۲ سے ظاہر ہوا) پس حق تعالیٰ نے اوسکا نام خلیل اللہ رکھا یعنی اپنا فقیر و محتاج اور سوائے خدا کے سب کو چھوڑے ہوئے۔ اور اگر چاہو خلّت کے معنی تو اور وہ یہ ہیں کہ مخلل کیا اپنے معنوں کا (یعنی اپنی مرادوں سے اونہیں آگاہ کیا) اور اپنے اوں اسرار پر اونہیں واقف کیا جس پر سوائے اونسکے غیر اوپر واقف نہیں ہوا۔ تو اب معنی خلیل کے عالم کے ہوئے یعنی وہ عالم ہیں اوسکے اور اوسکے امور کے۔ اور ان معنوں سے کسی طرح تشبیہ خدا کی اوسکے مخلوقات سے نہیں ہوئے۔ کیا یہ نہیں دیکھتے کہ اگر وہ سب کو چھوڑ کے اوسکی طرف محتاج نہوجاتے تو خلیل کیونکر ہوتے۔ اور اگر وہ اوسکے اسرار کے عالم نہوتے تو خلیل کیونکر کہلاتے۔ بخلاف اسکے کہ اگر کوئی کسی شخص سے پیدا ہوا اور اوسکا بیٹا ہو تو وہ شخص اوسکی کیسی ہی اہانت کرے اور کیسا ہی اوسکو گھٹاکے مگر وہ فرزند ہونے سے کبھی خلیج نہوگا کیونکہ معنی اور ولادت کی صفت اوسکی ہر حال میں قائم و موجود رہیگی۔ اور اگر اس قیاس پر کہ خدا نے فرمایا ہ ابراہیم خلیل عیسیٰ ابن اللہ کہ تو لازم ہو گا کہ ہی اہانت اور بنیوں کے واسطے ہی قرار دو حضرت موسیٰ کو بھی ابن اللہ کہو جس طرح حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہو لیکن ان معنوں سے جائز نہو جائیگا کہ کسی کو شیخ و سید و عم و رئیس و امیر خدا کہو جیسا یہود سے معنی بیان کیا۔

بعض نصاریٰ آپس میں جو کتابیں نازل ہوئی ہیں اوسمیں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے کہا۔ اذہب الی ابی (میں اپنے باپ کے بعض سے کہا۔ پاس جاتا ہوں)۔ یہ سنکر۔

حضرت سالتاب۔ اگر تم اوس کتاب کے عالم ہو اور پڑھے ہو تو دیکھو اوسمیں یہ بھی تو لکھا ہوا ہے اذہب الی ابی (میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے پاس جاتا ہوں) تو اب تم کو چاہیے کہ اوس سب دیکھو

جو علی بن ہلال نے حضرت عالم یعنی حضرت امام موسی کاظم کو لکھا تھا ہمارے اصحاب نے آپ کے ابا راہلہ بن علیہم السلام روایت کی ہے کہ ان حضرات معصومین علیہم السلام نے علم کلام اور دین میں مکالمہ کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور غلامان و موالیان حضرت جو شکلیں ہیں اسکا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ ممانعت اور لوگوں کو فرمائی ہے جو اچھی طرح مکالمہ نہ کر سکیں

جسے حضرت عیسیٰ نے خطاب کیا خدا کے بیٹے کو جس طرح اور جس جہت سے عیسیٰ کو ابن اللہ کہتے ہو اور یہی طرح اور ان سب کو بھی کہو۔ پھر اسکے سوا اسی کتاب سے یہ بھی قول تمہارا باطل ہوتا ہے کہ عیسیٰ بوجہ اختصاص کے ابن اللہ ہوے کیونکہ تھے یہی تو کہا تھا کہ وہ ابن اللہ اس وجہ سے ہوے کہ جو خصوصیت و کرامت وہ رکھتے ہیں یہ خصوصیت و کرامت دوسرے میں نہیں ہے۔ اور اب تم نے دیکھا کہ جو خصوصیت اور جو بات عیسیٰ میں تھے وہ اور لوگوں میں نہیں تھے جنکو عیسیٰ نے کہا کہ اذہب الی ابی و ابیکم دین اپنے باپ اور تمہارے باپ کے پاس جاتا ہوں) پس اس قول سے حضرت عیسیٰ کے لیے جو اختصاص ثابت کرتے ہیں وہ باطل ہو گیا۔ بلکہ جو حضرت عیسیٰ کے قول سے اہانت اور لوگوں کی ہی ثابت ہوئی جو مثل حضرت عیسیٰ کرامت و خصوصیت رکھتے تھے۔ اور تم یہ تو خیال کرو کہ حضرت عیسیٰ کی ذہانی لفظ (ابی) تو تھے بیا کی اور اپنی راے سے ایک معنی اسکے تھے ٹھہرائی اور جو اسکی صورت درست تھی اور ٹھیک ٹھیک معنی تھے وہ نہ لیے۔ اس لیے کہ جب اوہنون نے کہا۔ ابی و ابیکم (میرا باپ اور تمہارا باپ) تو حسب طرہ تمہارا ذہن گیا اور جسکو تھے مذہب قرار دیا اس کے خلاف اوہنون (حضرت عیسیٰ) نے مراد لیا ہے یہ تم نہیں سمجھتے کہ شاید اونکی یہ مراد ہو اذہب الی ادم ابی و ابیکم والی نوح (جاتا ہوں میں حضرت آدم کے پاس جو میرے باپ اور تمہارے باپ ہیں یا حضرت نوح کے پاس) ضرور بضرور حق تعالیٰ اونکے پاس مجھے اوتھا لے گا اور مجھے اور اوہنون ایک جگہ جمع کرے گا۔ اور حضرت آدم میرے بھی باپ ہیں اور تمہارے بھی اور اسی طرح حضرت نوح بھی بلکہ حضرت عیسیٰ نے سوائے ان معنوں کے اور کوئی کہی معنی مراد ہی نہیں لیے۔

حضرت امیر المومنین

یہ سنکر سب نصاریٰ ساکت اور لاجواب ہو گئے۔ اور جناب سولہ خدا سے خطاب کر کے کہنے لگے کہ اب آج ہمکو معلوم ہوا کہ آپ ہمارے موافق نہیں ہیں بلکہ مخالف ہیں اب ہم بھی اپنے امور میں نظر و فکر کریں گے۔ پھر حضرت رسالتاے دہریہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اونے فرمایا۔

حضرت سالتاب

تم بتاؤ کہ تمکو کیا سبب ہوا جو کہتے ہو کہ یہ سب چیزیں قدیم ہیں انکی ابتداء انہیں ہی ہمیشہ سے ہیں۔ اور ہمیشہ رہیں گے کہی زائل و فنا ہونگے۔

دہریہ

ہم بغیر دیکھے اور بغیر مشاہدہ کے کسی بات کا حکم نہیں کرتے جب ہم نے ان چیزوں کا محدث اور پیدا کرنے والا انہیں پایا تو ہم نے حکم لگایا کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہیں۔ اور جب ہم نے اسکے انقضاء اور فنا کو نہ دیکھا تو حکم لگایا کہ اب یہ چیزیں ہمیشہ رہیں گی۔

حضرت سالتاب

اب یہ بتاؤ کہ کیا تھے ان چیزوں کے قدیم ہونے کو پایا اور دیکھا ہی یا اونکی بقا اور ابد الابد اور ہونے کو پایا یا ہی پس اگر یہ کہو کہ ہاں ہم نے یہ سب اسی طرح پایا ہے تو تھے خود اپنے لفظوں کو قرار دیا کہ اسی طرح اسی ہیئت پر اور اسی عقل سے ہمیشہ سے ہیں زمانہ غیر متناہی ہے۔ اور اسی طرح ہمیشہ باقی رہیں گے۔

اور جو اچھی طرح مکالمہ کر سکیں اور اصول دین کو اچھی طرح سمجھتے ہوں اور انکو منافعت نہیں فرمائی پس عرض یہ ہے کہ جو مطلب مشککین بیان کرتے ہیں وہ درست ہے یا نہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ محسن و غیر محسن اچھی طرح مکالمہ کر سکتا ہو یا نہیں کوئی بھی مکالمہ نہ کرے کیونکہ ضرر اور گناہ اسکا اس کے نفع سے بہت زیادہ ہے۔ اور کشتی نے روایت کی ہے اپنے اسناد کے بغیر حاشیہ صفحہ ۶۴۔ تو اب اگر اس کے قائل ہو تو بالبدہ است تمہارا دعویٰ باطل اور شاہدہ اسکو دفع کر رہا اور تمام عالم بھر جو نگو ویکمہ رہا اور شاہدہ کر رہا کہ تم ہرگز ہرگز اسی جسم و جثہ سے اپنی ماں پیت پیدا نہیں ہو اور نہ ہمیشہ ہو اور نہ جنگو جنگو لے گا اور کاذب بنا گئے گا۔

دہریہ

بہت درست ہے یہ عقوید ہے کہ بننے اسکا قدیم ہونا اور ابد الابد باقی ہونا شاہدہ کیا ہے بلکہ قدیم و بقا اسکا ہرگز بننے نہ شاہدہ کیا نہ کہی دیکھا۔

حضرت رسالتما

پھر بخلا تم کیوں اس پر اصرار کرتے ہو اور کیوں اس کے قدیم اور بقا سے دائمی کا حکم کرتے ہو کیونکہ نہ تھے اس کے حدوث کو دیکھا اور اس کے انقطاع کو۔ اسی طرح اولیٰ یہ ہے کہ اگر تمہاری طرح کوئی حکم کرے اس کے حدوث اور انقطاع کا اس لیے کہ اس نے اسکا قدیم اور بقا سے دائمی ہرگز ہرگز شاہدہ نہیں کیا (وجہ اولویت حادث ہونے کی بلکہ حادث ہونیکا ثبوت) کیونکہ تم رات دن کو کیا شاہدہ نہیں کرتے کہ ایک بعد دوسرے کے برابر آیا کرتے ہیں اور ہر ایک کے لیے دوسرے سے بعدیت و تاخر ہوتا ہے۔

دہریہ

حضرت رسالتما کیا ان دونوں کو بھی سمجھتے ہو کہ ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

دہریہ

جی ہاں انکو بھی ہم ہی سمجھتے ہیں کہ قدیم اور باقی ہیں۔

حضرت رسالتما

کیا تمہارے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ رات اور دن ایک وقت میں دونوں مجتمع ہوں ایک ہی وقت رات و دن کا اجتماع جائز ہے۔

دہریہ

یہ نہیں ہو سکتا کہ رات اور دن کا اجتماع ہو۔

حضرت رسالتما

تو اب رات دن دو چیزیں ہوں کہ آپس میں ایک دوسرے سے جدا اور علحدہ ہیں پس ضرور ہے کہ ایک انہیں سے پہلے ہو اور دوسرا اس کے بعد ہو۔

دہریہ

جی ہاں اسی طرح ہے کہ ایک کے بعد دوسرا جاری ہوتا ہے۔

حضرت رسالتما

تو اب یہی تو حکم کرنا ہوا حدوث لیل و نهار کا بسبب ان کے تقدم و تاخر کے اگرچہ تھے اسکا مشاہدہ نہیں کیا۔ تو اب قدرت خدا کا کیوں انکار کرتے ہو۔ خدا کی قدرت کا انکار نہ کرو۔ پھر اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ کہ جتنی رات اور دن تمہارے قبل گزر چکی ہیں اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ یہ سب متناہی ہیں یا غیر متناہی۔ اگر کہو کہ غیر متناہی ہیں تو کیا ہر ایک کے بعد دوسرے کے اسی طرح آتا رہتا ہے کہ جس کے اول کی نہایت اور ابتدا ہو۔ اور اگر کہو کہ متناہی ہیں تو پھر تو ضرور ہے کہ جب پیدا ہوئے ہیں تو اس کے قبل لاشے تھے اور معدوم تھے۔

۱۔ حالانکہ سابق میں اسکا اقرار کر چکے کہ بعد ایک کے دوسرے کا آنا اور ایک کا سابق اور دوسرے کا مسبوق ہونا اور اجتماع کا ہونا اسکا دلیل حدوث و عدم و عدم و عدم غیر نہایت ہے ۱۲۔

ساتھ ایک شخص سہمی ملایا رہے طیار کتے ہیں کہ میں نے عرض کیا خدایت امام جعفر صادق علیہ السلام میں کہ یا حضرت اگر حضور انار کے دو ٹکڑے فرمائیں اور بعض ٹکڑے کو حلال فرمائیں اور بعض کو حرام فرمائیں تو میں نہ دلسے گوہی دیتا ہوں کہ واقعی ایسا ہی ہے جسکو حضرت حرام فرمایا حرام ہوا اور جسے حلال فرمایا حلال ہوا حضرت ارشاد فرمایا کہ تمہارے یہی کافی ہے کہ اونکے قول کے قائل رہو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۵۔ جی ہاں صحیح و درست ہے بجا ارشاد فرمایا۔

دہریہ

حضرت رسالتا تب کیا تم ان باتوں کو سمجھو جو مجھ کے جنکا تم اذکار و انکار کر چکے پھر بھی اسکے قائل ہو کہ عالم قیام ہوا اور حادث نہیں

دہریہ

حضرت رسالتا تب بھلا غور تو کرو یہ تمام چیزیں جو تم دیکھتے ہو بعض بعض کی محتاج ہیں۔ اسلیے کہ انکے بعض کا محتاج ہونا قوام و قیام میں اون چیزوں کا جسے یہ متصل میں کہہ سکتا تھا اور دکھاتا ہے کہ بعض اجزا اسکے بعض اجزا کے محتاج ہیں والا یہ طریقہ و نظم و نسق و استحکام نہ رہتا اور اسی طرح سے سب چیزوں کا حال ہے جن جنکو ہم دیکھ رہے ہیں۔ پھر فرمایا۔

یہ تو ایسی ہیں کہ بعض انکے بعض کے اپنے قوام و قیام میں محتاج ہیں۔ اور مجموعہ تمام سب کو تم قیام کہتے ہو۔ تو اب یہ بتاؤ کہ اگر یہ حادث ہوتے تو کس طرح ہوتے اور کس صفت اور کس طریقہ پر ہوتے۔ یہ سنکے وہ سب بہوت ہو گئے اور خوب سمجھ گئے کہ جو صفتیں حادث کی ہیں اور جس صفت سے حادث کو مصنف ہونا چاہیے وہ سب صفتیں مادہ عالم میں پائی جاتی ہیں جسکو اپنے زعم ناقص میں وہ قدیم ٹھہرائے ہوئے ہیں یہ سوچ کر وہ دنگ ہو گئے۔

دہریہ

اب ہم اپنے بارے میں نظر و فکر کریں گے۔

پھر حضرت رسالتا تب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثنویہ (محبوس) کی طرف متوجہ ہوئے جو لوگ کہتے تھے کہ نور و ظلمت یہی دونوں خالق اور دو دبر عالم ہیں۔

تم تو کہو کہ تم کو ایسی کیا ضرورت پڑی کہ اس قول کے قائل ہوئے۔

محبوس

ہم نے اس مذہب کو اس سبب سے اختیار کیا کہ تمام عالم میں دو قسم کی چیزیں پائیں ایک خیر (اجبی) دوسرے شر (بری) اور خیر و شر کو دیکھا کہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور خلاف ہیں۔ یہ دیکھ کر ہم قائل ہوئے کہ ایک شخص سے دو چیزیں جو آپس میں ضدیت رکھتی ہوں پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ ضرور ہے کہ ہر ضد کے واسطے ایک جدا جدا خالق و فاعل ہو۔ کیا یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ برت سے گرمی پہنچنا محال ہے اور اسی طرح آگ سے سردی۔ جب ہم نے یہ دیکھا تو دو خدا اور دو خالق دو قدیم ٹھہرائے ایک نور دوسرے ظلمت۔

حضرت رسالتا تب

کیا تم سیاہی اور سفیدی اور سرخی اور زردی اور سبزی اور نیلا ہٹ میں ضدیت نہیں پا رہے انہیں سے بھی دو خدا کا اجتماع محال ہے جس طرح سردی اور گرمی دو ضدیں ہیں ایک محل میں دونوں کا اجتماع محال تھا۔

محبوس

جی ہاں کیوں نہیں بجا ارشاد ہے۔

حضرت رسالتا تب

پھر ان سب کے لیے علیحدہ علیحدہ کیوں نہیں خالق قدیم مانتے ان سب رنگوں کے تعداد کے موافق

یعنی حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کے۔ اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ کلام کرنے والے ہلاک ہوتے ہیں اور تسلیم و قبول کرنے والے نجات پاتے ہیں۔ اور یہ بھی روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وارد ہوا ہے کہ حضرت نے مکالمہ کی علم کلام میں ممانعت فرمائی اور سوقت بعض اصحاب نے عرض کیا کہ یا حضرت اکثر اوقات

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۶۔ کیونکہ نہیں خدا ٹھہراتے کہ ہر ایک خدا ہر ایک رنگ کا ہونا چاہیے جو اسکی خدا و خلاف کا ہو۔

یہ سنکر وہ مجوسی ساکت ہو گئے اور کچھ جواب نہ دے سکے۔

حضرت امیر المومنین حضرت رسالتا تبای مجوس سے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ نور و ظلمت آپس میں ملے کیونکہ اور اختلاط انہیں کیونکہ ہو سکتا ہے ایک کی طبیعت و ماہیت میں صعود (بلندی) ہے دوسرے کی طبیعت میں نزول (پستی) ہے کیا تم یہ راے دیتے ہو کہ اگر دو آدمی ایک مشرق کی طرف چلے اور دوسرا اوسکے خلاف مغرب کی طرف تو جب وہ او نہیں جہتوں پر چلتے رہیں بل سکتے ہیں اور ملاقات کر سکتے ہیں۔ جی نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

نواب ضرور ہے کہ نور و ظلمت کبھی مختلط ہوں اور کبھی نہیں اسلیئے کہ دونوں مختلف جہتوں میں جارہے ہیں (ایک فوق کی طرف صعود کر رہا ہے اور ایک تحت کی جانب نزول کرنا چاہتا ہے) پس کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں کے امتزاج و اختلاط سے عالم حادث ہو جنکا امتزاج و اختلاط محال ہے۔ بلکہ ان دونوں کا ضرور کوئی مدبر ہے اور یہ دونوں کے دونوں مخلوق ہیں۔ بہت بہتر اب ہم اپنے بارے میں نظر و فکر کریں گے۔

پھر حضرت رسالتا تبای صلی اللہ علیہ آکہ وسلم عرب کے مشرکوں اور بت پرستوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ تم کہو ان اصنام اور بتوں کی کیوں عبادت کرتے ہو خدا کو چھوڑ کے بتوں کو کیوں پوجتے ہو۔ ہماری غرض انکی عبادت سے تقرب جناب احادیث ہے اور انکے ذریعہ سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں کیا یہ بت سنتے سمجھتے ہیں خدا کی اطاعت و عبادت میں سرگرم رہتے ہیں جو تم انکی تعظیم و تکریم خدا سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کرتے ہو۔

جی نہیں (نہ سن سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں نہ عبادت اور طاعت خدا کر سکتے ہیں لکڑی پتھر کنکر ہیں) تمہیں تو وہ لوگ ہو جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اونکو گر ٹھکر بنایا ہے خود اونکو لائق تھا اگر وہ عبادت کر سکتے تو تمہاری عبادت و پرستش کرتے کیونکہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے تمہارا انجام کار جانتا ہے تمہاری جبین مصلحت ہو او سے پہچانتا ہے اور اوسی کی تکلیف و حکم کرتا ہے علیم و حکیم ہے او سے تو ہر گز تمہیں انکی تعظیم و تکریم کا حکم نہیں دیا ہے۔

جب جناب رسالتا تبای صلی اللہ علیہ الہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تو انہیں (بت پرستوں میں) اختلاف ہو گیا کوئی کچھ کوئی کچھ کہنے لگا ہر ایک کا مسلک علیحدہ ہو گیا۔

خدا نے کچھ لوگوں کے جسم میں حلول کیا تھا لہذا اب ہم اونکی تصویریں ایسی ہی صورتیں بنا کر ان صورتوں کو تعظیم کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ انکی تعظیم بمنزلہ ان شخصوں کی تعظیم کی ہے جنہیں خدا نے

حضرت امیر المومنین

حضرت رسالتا تبای

مجوس سے۔

مجوس

حضرت رسالتا تبای

مجوس

حضرت رسالتا تبای

بت پرست

حضرت رسالتا تبای

بت پرست

حضرت رسالتا تبای

حضرت امیر المومنین

اونہیں بعض

ہم کو ضرورت ہوتی ہے کہ مخاصمین و مخالفین کو الزام لگائیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا خاصہ وہم بما بلغکم من علو منا فان خصم وکم فقد خصمونا (مخاصمہ اور مناظرہ کرواؤں گے اور اونسے بحث و گفتگو کرواؤں گا تو ان میں جو ہمارے علموں سے تمہیں حاصل ہوئی ہیں اسلئے کہ اگر اُن باتوں میں تم سے جھگڑا کرینگے تو اُنہوں نے جسے مخاصمت کی اور

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۷۔ حلول کیا تھا اور یہ جنگی صورتیں ہیں۔

دوسرے فرقہ یہ صورتیں اُن گزشتہ فہم کی ہیں جو ہمارے قبل گزریں ہیں اور طبع و فرمان بردار پروردگار تین اب ہم اُنکی صورتیں بنا کے تعظیم و پرستش کرتے ہیں اور اسی کو تعظیم و عبادت خدا سمجھتے ہیں۔

تیسرے گروہ خدا نے حضرت آدم کو پیدا کیا اور فرشتوں کو حکم کیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں فرشتوں نے اُنکو سجدہ کیا اور ہم کو بہ نسبت فرشتوں کے زیادہ لائق و سزاوار ہے کہ اُنکو سجدہ کریں کیونکہ ہم اُنکی اولاد ہیں۔ اب خاص اُنکو تو ہم سجدہ کرنے سکے لہذا اُنکی صورت بناتے ہیں اور اُس صورت کو سجدہ کرتے اور اسمین تقرب خدا کا قصد کرتے ہیں۔ جس طرح ملائکہ کو تقرب خدا سجدہ حضرت آدم سے حاصل ہوا۔ اور جس طرح ملک و خیال ہے کہ خدا نے تمہیں حکم کیا ہے کہ مکہ کی طرف سجدہ کرو اور تم مکہ کی طرف سجدہ کرتے ہو۔ اور دوسرے مقامات و شہروں میں اپنے ہاتھوں سے محرابین اور مسجدیں بناتے ہو اور اُن محرابوں کی طرف سجدہ کرتے ہو اور قصد کعبہ کا کرتے ہو نہ محرابوں کا اور کعبہ سے بھی مراد و مقصد بھٹکرا تقرب خدا ہے نہ قصد تقرب کعبہ کا۔

حضرت رسالتاں ایک راہ نکالی تو مگر خطا کی اور راہ راست سے بہک کر گمراہی حاصل کی۔ پھر اُن لوگوں سے مخاطب ہو کر جو کہتے تھے کہ خدا نے اُن لوگوں میں حلول کیا تھا جنگی یہ تصویریں ہیں اور اب ہم اُنکی تصویریں بنا کر ان صورتوں کی تعظیم کرتے ہیں اور مقصد ہمارا اُنکی تعظیم سے تعظیم اُن لوگوں کی ہے جنگی یہ صورتیں ہیں جنہیں خدا نے حاصل و دخول کیا تھا۔

حضرت رسالتاں کیا تم اپنے خدا کی وہ صفت ٹھہراتے ہو جو صفت مخلوقات کی ہے۔ کیا تمہارا خدا کسی چیز میں حلول کرتا ہے اوسمیں داخل ہوتا ہے اس طرح کہ وہ شے اُسکے محیط ہو جائے اور اوسکو بکھرے۔

اگر ایسا ہے تو اُس خدا میں اور تمام چیزوں میں جو کسی شے میں داخل ہوتے ہیں اور حلول کرتے ہیں کیا فرق ہے مثل رنگ۔ مزہ۔ بو۔ نرمی۔ سختی۔ گرانی۔ سبکی کے۔ اور کیا سبب ہے کہ یہ چیزیں جو حلول کرنے والی ہیں یہ تو حادث قرار پائیں اور اوسکا (خدا کو) اگرچہ اوسے بھی حلول کیا (قدیم کہتے ہو) یہ کیوں نہیں ہوا کہ یہ حادث ہو اور وہ چیزیں قدیم ہوں۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہمیشہ سے محل و مکان کے قبل ہو وہ محل میں حلول کیے ہو حقیقتاً تو جیسا ہمیشہ سے ہے ویسا ہی ہے (کوئی تغیر و زوال اوسکے لیے نہیں ہے) اور جب

ہے جہگڑا مول لیا۔ اور یہ بھی روایت کبھی نے مشرقی سے بیان کی ہے کہ ایک روز مشرقی نے خدمت بابرکت حضرت امام جعفر صادقؑ میں عرض کیا کہ قسم بخدا ہم سوائے آپ کے ابا و طاہرین کے قول کی اور کسی قول کے قائل نہیں اور کلام و مناظرہ بھی موافق او نہیں اقوال کے کرتے ہیں یہ بات سن کر حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام

تم اسکو صفت حلول سے متصف کرتے ہو جو صفت حادثوں کی ہے تو کمول لازم ہے کہ زوال و تغیر سے بھی اسکو متصف کرو۔ اور جب تم نے اسکو زوال و حادث سے متصف کیا تو تیرا لازم آیا کہ اسکو فنا و عدم کے ساتھ بھی متصف کرو۔

کیونکہ یہ سب صفتیں حال (حلول کرنیوالا) اور مخلول فیہ (جسمین حاصل ہو) کی ہیں۔ اور ان سب میں تغیر موجب تغیر ذات ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ ذات باری تعالیٰ کسی شے میں حلول کرنے سے بھی تغیر نہیں ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ پھر حرکت۔ سکون۔ سیاہی۔ سفیدی۔ سرخی۔ زردی کسی شے کی بھی حلول کرنے سے اور کسی صفت سے بھی جو اور موصوفین کے لیے یکے بعد دیگرے ہوتی ہے تغیر نہو یا نہ کہ کہ کل صفتیں حادثوں کی اور میں جمع ہو جائیں اور حادث ہو جائے مگر پھر بھی تغیر اسکی ذات میں نہو یا نہ بخدا) بزرگ و برتر ہے پروردگار عالم ان باتوں سے اسکا مرتبہ عالی و درجہ تعالیٰ ہے پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ آکہ وسلم نے اولیٰ مخاطب ہو کر فرمایا۔

جب یہ دعویٰ تمھارا اور گمان فاسد تمھارا جو حلول خدا کے بارے میں تھا باطل ہوا تو تمھارا قول فاسد ہے۔

حضرت امیر المومنینؑ یہ سنکر وہ قوم ساکت و لاجواب ہو گئی۔

بت پرست پہلا گروہ بہتر ہے اب ہم اس باریمین اور اپنے امر میں نظر و فکر کریں گے۔

حضرت رسالت مآبؐ دوسرے فرقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت رسالت مآبؐ یہ بتاؤ کہ تم جو اون صورتوں کی عبادت کرتے ہو جو اطاعت و عبادت خدا کیا کرتے تھے اور انکو

سجدے کرتے ہو اور انکی نمازین پڑھتے ہو اور اپنی عزت و ابر و پریشانیان انکے سامنے خاک پر

سجدہ میں رکھتے ہو تو پروردگار عالم خالق اکرم کے لیے تم نے کیا اونٹھارکھا۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ

جسکا حق تعظیم ہے جو واجب التعظیم ہے اسکی عبادت سے اور اسکے بندوں کی عبادت سے

مسادات نہونی چاہیے۔ کیا تم نے کسی بادشاہ یا کسی رئیس کو دیکھا ہے کہ جب اسکی تعظیم اور اسکے

غلاموں کی تعظیم میں برابری کیجائے تو اس بادشاہ کے خلاف شان و باعت تحقیر نہیں ہے کہ جو

اس سے کمتر ہیں اسکے برابر اسکی تعظیم کی۔

جی ہاں (ایسا ہی ہے جیسا حضرت نے ارشاد فرمایا)۔

حضرت رسالت مآبؐ کیا تم یہ نہیں سمجھتے کہ جب اسے تعظیم و عبادت کو جو خدا کے فرمان بردار بندوں کی صورتوں کے

لیے کرتے ہو تعظیم و عبادت خدا ٹھہراتے ہو تو یہ خدا کا گناہ اور قصور کرتے ہو کہ نہیں۔

یہ سنکر وہ قوم ساکت و لاجواب ہو گئی۔

بت پرست دوسرا فرقہ بہتر ہے اب ہم اپنے امر میں نظر و فکر کریں گے۔

سیری طرف متوجہ ہوے اور فرمایا کہ اگر ہمارے ابا و اجداد ہرین کے اقوال کے موافق کلام نہ کر دے تو کیا پھر ابو بکر و عمر کی باتوں پر چلو گے اور کیا ارادہ ہے کہ ان کے اقوال کے ساتھ کلام کر دے۔ اسی طرح بعض روایتوں کو دیکھ کر اس نے حادث اخبار می فرقی کے بعض فاضلوں نے علماء متکلمین پر طعن و تشنیع کا قصد

حضرت سالتاب
تیسرے فرقہ کی
طرف متوجہ ہو کر
بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۹۔ تم نے ہجو اپنے مثل ٹھہرایا ہے اپنے مشابہ سمجھے۔ ہم میں اور تم میں مناسبت و مشابہت نہیں ہے ہم تم کیساں نہیں ہیں۔ ہم خدا کے بندے ہیں ہجو او سے پیدا کیا ہے وہ ہمارا رب ہے ہم اس کے مربوب ہیں وہ ہجو جو حکم کرتا ہے اسے ہم بجالاتے ہیں جن باتوں کو وہ منع کرتا ہے اس سے باز رہتے ہیں جس عبادت کو وہ مجھے چاہتا ہے اس کو بجالاتے ہیں جس طرح اور جس طریقہ کو جب وہ حکم کرتا ہے اسی طرح ہم بجالاتے ہیں اس سے گھٹاتے بڑھاتے نہیں ہیں اس کے سوا دوسرے طریقہ سے جبکہ حکم و اذن نہیں ہوا بجا نہیں لاتے۔ کیونکہ ہجو نہیں معلوم کہ پہلا طریقہ وہی مطلوب ہے دوسرا طریقہ شاید مطلوب ہو بلکہ اس سے کراہت ہو اور ہجو منع کیا ہے کہ ہم اس کے سامنے اپنی طرف سے کسی بات میں تقدم نہ کریں اپنی طرف سے کوئی امر نہ کریں۔

پس جب اس نے ہجو حکم کیا کعبہ کی طرف متوجہ ہونیکا تو ہنے اس کی اطاعت کی پھر اس نے حکم کیا کہ اس کی عبادت میں کعبہ ہی سمت توجہ کریں تمام شہروں میں جہاں کعبہ ہوں ہنے اس کو بھی قبل کیا اس کے حکم کی اس کے متابعت کی۔ ہم کسی بات میں اس کے حکم کی متابعت سے باہر نہیں ہوے۔ پروردگار عالم نے جب حکم کیا تھا حضرت آدم کے لیے سجدہ کرنا تو یہ حکم نہیں کیا تھا کہ اون کی صورت اور تصویر کو جو اون کی غیر ہے اس کو بھی سجدہ کرو۔ تو اب تم کو یہ نہیں ہو سکتا کہ تم اس حکم پر قیاس کرو کیونکہ تم یہ کہان سمجھ سکتے ہو کہ یہ امر کیسا ہے شاید جس کو تم کرتے ہو وہ اس کے نزدیک مکروہ و برا ہو۔ کیونکہ اس کا تھین اس نے حکم تو کیا ہی نہیں ہے۔

کیا تم یہ رائے دیتے ہو کہ اگر کوئی شخص تم کو اپنے کسی گھر میں کسی خاص دن آنیکی اجازت دی تو کیا اس کے بعد کسی اور دن بلا اجازت اس کے اوس گھر میں جاسکتے ہو۔ یا کسی دوسرے گھر میں اس کے جو مثل اس کے ہو بلا اذن داخل ہو سکتے ہو۔

یا اگر کوئی شخص کوئی اپنا کپڑا یا غلام یا گھوڑا تم کو ہبہ کرے تو کیا تم اگر اس کو نہ لو تو دوسرا مثل اس کے اس کی ملکیت سے بلا اذن اس کے لے سکتے ہو۔

بہت پرست تیسرا فرقہ
اجازت نہیں ہے۔

حضرت سالتاب
بہت پرست تیسرا فرقہ
حضرت رسالتاب
بہت پرست تیسرا فرقہ

پس حق تعالیٰ اولیٰ ہے کہ اس کے ملک میں بغیر اس کے اذن و اجازت کے تصرف نہ کرو۔ بیشک حق تعالیٰ اولیٰ ہے کہ اس کے ملک میں بغیر اس کے اجازت و حکم کے تصرف نہ ہو۔

پھر تم کو کیونکہ معلوم ہوا اور کتب تم کو حکم کیا کہ ان صورتوں کو سجدہ کرو۔

بہت اچھا پھر اب ہم اپنے امر میں نظر و فکر کریں گے۔

کیا ہے جس طرح بعض اور باتوں میں بھی مجتہدین پر طعن کا ارادہ کیا ہے۔ لیکن اسے اونکی اس بار میں منعقد و تحقیقی نہیں ہے کیونکہ نہ وہ قدرت رکھتے ہیں اور نہ اونکے سوا اور اس فرقہ والا اسکی طاقت رکھتا ہے کہ تمام کلام کے مضمون کا انکار کر سکے اسلیے کہ بتواتر قطعی منقول ہو چکا ہے کہ مصومین علیہم السلام بھی اس مکالمہ

جناب امام جعفر صادقؑ بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۰۔ قسم ہے اوس خدا کی جسے اون حضرت رسالتاً کو برحق بنی قرار دیا تین دن بھی اون لوگوں پر نہیں گزرے کہ وہ سب پھر قدرت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ اور وہ سب پچیس آدمی تھے ہر فرقے کے پانچ آدمی۔

وہی سب فرقے جنے مثل آپ کے حجت و دلیل کے کسی کی حجت و دلیل اور کوئی برہان قوی نہیں پائی یا محمدؐ حضرت سالتاب لشہد انک رسول اللہ (اے محمدؐ ہم سب دل سے گواہی دیتے ہیں کہ تم رسول برحق سے مخاطب ہو کر خدا سے قادر مطلق کے ہو) (سب مسلمان ہوئے اور ایمان لائے)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فرمایا جناب امیر المؤمنین علیہ السلام نے کہ بعد اس واقعہ کے پروردگار عالم نے آیہ وافی بدرایہ نازل فرمایا۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا برہم بعد لون (جمع جمع شرا و ارو لائق ہے اوس خدا سے واحد و یکتا کے جنے تمام آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ظلمتوں اور نور کو بنایا پھر وہ لوگ اپنے خدا کے منکر و کافر بن گئے اور اس امت میں تیرے تمونکے فرقوں کی رو ہے۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض (جمع جمع ہے اوس خدا کے لیے جنے سب آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا)۔

رو ہے وہ ہر لون اور نیچر لون کی جو قائل ہیں کہ تمام چیزیں دائمی ہیں انکی ابتدا نہیں ہے۔ پھر فرمایا وجعل الظلمات والنور (ظلمتوں اور نور کو بنایا) اس سے رد مہوی ثنویہ (مجوس) کی جو کہتے ہیں کہ نور و ظلمت یہی دونوں دو مدبر و خالق عالم ہیں۔ پھر فرمایا الذین کفروا برہم بعد لون (وہ لوگ جو کافر و منکر ہیں اپنے خدا پھر گئے اس سے رد مہوی مشرکوں اور بت پرستوں کی جو کہتے ہیں کہ ہمارے بت ہمارے خدا ہیں۔ پھر نازل فرمایا قل هو اللہ احد کو آخر سورہ تک اس رد مہوی اون لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ خدا کی ضد یا ضد شل و مانند ہے۔ جناب امیر المؤمنین ارشاد کرتے ہیں کہ فرمایا جناب رسول خداؐ نے اپنے اصحاب سے مخاطب ہو کر کہ کوایاک نعبد یعنی عبادت کرتے ہیں ہم خدا سے واحد و یکتا کی اور ہم

اسکے قائل ہیں لیکن نہ اوسط جطر و نہ یہ کہتے ہیں کہ تمام چیزیں دائمی ہیں اور انکی ابتدا نہیں ہے اور نہ اوسط جطر ثنویہ قائل ہیں کہ نور و ظلمت و خالق و مدبر عالم ہیں اور نہ اوسط جطر مشرکین عرب کہتے ہیں کہ ہمارا اثنان (بت) ہمارا خدا ہیں فلا نشربک با شیشا (ہم کسی چیز کو تیرا شریک نہیں کرتے اور نہ شرک کرتے ہیں) اور نہ سوائے تیرے کسی کو خدا قرار دیتے ہیں جیسے یہ کفار کہتے ہیں۔ اور نہ ہم اوس قول کے قائل ہیں جو نصارا اور یہود کہتے ہیں اور تیرے لیے فرزند اور بیٹا قرار دیتے ہیں۔ تیرا مرتبہ اس سے کمین بلند و برتر ہے اور تو اس سے منزرہ و پاکتر ہے۔ فرمایا کہ پس یہی ہے قول پروردگار عالم وقالوا لن یدخل الجنة الا من کان محمداً و نصاری (کہتے ہیں وہ یہود و نصاری) ہرگز نہ داخل ہوگا کوئی جنت میں سوائے یہود و نصاری کے) اور دوسرا فرقہ جو انکے خلاف

ہے وہ بھی انہیں کے قول کی طرح کہتا ہے (یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی داخل جنت نہوگا) فرمایا پروردگار عالم نے کہ انمو محمد ثلاث امانیہم (یہ اونکی دلی خواہشیں ہیں) یہ وہ خواہشیں ہیں جنکے بغیر حجت و دلیل کے خواہش کرتے ہیں قل ہا تو بہا نکم (کہو) انے اسے محمدؐ) لا واپنے برہان)

اور کلام کے عامل تھے اور کلام کا حکم بھی فرماتے تھے اور رغبت دلاتے تھے اسی سبب سے اون فاضل صاحب کے کلام میں اس مقام میں نہایت اضطراب و اضطراب ہے کسی بات کا ٹھیک نہ کسی پر قرار ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ کلام مستحسن (جسکی اجازت ہے) وہ ہے جسکی دلیل یا مدلول کلام معصوم علیہ السلام سے ثابت ہو۔ اور کبھی اون کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ کلام مستحسن ہی کی مسم سے وہ دلیل عقلی ہے جس میں وجود دلیل نقلی بھی ہو۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ کلام مستحسن وہ ہے جو لفظ بلفظ معصوم نے فرمایا ہو یا مدلول اور غرض مطلوب معصوم سے وارد ہوئی ہو۔ کبھی بیان کیا ہے کہ کلام غیر مستحسن وہ کلام ہے جو مقدمہ ظنیہ عقلیہ پر شامل ہے۔ اور یہ عبارت اسکی مقضی ہے اور اسکا یہ ضرور حاصل ہے۔ کہ اگر مقدمہ سمعیہ پر شامل ہو خواہ وہ سمعیہ ظنیہ ہو یا وہ سمعیہ تو بھی کلام مستحسن میں داخل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم پر تو اس کے کلام کا حاصل کچھ بھی نہیں ظاہر ہوتا اور نہ ہماری امثال کو اس کے کلام سے تعرض کرنا چاہیے۔

ہاں اگر تمہارا جی چاہتا ہے کہ حقیقت و واقعیت سے واقفیت ہو۔ تو ہم جو بیان کرتے ہیں اسکو ترجمہ اور دل سے سنو۔ کافی میں اپنے اسناد سے زبانی یونس ابن یعقوب کے بیان کیا ہے۔ یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں خدمت ابو عبد اللہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میں حاضر تھا میرے سامنے حضرت کی خدمت میں ایک مرد اہل شام سے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں علم فقہ و فرائض و علم کلام میں کمال رکھتا ہوں۔ ملازمان درگاہ عالی سے مناظرہ کے واسطے حاضر ہوا ہوں۔ یہ سنکر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تیرا کلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے مستنبط و اخذ ہے یا اپنے دل سے یا میں ترا شتا ہے اس شخص نے کہا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام سے بھی اور اپنی طرف سے بھی دونوں سے بحث کرتا ہوں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تو کیا تو رسول خدا ص کا شریک ہے۔ اونے کہا جی نہیں۔ حضرت نے فرمایا پھر تجھ پر وحی نازل ہوتی ہے خود خدا تجھ کو (اون باتوں کی جو جناب رسول خدا ص کا کلام نہیں ہے میرے دل کی نکالی ہوئی ہیں) خبر دیتا ہے۔ اونے کہا جی نہیں۔ یہ بات بھی نہیں ہے۔ اوپر حضرت نے فرمایا کہ پھر کیا جس طرح اطاعت و فرمان برداری رسول خدا ص کی واجب تھی اسی طرح تیری بھی اطاعت فرض ہے۔ اس شامی نے کہا جی نہیں یہ بھی نہیں ہے۔ یونس بن یعقوب راوی حدیث کہتے ہیں کہ یہ کلام ناکامی اس

بقیہ مائتہ و ثمانیہ۔ اپنی حجتیں اپنے دعوے پر لاؤ ان کثرت و صاف قین (اگر تم سچے ہو) جس طرح محمد مصطفیٰ نے اپنی دلیلین اور حجتین سے بیان فرمائی۔ پھر فرمایا بلی من اسلم وجہہ للہ و ہو محسن (ہاں جو ایمان لائے اور خدا کا فرمان بردار بنے اور نیک کردار ہو) جس طرح یہ لوگ ایمان لائے رسول خدا ص پر جب اونکی حجتوں اور دلیلوں کو سنا اور وہ نیک کردار بھی ہو فلا اجرہ (اوسکے لیے اوسکا اجر ہے) اوسکا ثواب ہے عند ربہ (اوسکے خدا کے پاس) اس روز جس وزب قہقہ فیصل کیے جائینگے (روز قیامت روز جزا) ولا خوف علیہم (اور کوئی خوف اوپر طاری نہ ہوگا) جبکہ کفار بر خوف طاری ہوگا اسلیے کہ وہ عذاب کا فزون کے لیے مقرر ہے) شاہد کرتے ہوئے ولا ہم لجزاؤن (اور نہ حزن ہوگا اونکو) نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی جائیگی اونکو بہشت کی راہ ترجم۔ اللہم اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین و المؤمنات واجعلنا من الذین لا خوف علیہم ولا ہم لجزاؤن۔

شومی شامی کا سنکر حضرت میر لطیف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ سناتے یہ اپنے ہی منہ سے کیسا خود ہی قائل ہو گیا اپنے ہی نفس سے اسے خود ہی خاصیت کی پھر فرمایا کہ کیوں یونسؑ کو کچھ مناظرہ میں مداخلت نہ کرنے کی عرض کیا کہ میں نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ میں اس میں دخل نہیں رکھتا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ فدوی حضرت پر فدا ہوئے حضرت سے سناتھا مکالمہ و مناظرہ کو منع فرمایا تھا اور ارشاد ہوا تھا کہ دلیل و عذاب اوں لوگوں کے لیے جو کلام کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ دلیل درست ہے وہ درست نہیں ہے اس سے مطلب نکلتا ہے اوس سے نہیں نکلتا یہ ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ سنکر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں یہ مینے کہا تھا مگر اوں لوگوں کے لیے کہ جو ہمارے قول کو ترک کرتے ہیں اور جو اونکے دلیلیں آتا ہے کہتے ہیں پھر مجھے ارشاد ہوا کہ باہر دیور ہی پر جا کر دیکھو کہ کوئی تکلیف میں سے ہے اگر ہو تو اوسکو اذن حضور ہی دو اور اپنے ساتھ لیے آؤ۔ میں گیا اور حمزہ بن عیینہ اور احوال۔ اور ہشام بن سالم کو بلا لایا اور انکو علم کلام و مناظرہ میں اچھی مداخلت تھی اور قیس بن ماصر کو بھی حاضر کیا اور میرے نزدیک قیس بن ماصر ان سب سے بہتر تھے اور انہوں نے علم کلام حضرت علی بن الحسین امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاصل کیا تھا۔ سب حاضر ہوئے اور باطمینان بیٹھے۔ یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا معمول تھا کہ چند روز قبل حج کے اوس پہاڑ پر جو حرم کے پہلو میں واقع ہے دو چوبہ خیمہ میں جو خاص حضرت کے واسطے نصب کیا جاتا تھا تشریف فرما رہتے تھے۔ جب یہ سب لوگ بیٹھ لیے تو حضرت نے اوس خیمہ سے باہر سر مبارک نکال کر ملاحظہ فرمایا یکایک نگاہ فرمائی تو دیکھا کہ ایک اونٹ دوڑتا چلا آتا ہے اوسکے دیکھتے ہی حضرت نے فرمایا کہ قسم ہے خداے خانہ کعبہ کی ہشام ہیں۔ یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید ہشام کوئی شخص اولاد حضرت عقیل میں سے ہیں جسے حضرت کو اس درجہ شدید محبت ہے۔ ابھی میں یہ خیال ہی کر رہا تھا کہ وہ آپہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ ہشام بن الحکم ہیں اور ابھی اونکے سبزہ خط آغاز ہے۔ اور ہم میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ اوں سے سن میں زیادہ نور اوی حدیث کا بیان ہے کہ حضرت نے اونکے واسطے جگہ کشادہ کی اور فرمایا کہ خوشا حال ہمارے ناصر کا کہ دل سے اور زبان سے اور ہاتھ سے ہمارے سے نصرت و مدد کرتا ہے۔ اسکے بے حضرت نے۔ حمزہ۔ فرمایا کہ اس مرد شامی سے کلام کرو۔ حمزہ نے اوس سے مکالمہ کیا اور اوس پر غالب آئے۔ پھر حضرت نے احوال سے فرمایا کہ تم اس سے کچھ باتیں کرو اودنوں نے بھی کلام کیا اور اوس پر غالب آئے۔ پھر حضرت نے فرمایا ہشام بن سالم تم اسے مکالمہ کرو پس اوں دونوں میں گفتگو ہوئی پھر حضرت نے قیس بن ماصر سے ارشاد کیا کہ تم اس سے گفتگو کرو اودنوں نے بھی تعمیل حکم کی۔ اور گفتگو کی ان دونوں کی گفتگو سنکر حضرت بہت ہنسے کہ اس شومی نے کیسی کیسی افتادین اوتھائیں اور جب جوڑیاں کھائیں۔ پھر حضرت نے اوس شامی سے فرمایا کہ اب تو اس کمسن لڑکے سے مناظرہ کر لیجئے ہشام بن الحکم سے اوسنے کہا بہت اچھا (دلیلیں سمجھا دیں) کہ بچے کو دو باتوں میں بدلا لو گنا جہی بہت خوشی سے کہا جی ہاں بہتر یہ کہ ہشام سے کہنے لگا کہ اے لڑکے اس شخص کی (اشارہ کر کے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف) امامت میں میری تسلی کر دی۔ یہ سنکر (بی ادبانه کلام) ہشام بن الحکم کو غضب و غیظ آگیا اور مارے غصہ کے کاٹنے لگے (مگر غصہ کو روک کے) کہا کہ اے شامی یہ بتا کہ تیرا خدا اپنے مخلوقات اور بندوں کا نگاہبان اور اوسکے حال کا ناظر ہے یا ہر بندہ اپنی خوشی خاطر اپنا آپ ہی حافظ و ناصر ہے۔ شامی نے کہا بلکہ میرا پروردگار مالک و مختار اوں سب کا نگاہبان ہے

ہشام نے کہا کہ پھر اپنے اونکے لیے کیا کیا اور کونسا طریقہ بتایا۔ شامی نے کہا کہ اونکے واسطے حجت و دلیل کو قائم کیا تاکہ وہ متفرق اور مختلف نہو اور وہ حجت خدا دن سب کو ایکجا رکھے اور اونکی نالیف کرے اور نین محبت کو قائم کرے اور اونکے خدا کی غرض و غایت سے اونہیں خبر دی۔ ہشام نے کہا وہ حجت خدا کون ہو۔ شامی نے کہا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہشام نے کہا کہ بعد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کون ہے۔ شامی نے کہا کہ کتاب خدا اور سنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ آج بھی ہمارے کتاب سنت سے یہ نفع پہنچ سکتا ہے کہ وہ ہم میں سے اختلاف و نزاعات کو برطرف کرے۔ شامی نے کہا کہ ہاں۔ ہشام نے کہا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم میں اور تم میں اختلاف ہے اور خاص کر تم ہماری مخالفت میں شام سے یہاں تک آئے۔ یہ سنکر شامی ساکت ہو گیا۔ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اوس شامی سے ارشاد فرمایا کہ اب کیون نہیں کلام کرتا کیون ساکت بیٹھا ہے۔ شامی نے کہا کہ اگر کہتا ہوں کہ ہم میں اور تم میں اختلاف نہیں ہے تو جھوٹ ہے اور اگر کہتا ہوں کہ کتاب سنت و دین ہم سے اختلاف کو رفع دفع کرتے ہیں تو بھی قول باطل ہے اسلیے کہ ان دونوں معنوں میں کئی کئی احتمال نکل سکتے ہیں۔ اور اگر کہتا ہوں کہ اختلاف تو ہے مگر ہم تم دونوں حق پر ہیں تو پھر کتاب و سنت کا کوئی نفع اور فائدہ نہیں رہتا۔ اور اسوقت میں ہماری یہی حجت تھی۔ یہ سنکر حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ پھر تو انہیں ہشام سے یہ سوال کر کہ تجھ کو جواب دینگے اور تو انکو علم کلام و کمال سے مبرا پراپا پگیا۔ پس اوس شامی نے ہشام کے لئے کہ ذرا سینے۔ آپ کا پروردگار نگہدار مخلوقات اور انکا ناظر حالات ہے یا خود ہر شخص اپنا حافظ و ناصر اور اپنے احوال کا ناظر ہے۔ ہشام نے کہا کہ اوںکا پروردگار اونکے نفسوں سے زیادہ اونکے حالات سے خیر دار اور اونکے نفع و ضرر سے واقف کار اور اوںکا ناظر و نگہدار ہے۔ شامی نے کہا تو کوئی راہ اونکے لیے ایسی بتائی ہو جو اونکو ہنر بان کرے اور آپس میں ارتباط کا سامان اور اونہیں حق و باطل کا بیان کرے ہشام نے کہا عہد رسالت میں پہنچتے ہو یا اب اس زمانہ کا حال دریافت کرتے ہو۔ شامی نے کہا کہ موجودگی جناب سالما میں تو خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اب اس زمانہ میں کون ہے۔ ہشام نے کہا کہ اب اس زمانہ میں یہ جناب ہیں جو یہاں تشریف لکھتے ہیں (یعنی حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق) جنکی خدمت میں تمام لوگ توبہ و بعید کے حاضر ہوتے ہیں اور اپنے باپ طاہرین و اجداد طیبین سے دراشتہ حالات و اخبار سموات ہم لوگوں نے بیان فرماتے ہیں۔ شامی نے کہا کہ مجھے یہ کیونکر معلوم ہو اور اسکی تصدیق کیونکر کروں۔ ہشام نے کہا جو تیرے جی میں آئے ان حضرت سے دریافت کر۔ شامی نے کہا بیشک تمہیں میرے عذر کو رفع کیا اب مجھ پر سوال و دریافت حال لازم ہوا۔ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اوس شامی سے ارشاد فرمایا کہ میں تیرے حالات و طریقہ سفر بیان کروں۔ تیرا سفر اس طرح ہوا اور تجھ پر سفر میں یہ واقعہ گزرا۔ شامی نے توجہ سے سنا اور قبول کیا اور کہتا تھا کہ آپ صحیح ارشاد فرماتے ہیں۔ اب میں اسوقت سے مسلمان ہوا۔ حضرت ابو عبد اللہ نے ارشاد فرمایا۔ بلکہ اب تو مومن باللہ ہوا اور خدا کا ایمان لایا اسلیے کہ اسلام قبل ایمان ہے اور اسلام ہے کی بنا پر آپس میں میراث پاتے ہیں اور نکاح صحیح ہوتے ہیں۔ اور ایمان لانے سے شاب ہوتے ہیں اور ثواب و نعمت ہائے اخروی پاتے ہیں۔ یہ سنکر شامی نے کہا بجا ارشاد ہوا۔ اب میں سچے دل سے گواہی دیتا ہوں اشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصی الاوصیاء

اسکے مومن ہونے کی بنا حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام متوجہ ہوئے۔ حمران کی جانب اور فرمایا کہ تم کلام موافق احادیث کرتے ہو اور ٹھیک ٹھیک کہتے ہو اور راہ صواب درست پر چلتے ہو۔ اور ہشام بن سالم کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم قصد و ارادہ احادیث و روایات کا کرتے ہو لیکن اچھی طرح اوس سے معرفت نہیں رکھتے۔ پھر احوال کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم بڑے قیاسی ہو عقلی تنگے لگاتے ہو اور باطل کو باطل ہی سے مٹاتے ہو مگر بات یہ ہے کہ تمہارا کلام اگرچہ باطل ہے مگر اوسکے باطل سے روشن اور زیادہ ظاہر اسکا حاصل ہے۔ پھر قیس بن ماصر کی طرف التفات فرمایا اور ارشاد کیا کہ تم کلام کرتے ہو اور بہت قریب ہوتا ہے کلام را اخبار جناب رسالت مآب سے اور دور ہوتا اس بات سے کہ اوسمین باطل مخلوط ہوا اور ملے۔ اور تھوڑا کلام حق کافی ہے کلام باطل سے اگرچہ زیادہ ہو۔ تم اور احوال بڑے غصہ ور اور بڑے جھگڑاؤ ہو۔ یونس کہتے ہیں کہ والنتہی مجھے گمان تھا کہ ہشام کے بارے میں بھی قریب اسی کے ارشاد ہو گا جیسا کہ ان دونوں کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ پھر حضرت نے ہشام سے ارشاد فرمایا کہ اے ہشام یہ بھی نہیں ہوئے پاتا کہ تمہارے تلوون سے زمین چھو جائے کہ تم پھر فراٹے بھر کر طیار ہو جاتے ہو۔ تمہاری ہی طرح کے لوگوں کو چاہیے کہ لوگوں سے مکالمہ اور مناظرہ کیا کریں۔ تمکو چاہیے کہ لغزش سے بچے رہو اور اسکے تواضع و انشاء ہم شفاعت کر ہی لینگے۔ مولانا صالح کہتے ہیں کہ اس قول میں حضرت کے فائت اذن شریات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ (تو اب تو اس وقت میں شریک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے) دلالت اور اشارہ ہے کہ اصول عقائد میں بھی چاہیے کہ موافق کلام صاحب شرع کے ہو اور اوٹھین کی طرف اوسکے اسناد ہو جس طرح فروع دین میں اوٹھین کے قول و حکم پر اعتماد ہے۔ اور سید شریف نے بھی شرح مختصر کے حاشیہ میں اسی کی تصریح کی ہے۔ اور فاضل امین استر آبادی نے فوائد مدینہ میں اس بارہ میں بہت مبالغہ کیا ہے اور جو لوگ اپنی عقل سے معارف الہیہ اور اصول دینیہ میں کلام کرتے ہیں اوپر طعن و تشنیع کی ہے اور یہی حق صریح اور مذہب صحیح ہے و الا لازم آئیگا کہ جو اپنی عقلوں کے موافق اس راہ میں چلیں اور طریقہ میں خطا کریں وہ بھی روز قیامت معذور رہیں۔ پھر اسکے بعد لکھتے ہیں کہ یہ جو حضرت نے ارشاد فرمایا۔ بد کہ اگر ترک کرینگے اون باتوں کو جنکو میں کہتا ہوں اور چلیں گے اوس راہ پر جنکو انکا مہی چاہتا ہے دیکھ لکھائے ہوئے مطلبوں پر اور بدعتی مقدموں پر جنکا چلنے والا حق سے دور ہوتا ہے اور ٹھیک ٹھیک راہ سے ہٹ کر گمراہی میں پڑتا ہے۔ اسمین اشارہ اور دلالت ہے کہ علم کلام حق ہے لیکن ضرور ہے کہ وہ باتیں معصومین علیہم السلام سے سنے ہوئے ہوں۔ اور عامہ (اہل سنت) نے کلام کے نہایت مشابہت سے مذمت کی ہے اور اگر تم اسکی معرفت حاصل کرنا چاہتے ہو تو سُنو ہم کہتے ہیں کہ عیاض نے تفسیر و بیان میں اس روایت کی جو مسلم نے جناب رسالت مآب سے نقل کی ہے کہ فرمایا جناب رسالت مآب نے وہ کہ سب سے بڑے خدا کا دشمن جس پر سے زیادہ خدا غضبناک ہوتا ہی اللہ الخصام ہے، کہا ہے کہ اللہ وہ ہے جسے بہت شدید خصومت و رنجش رکھتا ہو اور الخصم وہ ہے جو عاذاً و کامل خصومت میں ہو۔ اور قرطبی نے اسکے حل میں لکھا ہے کہ خصم لبکون صاد اور لبکیر صاد اسم ہے

خاص اور خصوصیت رکھنے والی کا۔ اور خصم مغضوب وہ ہے جو اپنے خصوصیت کے سبب حق کو دفع کرے فاسد و باطل دونوں سے اور زیادہ بدتر وہ ہے جو ایسی خصوصیت دین کی باتوں میں رکھے جیسے اکثر متکلمین ہیں کہ اس طریقہ سے جسکی ہدایت اور رہنمائی کی ہے کتاب و سنت اور سابقین امت نے اعراض و روگردانی کرتے ہیں اور طریقوں کی طرف جو اونہوں نے دل سے نکالے ہیں اور ان اصطلاحوں کی طرف جو قرار دیے ہیں اور جمالی قاعدوں کی طرف جو مقرر کیے ہیں اور قاعدوں کے لینے والے اور انہیں قاعدوں کے سبب سے کبھی ایسے شبہ میں پڑتے ہیں کہ جسکو اونہا نہیں سکتے اور اس کے دماغ کو کھٹکے۔ عاجز ہو جاتے ہیں اور کبھی ایسے شبہ وارد ہوتے ہیں کہ جس کے سبب ایمان جاتا رہتا ہے۔ اور انہیں زیادہ انفصال اور خوب جگہ فیصل کرنے والا وہ شخص ہے جو زیادہ جہلی اور بہت مجاہدہ کرنے والا ہو لیسہ موقوف نہیں ہے کہ سب سے بڑا عالم ہو کیونکہ بہت سے ایسے عالم انہیں ہیں کہ یہ تو جانتے ہیں کہ فلاں شبہ باطل و فاسد ہے مگر اسکی کون سی قوت نہیں رکھتے۔ اور بہت سے انفصال و شبہ کے رد کرنے والے ہیں کہ وہ شبہ رد کر دیتے ہیں مگر اس کے حق و باطل ہونے کا علم نہیں رکھتے اور اسکی حقیقت کو خوب نہیں سمجھتے۔ پھر انہیں متکلمین نے طح طرح کے محالات و خیالات نکالے ہیں جنکو بچے ہی پسند نہیں کرتے کبھی جو ہر کے متحیر ہونے کا بیان کرتے ہیں کبھی احوال و اکوان پر لڑتے ہیں۔ پھر ہی متکلمین ہیں کہ ان چیزوں میں بحث کرتے ہیں جس میں پہلے لوگوں نے بحث نہیں کی اور ساکت رہے۔ یہ بحث کرتے کہ صفات خدا کے تعلق کی کیونکہ کیفیات ہیں اور کہتے ہیں کہ ذات خدا سے صفات متحد ہیں یا عین ذات ہیں یا غیر ذات ہیں۔ اور کلام خدا واحد ہے یا منقسم ہے اور تقسیم کلام خدا بطور نوعوں کے ہے یا بطور وصفوں کے اور اس کلام کو ازل سے امور کے ساتھ کیونکہ تعلق ہوا یہ تعلق باقی ہے یا نہیں اور امر نمازعین امر زکوۃ ہے یا زائد اسی طرح اور بہت سی بحثیں ہیں جنکی حجت کا شارع نے حکم نہیں کیا اور ان کے اصحاب نے اور ان کے تابعین نے انہیں سکوت کیا۔ اس لیے کہ یہ بحث ہے اسکی جسکی حقیقت و ماہیت کا علم نہیں ہے اور جو شخص کہ عاجز اپنے نفس کی حقیقت و ماہیت دریافت کر فیہ ہو حالانکہ وہ ہر وقت اس کے پہلو و نہیں موجود ہے تو ایسا شخص بہت زیادہ عاجز ہو گا اسکی حقیقت دریافت کرنے میں جو ایسی شے نہیں ہے۔ اور نہ اسے علم علما اور نہایت ادراک عقلیہ ہے کہ وہ قطع و یقین کریں

۱۵ اور مثل انہیں کے اس زمانہ میں پجری لوگ ہیں کہ اپنے کو سچا اور پکا مسلمان بتاتے اور ٹھہراتے ہیں حالانکہ طریقہ کتاب و سنت پر نہیں چلتے بلکہ اپنے مطلب کے موافق کتاب خدا کے معنی ٹھہراتے ہیں خلاف سنت کے اور یہی مراد تفسیر بالراے سے ہے البتہ اگر احتمالاً اور معانی کا ذکر کریں جو خلاف سنت ہوں اگرچہ روایات میں وارد ہوں نہ بطور جزم و یقین تو احتمال جو ازہے حالانکہ وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ سنت کی مخالفت کرتے ہیں اور آیات کے معنی پر موافق اپنی راے کے جزم و یقین کرتے ہیں یہ ناجائز ہے محض عرفی جائز ہے اور لفظی معنی پہنچانے سے قرآن کے معنی نہیں جرات لگنا چاہیے بلکہ ناقتیکہ علم حدیث و علم کلام و فقہ و اصول وغیرہ سے واقفیت نہو آیات کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔ کیا معنی ظاہری اور لفظی پر ان آیات کے "یہ اللہ اعلم حفا" کا وجہ اللہ نہ خدا کا "عل جائز ہے اسی طرح سب آیات کو سمجھنا چاہیے۔ اپنی طرف سے جرات معنی ظاہری لفظی مجہد کے لگنا چاہیے ۱۲ مترجم۔

۱۶ بیہودہ غلط عامہ الورد کہ اسکا باطل ہونا سب کو معلوم مگر اس کے حل میں کیا کیا دقتیں اور ٹھارے ہیں ۱۲

و جو فاعل مصنوعات و مصالح کائنات کا جو مندرجہ ہے صفات مخلوقات سے اور موصوف ہے تمام کمال صفات سے
 پھر جب ہم کو خبر دی کوئی صادق اوسکے کسی نام یا کسی اوسکے کسی صفت سے اوسکو قبول کریں اور جس سے وہ تعرض
 نہ کریں ہم بھی اوسمین ساکت رہیں اور یہی اگلے لوگوں کا طریقہ ہے جس پر چلا کیے ہیں۔ اور کافی ہے زجر و توبیخ میں عدم
 خودی سے طریقہ تکلیف میں وہ کلام جو اگلے لوگوں نے کہا ہے اور عمر بن عبد العزیز سے بھی نقل ہوا کہ یہ جلال مناظرہ
 دین کی کسی شے میں داخل نہیں ہے اور شافعی نے کہا ہے کہ اگر بندہ سوائے شرک کے کسی گناہ سے بھی باز رہے اور
 جسکو خدا نے منع فرمایا ہے عمل میں لائے یہ بہت ہے اس امر سے کہ کلام و مناظرہ میں زبان ہلائے اور یہ شافعی کا قول ہے
 جب کسی شخص کی زبان سے نہ ہو کہ وہ کہتا ہے کہ اسم عین سنی ہے یا غیر سنی تو گواہ رہو کہ وہ اہل کلام سے ہے اور
 دین سے اوسکو سروکار نہیں ہے۔ اور یہ بھی اوسکا کلام ہے کہ حکم میرا اہل کلام کے بارے میں یہ ہے کہ اوسکو خوب
 مارو اور تمام شہروں میں اور قبیلوں میں پھراؤ کہ یہی جزا و سزا اوس کی ہے جو کتاب و سنت کو ترک کرے اور کلام
 کو لے۔ اور اس نے کہا ہے اہل کلام کو کبھی خیر و خوبی حاصل نہو گی اہل کلام زنا و فحش ہیں۔ اور ابن ابی عقیل کا بیان ہے
 کہ مجھے قطع و یقین ہے کہ صحابہ مر گئے اور جو ہر دوسرے سے واقف و عارف نہوے پس اگر تم چاہتے ہو کہ اونکی طرح ہو تو
 بہتر کہ اونہیں کی طرح ہو اور اگر تمہاری رائے یہ کہنے تکلیف کا طریقہ اونکے طریقہ سے اچھا ہے تو بہت بری تمہاری رائے ہے
 بہت ایسا ہی ہوتا ہے کہ اہل کلام کو کلام سے شکوک و ادہام حاصل ہو جائیں اور بہت سے کفر و الحاد کی طرف مائل ہو
 جائیں۔ اور اصل یہ ہے کہ وہ لوگ اون باتوں پر جو شریعتوں میں وارد ہوئے ہیں قناعت نہیں کرتے اور حقیقتوں اور
 باتوں کا خیروں کے حاصل کرنا چاہتے ہیں بھلا عقل کو اتنی قوت و طاقت کہاں ہے کہ وہ خدا کی باتوں اور اوسکی حکمتوں کو
 جسمین اوسکا کوئی شریک نہیں ہے دریافت کر سکے۔

بہت سے تکلیفیں ایسے تھے جنہوں نے بعد مدت مدید کے جب لطف خدا اونکے شامل حال ہوا اور حق تعالیٰ نے
 اونیہ اپنے آیات و علامات کو ظاہر فرمایا کلام سے رجوع کی۔ اونہیں میں سے امام ابوالمعالی ہیں جنکی حکایت
 معتد و موثق لوگوں نے بیان کی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ٹھیک ٹھیک بات یہ ہے کہ اہل اسلام اور اونکے علم نہایت
 جلیل المنزلت رفیع المرتبت ہیں میں دریائے عظیم ذخائر ناپید انکار پر چڑھا اور جس سے اونہوں نے منع کیا تھا
 اوسمین میں غوطہ لگایا۔ اسیکی رغبت تھی کہ حق کو طلب کروں اور تقلید سے کسی طرح بھاگ کر نکلوں۔ لیکن اب
 ان سب باتوں کو چھوڑا اور اس لا حاصل سے منہ موڑا۔ اور کلمہ حق کی طرف آیا (جس پر اگلے لوگوں کو اہل اسلام
 سے پایا) لکھو لازم ہے کہ دین عجائز اختیار کرو۔ (بڑھوں بڑھے مسلمانوں کے مضبوط دین و طریقہ پر چلو) اور
 اپنی عاقبت امر کو چل چلاؤ کے وقت کلمہ اخلاص پر ختم کرتا ہوں (اور دین اسلام پر مہم ہوں)۔

اور ابن جوینی کا اپنے اصحاب و احباب سے یہ قول تھا کہ تم کلام میں مشغول نہو۔ اگر میں پہلے سے جانتا کہ کلام مجھ کو
 اس حالت پر پہنچاؤ گا جس پر مجھ کو پہنچا یا تو میں کبھی اس میں مشغول نہوتا۔ اور احمد بن سنان کا بیان ہے کہ میرے ماموں
 ولید بن ابان کا جب وقت انتقال قریب ہوا تو اودنہوں نے اپنے لڑکوں سے کہا کہ تمکو معلوم ہے کہ کوئی شخص مجھے زیادہ
 علم رکھتا ہے اون سب نے کہا کہ نہیں ولید بن ابان نے لہذا پھر میں جو تمکو وصیت و نصیحت کروں اوسکو مانو اور عمل کرے
 سب نے کہا جی ہاں۔ ولید بن ابان نے کہا کہ تمکو واجب و لازم ہے اصحاب و علمائے حدیث ہی کا مذہب و طریقہ امتیاز
 کرو اونہیں کے چلن پر چلو کیونکہ میں نے حق کو انہیں کے ساتھ دیکھا ہے اور میری رائے میں حق اونکے ساتھ ہے۔

اور ابن ابی عقیل نے کہا ہے کہ میں نے تمام عمر اپنی علم اصول و کلام میں کاٹی لیکن پھر اولے پاؤں کتابوں کے مذہب پر پھر آیا (اور اہل حدیث و کتاب کی طرف پلٹا) اور شہرستانی نے اس کے حال کا وصف بیان کیا لیکن کلام میں سے کچھ بھی نہ پایا اور اس کے آل تک نہ پہنچا آخر کو تمیز ان شعرون کو نظم کیا۔ **۵** عمری لقد طفت المعاهد کلہا و سیرت طرفی بین مذات المعالہ فلہ اسراکلا واضعا کف جائزہ علی ذقن او قارعا من نادم۔
(مجاہد اپنی جان کی قسم کوئی مقام اس کو بچہ کا بننے نہیں چھوڑا کہ وہاں کا پھیرا نکلیا۔ اور جہان عیان علم کا نشان اور سراغ ملا اور دھرا و دھڑھرا کر پڑا۔ نظر کو دوڑایا۔ بنے تو کسی کو کبھی نہ دیکھا کہ وہ حیران و پریشان نہ بیٹھا ہوا اور ہاتھ پر سر جھکا کر اور دانتوں میں اونگلی دبائے ہو (اپنی بوٹیاں نہ کاٹتا ہو)۔

اور بعض علمائے جو کہا ہے کہ قوم نے بہت انکار علم کلام سے کیا ہے۔ اور شرف و بزرگی علم کلام کی طرف سے غفلت کا پردہ اونپر پڑا ہے۔ اس لیے کہ یہ علم کلام سب علموں کے اشرف و برتر ہے۔ کیونکہ اس کا موضوع (جس کے حالات سے بحث کریں) وہی ذات خدا کے لایزال ہے۔ اور جو اس کے لیے واجب اور جو کچھ اس پر محال ہے تمام علموں کے موضوعات سے افضل و بزرگ تر ہے۔ اور اس لیے کہ جو علم سوا اس علم کلام کے ہے وہ آخرت میں معدوم ہو جائیگا اور یہ علم معدوم و فانی نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ جس کے متعلق ہے وہ باقی رہے گا۔ بلکہ اس کا علم اور زیادہ وسعت پائیگا۔ اس لیے کہ جو حکم علم کلام سے دنیا میں نظر و دلیل سے حاصل ہوگا۔ وہ آخرت میں عیان و ظاہر و بدیہیات میں داخل ہوگا۔ اور یہ تحقیقی بات ہے کہ علمائے اتفاق و اجماع کیا ہے کہ ہر زمانہ میں واجب ہے کہ کوئی شخص ایسا ہو جو علم کلام کا کار اور اس کو جانے۔ تاکہ شبہوں کو ہٹائے اور جو کہ مسلمانوں کے عقیدوں پر اعتراض کرے اس سے مناظرہ کرے اور اس کے اعتراضوں کو ٹھائے۔

پس جواب ان بعض علماء کے قول کا یہ ہے کہ جو شخص علم کلام کی تردید کرتا ہے اس کا مقصود یہ نہیں ہے کہ وہ شرف علم کلام سے انکار کرے اور اس کے فوائد کے منقطع اور فتنے کو نہیں کہتا اور علاوہ اس کے کسی ایسی چیز کا انکار کرتا ہے جو اوسمیں نقص پیدا کرے بلکہ وہ منکر کلام یہ کہتا ہے کہ علم کلام ایک غرض و دقیق و مشکل علم ہے جسکی حقیقت سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا یا وہ جانتا جسکو حق تعالیٰ خطاؤں سے محفوظ رکھے (یعنی معصومین میں) اور اس کے سوا اگرچہ ایسا ہی مبلغ علم اس کا ہوا احتمال اس سے خطا و ضلالت کا اور بہک اور بھٹک جائیگا ہے اس لیے کہ معدوم وہی ہو جسکو خدا معصوم رکھے اور اسکی حفاظت کرے (ہر شخص ایسا نہیں ہو سکتا) خلاصہ یہ ہے کہ اہل کلام کو واجب و ضرور ہے کہ وہ معصوم ہو یا معصوم سے اسے نہ مانا ہو۔ اور قول معصوم بیان کرے اور قول مام جعفر صادق علیہ السلام میں بھی اسکی تصریح ہے بیان تک تمام ہوا کلام جناب مولانا صالح رہا۔

اب میں کہتا ہوں اور حق تعالیٰ سے توفیق چاہتا ہوں تحقیق میں اس مقام کے اور نتیجے میں اس مقصود و مرام کے۔ وہ یہ ہے کہ الحمد للہ میں نے توفیق و تائید پروردگار عالم سے سابق میں ثابت کیا کہ معرفت خداوند عالم بدیہی نظری نہیں ہے اور اسکی تائید و شہادت میں بہت سے علمائے محققین کا قول بیان کیا۔ انہیں سے جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ اور جناب شیخ مفید رحمہ اللہ ہیں۔ اور آیات کثیرہ اور احادیث مستفیضہ بکثرت اس قول پر دلالت کرتے ہیں کہ بعد ان کے ملاحظہ کے جنکو ہم نے بیان کیا ہر کسی عاقل بصیر و ناظر خیر کو حجت و انکار ہمارے قول سے نہیں رہتا۔ اور یہ بھی دریافت ہو چکا کہ اتفاق و اجماع ہے اس امر پر معرفت خدا واجب ہے مگر چند لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ وہ قابل اعتناء نہیں ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معرفت کا وجوب ہمارے نزدیک عقلی ہے۔ پس ایسی صورت میں ہر عاقل کو ضرور اور واجب ہے کہ جب باطن ہو یا ادس کے قبل ہی نظر و فکر کرے تاکہ معرفت باری تعالیٰ اور سکون بدلیل حاصل ہو۔ اور اس میں بھی کوئی شبہ و شک نہیں ہے کہ یہ کتنا کہ استدلال کرنا وجود مصلح عالم پر اور ہر اوس چیز پر کہ جسکی معرفت معرفت نبی پر مقدم ہے واجب ہے کلام نبی یا وحی نبی سے اوس شخص کے لیے جسکو معرفت واجب تعالیٰ جو مقدم ہے معرفت نبی و وحی پر حاصل ہو یا زیادہ فیج اور نہایت فاسد ہے قول اشاعرہ سے جو کہتے ہیں کہ معرفت خدا کا وجوب عمومی ہے اور مفروضہ عمومی دلیلوں میں ہے۔ اور یہ کہ اسکا بھی علم حتمی اور یقین جزمی ہے کہ کل انبیاء اور تمام اوصیاء علیہم السلام ہمارے قول پر متفق ہیں اسلیے کہ ہرگز یہ نہیں ہو سکتا اور اجازت نہیں ہے کہ انبیاء و اوصیاء معاذ اللہ خطا کریں اور مخالفات قطعیات و یقینیات عقلی کے حکم کریں۔ اور یہ بھی ایک طریقہ اہل راہوں سے ہے جسے تحصیل اجتماع اصطلاحی علمی اور یقینی طور سے علماء امامیہ کے نزدیک ہوتی ہے اور یہی استفادہ بھی ہے شیخ الطائفہ ابی جعفر طوسی رہ کے کلام سے تو اب ساقط و باطل ہو گیا وہ کلام جو مولانا صالح رد نے فرمایا ہے کہ اہل کلام کو واجب ہے کہ یا معصوم ہو یا معصوم کے کلام کو سنا ہو۔ پس اب صحیح و ٹھیک یہ ہے کہ کہا جائے کہ واجب مکلف پر اتنا ہے کہ مکلف میں معرفت واجب الوجود کا حاصل کرنا ہے ایسی دلیلوں سے جو معرفت تک پہنچا دیں۔ خواہ ان دلیلوں کے مقدمات حدس صحیح و صائب سے معلوم ہوں یا نظر و فکر سے مفہوم ہوں یا ہدایت سے عقلا و کلام و علماء کے حاصل ہوں۔ اور اشرف و افضل اسمین انبیاء و اوصیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اسی سبب تعلیم و ہدایت سے اور اسی مصلحت کی رعایت سے تمام کتب آسمانی و صحیفہ یزدانی اور اخبار انبیاء و آثار اوصیاء علیہم السلام الثبوت و الثناء مشحون و مملو ہیں اور دلائل عقلیہ اور براہین قطعیہ سے جو واجب الوجود اور اسکی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کو اور اسکی عدالت اور انبیاء کے نبوت وغیرہ کو ثابت نہیں اور اس بیان سے ہمارے ایک امر اور ظاہر ہوا کہ ہر دلیل عقلی جو کتاب خدا اور سنت رسول صحت بیان ہوئی ہے ایسی نہیں ہے کہ جسکے تمام مقدمات بدیہیات اولیہ میں سے ہوں اور اسکے اتمام کی ضرورت نظر و فکر سے نہ پڑے۔ تو اب جو شخص چاہے کہ اولی دلیلوں سے اپنا مطلوب حاصل کرادے ضرور ذرا بدہ ہے کہ اولی دلیلوں کے مقدمات میں نظر و بحث کرے۔ اور اسی طرح پر عالم متکلم پر واجب ہے کہ اشرف کرے دین خدا اور رسول و آئمہ ہدایہ علیہم السلام کی اس طرح کہ اور دلیلوں کے مقدمات کو اتمام کو پہنچائے۔ اور مخالفین و معاندین جو شبہے اوپر وارد کیے ہیں انکو دور کرے اور ہٹائے۔ اور اسی طرح اوس چیز کو جو مخالفین نے مقدمات فاسدہ سے اپنے مطالب کا سدہ پر استدلال کی دفع کرے اور اٹھائے۔ اور یہی مقتضایہ ہے وجوب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کہ اچھی چیزوں کو شایع کرے اور بھلا سے اور بُری باتوں سے منع کرے اور انکو اٹھائے۔ اور یہی مقتضایہ ہے اور احادیث کثیرہ کا جو شامل ہیں حش و ترغیب و تخریص پر نصرت دین کی اور قائم کرنے میں اولہ و براہین کے رفع و دفع کرنے میں مشہدات مخالفین کے۔ اور یہ قول کہ جو مقدمات دلیل کے مقدمات ہوں یا دلیلوں کے مقدمات مقدمات مقدمے ہوں وہ سب واجب ہے کہ کلام معصومین سے حاصل ہوں اور ان سے گئے ہوں ہیتر سے یہ بھی قول کہ لازم کہ جن چیزوں سے شبہات مخالفین و کافریں دفع کیے جائیں وہ سب کے سب معصومین سے گئے ہوں۔ باب اشرف دین کو بالکل سد و دوزخ کرتا ہے اور دلائل و براہین کو پاس نہیں آنے دیتا ہے اور اسکے سبب ارکان شرح متین میں بہت بڑا وہن آتا ہے اور فساد پڑتا ہے اسلیے کہ یہ بات بدیہی کہ بہت سے مقامات لاف و دلائل تھیں ان

ان امور سے خالی ہیں اور انہیں احادیث صحیحہ وارد نہیں ہوئی ہیں۔ اور یہ امر جو سائل علم کلام پر نظر کرے اور سپر
ظاہر ہو جائیگا اور رجوع کرنے والا اصول دین کے مسائل میں اس امر سے خوب ماہر ہو جائیگا۔ اور ہم یہ بھی
کہتے ہیں کہ جو شخص متبع کرے احادیث و اخبار کا اور تصنیح کرے آثار و روایات آئمہ اطہار کا تو وہ بخوبی واقف
ہو جائیگا اور اوپر مضمنی نہ رہے گا کہ ہمیشہ ہمارے اسلاف گزشتہ و اصحاب ماضیہ کا جو صحبت آئمہ علیہم السلام
مشرف ہوئے ہیں جنکے حق میں مدائح عظیمہ و مناقب جلیلہ وارد ہوئے ہیں یہی داب اور یہی عادت تھی کہ کباحثہ
و مناظرہ کرتے تھے ہر اوس شخص سے جو اصول دینیہ میں اونکے مخالف ہوتا تھا اور ایسا اکثر مقامات میں واقع
ہوا ہے کہسی ایسی دلیلوں سے جو محض خالص عقلی ہوتی تھیں کہسی ایسے براہین سے جو مرکب دلیل عقلی و نقلی
و دونوں سے ہوتی تھیں مختلف مسموں کی کئی طریقوں سے دلیلیں لاتے تھے جس میں کسی طرح تاویل نہیں ہو سکتی اور
یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ سب آئمہ خصوصاً علیہم السلام سے سنی ہوئی تھیں۔ شیخ الاسلام و رئیس المسلمین
جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ جنکے واسطے دو توفیقین دو فرمان واجب الازعان جناب حضرت صاحب العصر
والزمان علیہ صلوات اللہ المنان سے وارد ہوئی جو جناب شیخ ممدوح کی مزید جلال و علو قدر و منزلت
پر پیش خدا و رسول خدا و آئمہ ہدایہ علیہم السلام دلالت کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مجالس میں ارشاد فرماتے
ہیں۔ کہ اگر کہا جائے کہ گروہ معتزلہ اور کفرہ حشویہ ہم شیعہوں پر یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم جو مناظرہ کرتے
ہیں وہ اصول امامیہ سے خارج ہے اور اونکے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ایک قوم کی قوم شیعہوں کی
مناظرہ کو دین میں داخل نہیں لیتے اور مناظرہ کرنے کو منع کرتی ہے۔ اور اپنے اماموں سے روایت کرتی
ہیں کہ مناظرہ کرنے والا بدعت کرنا ہے اور اوسکی مذمت میں روایتیں بیان کرتے ہیں۔ تو اسکا جواب
آپ کیا دینگے اور کوئی روایت آئمہ علیہم السلام کی آپ کے پاس ہے اس مناظرہ کی صحت میں یا محض
اعتماد عقل کی محنتوں پر ہے اور اوسکے مخالف پر اگرچہ اجماع قوم ہوا التفات و نظر نہیں ہے۔ پس
اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ معتزلہ اور حشویہ خطا کرتے ہیں کہ جو ہم پر یہ دعو کرتے ہیں کہ ہم مخالف
اپنی جماعت اہل مذہب کے مناظرہ کا استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی طرح جو امامیہ فرقہ میں سے بھی اسکا
مدعی ہو کہ مناظرہ مخالف مذہب امامیہ ہے وہ بھی خطا پر ہے اور جاہل ہے۔ اسلئے کہ فقہاء امامیہ علماء
و روساء فرقہ اثنا عشریہ برابر علم دین میں مناظرہ کا استعمال کرتے رہے ہیں اور اسکی صحت کی تصدیق کرتے
رہے اور خلفاء عن سلف نے اسکی صحت کو قبول کیا اور اسکے جواز پر اعتقاد رکھا اور دین میں اسکو
سمجھا کیے ہیں۔ اور میں نے اپنی کتاب الکامل فی علوم الدین و کتاب الارکان فی دعائم الدین میں بہت اچھی
طرح اس قول کو بیان کیا ہے اور اون لوگوں کے نام جو مناظرہ میں مشہور و معروف تھے اور اونکی کتابوں
کو ذکر کیا ہے اور جو مدائح و مناقب آئمہ علیہم السلام سے اونکے بارے میں وارد ہوئے ہیں بیان
کیے ہیں اور اوسے میں ایک حدیث بیان تھا کہ بیان کرتا ہوں اون احادیث میں سے جو میں نے
اس میں ذکر کی ہیں۔ خبر دی مجھ کو ابو الحسن احمد بن الحسن بن الولید نے اپنے باپ سعید بن عبد اللہ سے
اور انہوں نے احمد بن محمد بن عیسیٰ سے سنا کہ یونس بن عبد الرحمن مولیٰ الیقظین ابو جعفر محمد بن عثمان
کی زبانی حکایت کرتے ہیں اور وہ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں۔

اور جناب کلینی رحمہ اللہ نے کتاب کافی میں ذکر کیا جو کہ کتب شیعہ میں جلیل المرتبہ کثر النفاذ حدیث یونس بن یعقوب ہے حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب ایک مرد شامی مناظرہ کیلئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے یونس سے ارشاد فرمایا کہ اسے یونس اگر تم اچھی طرح کلام کر سکو تو اس مکالمہ کرو یونس نے عرض کی یا حضرت فدا ہوں میں آپ پر مینے سنا ہے کہ آپ کلام کو منع فرماتے ہیں اور ارشاد کرتے ہیں کہ دلیل سے اہل کلام کے لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ دلیل مطلوب کو پہنچتے ہیں اور یہ نہیں پہنچتے اور یہ طلب براری کرتے ہیں اور وہ نہیں کرتے اور اسکو ہم سمجھتے ہیں اور اسکو ہم نہیں سمجھتے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ دلیل اون لوگوں کے لئے ہے جو ہکو ترک کریں اور ہمارے خلافت چلیں۔ پھر حضرت نے حمران ابن اعین و محمد بن طیار اور ہشام بن سالم اور قیس بن المہاجر کو طلب فرمایا اور حضرت کے سامنے مکالمہ و مناظرہ کیا۔ اور ہشام نے سب کے بعد مکالمہ کیا۔ حضرت انکی بہت مدح و ثنا فرمائی اور ہشام سے فرمایا کہ تمہارے امثال کو چاہیے کہ لوگوں سے مکالمہ کریں۔ اور جب طیار کی خبر وفات حضرت نے سنی تو فرمایا کہ خدا انکی رحمت نازل کرے پھر اور انکو فرحت و نزہت و سرور ہو۔ ہم اہلبیت کی طرف سے بہت خصومت و مجاہدہ کرتے تھے اور حضرت ابو الحسن امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے محمد بن حنفیہ سے ارشاد فرمایا لوگوں سے مکالمہ کرو اور حق کو اون سے بیان کرو چسپرم ہو اور جس ضلالت اور گمراہی پر وہ ہیں اسے ظاہر کرو۔ اور حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا کہ لوگوں سے ہمارے کلام سے تجتنب اور دلیلیں لاؤ پس اگر وہ تم سے جھگڑا کریں اس کلام پر تو اونہوں نے ہم سے جھگڑا مول لیا۔ اور ہشام بن الحکم سے جب انہوں نے اسام سے باری تعالیٰ اور اس کے اشتقاق و معانی کو دریافت کیا تھا اور حضرت نے جواب مرحمت فرمایا تو بعد جواب ارشاد کیا کہ اسے ہشام تم خوب سمجھ گئے اس طرح سے کہ ہمارے اعدائے محمد بن اور منکر بن دین خدا کو دفع کر سکو اور اور انکے شیعہ کو باطل کر سکو ہشام نے عرض کیا کہ جی ہاں میں خوب سمجھ گیا۔ اسوقت حضرت نے دعا دی اور فرمایا کہ خدا انکو توفیق عطا کرے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں سے بیان کرو اس راہ ہدایت کو چسپرم اور وہ جس ضلالت پر ہیں اسے اونکی گمراہی بیان کرو۔ اور مبالغہ کرو اور اسے حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے بارے میں ان روایات سے ہمایا ظاہر ہے کہ حضرت نے کلام کرنیکا حکم فرمایا اور مکالمہ کے خواہش کی اور انکو ترغیب و تحریص فرمائی۔ اور اونہیں حضرت سے یہ روایت ہے کہ ایک شخص کو حضرت نے کلام کی ممانعت فرمائی یا اور دوسرے شخص کو حکم فرمایا یہ حال دیکھ کر بعض اصحاب نے عرض کیا کہ فدا ہوں میں آپ پر یہ کیا کہ فلاں شخص کو آپ نے کلام کی ممانعت فرمائی اور اس شخص کو آپ نے حکم دیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا یہ شخص دلیاؤں سے خوب واقف ہے اور اس شخص کے نسبت یہ اذوق ہے۔

اس بیان سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ حضرات معصومین علیہم السلام نے جو بعض کو بالخصوص کلام سے ممانعت فرمائی اس کے وجہ سے ہے کہ وہ اشخاص اچھی طرح اسکو نہ کر سکتے تھے اور اس کے طریقہ سے واقف نہ تھے کلام سے اون کے دین میں منہد و پریکا خوف تھا۔ اور جن لوگوں کو حکم فرمایا وہ اس کے طریقوں اور اسکی راہوں سے خوب ماہر تھے سب طریقہ استدلال کے اوپر روشن و ظاہر تھے۔ اور خدا کے بارے میں جو کلام

کے ممانعت ہے۔ وہ ممانعت مخصوص ہو کر مخلوقات سے اسے تشبیہ ندین اور اس کے حکم میں جو رطل کو تجویز
 نکریں۔ اب رہا اس کے توحید میں کلام کرنا اور تشبیہ نفی کرنا اور اس کا نہ ماننا اور مشابہت مخلوقات سے اسے
 منسوخ جانا اور عیبوں سے اسے مقدس سمجھنا یہ تو امور مطلوب ہے اور محبوب و مرغوب ہے۔
 اور اس امر میں بہت کثرت سے روایتیں اور حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن سے یقین کا درجہ حاصل ہوتا
 اور سچے اپنی کتاب لارکان فی دعائم الایمان میں ان روایات سے بقدر کفایت بیان کی ہیں۔ اور
 کتاب الکامل فی علوم الدین کے ایک باب میں اس بارے میں خوب انتہائی طرح تمام و کمال بیان کیا ہے
 اور عقود الدین میں بھی کچھ کچھ یاد ہے۔ جو انکی طرف رجوع کرے اور انپر اعتماد کرے تو اسکو کافی
 ہے کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ اور جو شخص قصد کرتا ہے (اخباری) ابطال نظر کا وہ (اگر باقیات
 دیکھے) تو خود اپنی فیض رائے کا گواہ ہوگا اور اپنے علم معرفت کا قصور اور سپر غلط ہو جائیگا۔ اور عز
 و درجہ متبصرین (باصطلاح اصولیین) سے گشتا ہوا پایا گیا۔ اور نظر دور مناظرہ میں فرق ہے نظر
 غیر مناظرہ ہے۔ مناظرہ کی ممانعت اور نہی کو بسبب تنبیہ وغیرہ کے ہو سکتی ہے۔ اور نظر سے متعلقہ
 صحیح نہیں ہے اسلئے کہ نظر سے عدول کرے دین اور اجتہاد و نظر نکرے تقلید کرنا ہوگی۔ اور تقلید کی ممانعت
 و مذمت سب عالموں کے نزدیک ثابت ہے اور قمران مجدد اور طریقہ و سنت سے لڑنے سے نفس صریح اور مذمت
 تقلید کی تصریح ہے۔ پروردگار عالم نے مقدمین کفار کے ذکر میں اور انکی تقلید کی مذمت میں ارشاد فرمایا
 انا وجدنا ابائنا علیٰ املۃ وانا علیٰ اقلارہم مقتدون قل اولو جنتکم باعدی عما وجدتم
 علیہ اباؤکم رہنے اپنے اباؤ (واجہاد) کو ایک طریقہ پر پایا اور (اب) ہم (نبی) انھیں کے طریقہ پر
 چلتے ہیں۔ کہو (اوسے اسے رسول ہمارے) اگرچہ ہم تمہارے لئے لائین اچھا طریقہ اور اس طریقہ سے جیسے تمہارے
 باپ دادا تھے (تو کیا جب بھی تم نہ مانو گے) اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جو
 شخص زبانی باتیں لوگوں کی نگر اپنے دین اور اعتقاد کو لے گا اسکا دین وہ زایل بھی کر دینگے۔ اور جو شخص
 کتاب خدا اور سنت رسول کے مطابق اپنا دین قرار دینگا (وہ دین مضبوط ہے) پھاڑ ٹل جائے اور اپنی جگہ سے
 سرک جائے مگر دین اوںکا زائل نہ ہوگا وہ کبھی نہ گمائیگا۔

اور یہ بھی انھیں حضرت نے فرمایا کہ بھلا تم اور تقلید۔ تقلید سے بھاگتے اور بچتے رہو (یعنی اصول دین
 میں تقلید نہ کرو) اسلئے کہ جس نے اصول دین میں تقلید کی وہ ہلاک ہوا۔ (حق تعالیٰ انکی مذمت کرتا ہے)
 اور فرماتا ہے انخذوا اخبارہم و رہباہم اسر بایا من دون اللہ اپنے اخبار و رہبا کو خدا
 نہاتے ہیں سوائے خدا (واحد کے) اور قسم ہے خدا کی ہرگز انھیں نے اونکو (اخبار و رہبان)
 کو سجدہ نہیں کیا نہ اونکی ناز و غصہ اور نہ اونکا روزہ رکھا لیکن اونکے لئے حرام خدا کو حلال کیا اور حلال خدا کو
 حرام کیا اور وہ لوگ اونکی (اخبار و رہبان کی) تقلید و طاعت کرتے ہیں ان باتوں میں بس وہ عبادت اونکی
 ہوئی اور عبادت کر نیلئے حالانکہ یہ دیکھتے تھے (یعنی سمجھتے تھے) کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ وہ عبادت
 و طاعت اخبار و رہبان کی ہوئی نہ خدا کی) اور فرمایا انھیں حضرت نے کہ جو شخص کسی کئے واسے کی بات کو مانے
 اوسے اونکی عبادت کی پس اگر وہ کئے والا خدا کی جانب سے کتا ہے تو خدا کی عبادت ہوئی۔ اور اگر وہ شخص

اپنی طرف سے کہتا ہے اور شیطان کے بہکانے سے تو شیطان کی عبادت ہوئی۔ پس اگر تقلید صحیح ہو اور نظر باطل ہو تو ایک گروہ کی تقلید کو دوسرے گروہ کی تقلید پر اولویت نہوگی (اور ترجیح بلا مرجع باطل ہے) اور جو شخص تقلید کے سبب سے ضلالت میں پڑ گیا وہ معذور ہوگا۔ اور جو تقلید سے کسی بدعت کو کرے وہ چاہے کے گنہگار نہ ہو۔ اور یہ امور ایسے ہیں کہ کوئی شخص بھی اسکا قائل نہیں ہے۔ تو اب ہمارے اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ نظر حق ہے اور مناظرہ کرنا امر حق پر صحیح ہے۔ اور جن روایات کو ابو جعفر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہیں انکی وہی صورت ہے جو ہنر بیان کی۔ اور وہ بات نہیں ہے جو اوسکے معنوں میں اونہوں نے (اخباریوں) خیال کیا ہے اور حق تعالیٰ صاحب توفیق ہے تام ہوا کلام جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ۔

اور مولانا طبرسی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے۔ یہ وہ بات جسے مجھے اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ کیا عدول اور روگردانی کرنا ہے بعض علما کا طریق مناظرہ اور راہ جدال سے بالکل اگرچہ حق بھی ہو۔ اور آمادہ کیا مجھ کو اس قول نے اونکے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے کبھی مجادلہ نہ عمل میں لائے۔ اور نہ شیعوں کو مجادلہ کی اجازت ہے بلکہ شیعوں کو مجادلہ کرنا منع کیا اور انہوں نے مجادلہ کو معیوب فرمایا۔ پس مجھ کو مناسب معلوم ہوا کہ ایک کتاب ایسی لکھوں جو شامل ہو چند مکالمات و محاورات اصحاب و علماء فروع و اصول میں جو اہل خلافت کے اور فضول لوگوں کے ساتھ وقوع میں آئے اور امر حق میں اونے مجادلہ فرمایا ہے اور مناظرہ و کلام کر کے ہر مقصود و مرام کو اتمام کو پہنچایا ہے۔ اور ائمہ اطہار علیہم السلام نے جو مکالمہ کو منع فرمایا ہے وہ ان بیچاروں کم علموں کو منع فرمایا ہے بیان ابور دین میں قاصر ہیں نہ اونکو جو دیلوں اور محتبون میں مخالفین پر غالب آئیں اور مناظرہ سے و مکالمہ سے واقف و ماہرین اسلئے کہ اونہیں تو حکم تھا کہ مخالفین و منازعین سے و مکالمہ کریں۔ اور علم کلام کے بد اولت و فراولت میں رہیں۔ اور اسی سبب سے اونکے مرتبے بلند ہوئے اور درجہ بڑھے اور فضائل اونکے مشہور ہوئے اور پہلے۔ اور میں ابتداء سے کتابت شروع کرتا ہوں اوس فصل نئے شامل ہے اون آیات قرآن مجید کے ذکر پر جس میں حق تعالیٰ نے بعض انبیاء علیہم السلام کو احتجاج کا صاحبان عدوان و مخالفان سے امر فرمایا ہے۔ اور یہی فصل شامل ہوں چند اخبار و روایات پر جس میں فضیلت بیان ہوئیں ہیں اون لوگوں کی جو دین تویم و صراط مستقیم سے حلون کو بند کر دئے ہیں۔ اور حج قاہرہ اور براہین ظاہرہ ہا سہ سے اونکے حلون کو روکتے ہیں۔ پھر شروع کروں لکھا ذکر چند مجادلات جناب رسول خدا اور ائمہ ہدایہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا۔ یہاں تک تھا کلام مولانا طبرسی علیہ الرحمہ کا۔ اب میں کہتا ہوں اون آیات میں سے جنکو مولانا طبرسی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا یہ بھی آیت ہے۔ و جادلہم با حقہم اھی احسن اور مجادلہ کرو اون سے (کفار سے) اوس طریق سے جو بہتر ہے) اور یہ بھی قول حق تعالیٰ ہے (و لا تتجادلوا اهل الکتاب الا بالاتی اھی احسن) اور نہ مجادلہ کرو اہل کتاب مگر اوس عنوان سے جو بہتر ہے اور کما مولانا طبرسی رہنے کے روایت کی گئی ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ نحن المجادلون فی دین اللہ علی لسان سبعین نبیاً ہمارا مجادل ہونا دین خدا میں شتر نبیوں کی زبان پر جاری ہوا ہے) یعنی ہمارے مجادلہ کرنا بتاری نبیوں نے دی ہے اور ہمارے مجادلہ کی وہی خدا نے دی ہے (کی ہے) اور بقدر روایت میں حضرت امام حسن بن علی علیہما السلام (امام حسن عسکری) سے ہمارا وہا ہے کہ فرمایا حضرت

جعفر بن محمد (امام جعفر صادق ع) نے کہ ہمارے شیعوں کے علما اس خندق و غار کے کنارے کھڑے ہیں جس میں ابلیس
 اور اس کے شیطان ہیں تاکہ کم علم و کم ذہن شیعوں پر اونکو خدوچ کرنے سے روکین۔ اور شیعوں کو ابلیس اور اس کے پیرو
 ناصیوں کے تسلط سے محفوظ رکھین۔ آگاہ ہو جو شخص ہمارے شیعوں سے اس امر کیلئے کھڑا ہو جائے وہ افضل
 ہے اس شخص سے جو جہاد کرے کفہ ترک و روم و خزر سے نہار نہار و درجہ۔ اس کیلئے کہ نقص اول حملوں کو روکنا
 دین سے ہمارے دوستوں کے اور ہمارے دین کے اور شخص ثانی اون کے بد نون سے حملوں کو دفع کرنا
 اور یہ بھی روایت میں اونہیں حضرت مسیح و اروہو اس ہے کہ اگر نہ باقی رہتے بعد نبوت قائم محمد علیہ السلام
 علما دین کہ جوان حضرت کے طرف لوگوں کو بلاتے ہیں اور اونکی طرف ہدایت کرتے ہیں۔ اور خدا کی محبتوں سے اس کے
 دین سے حلقہ مخالفین کو دفع کرتے ہیں۔ اور ضعیف شیعہ اور کمزور ہند گان خدا کو ابلیس کے اور گروہ کے جال سے
 چھڑاتے ہیں۔ اور ناصیوں کے فریب پسندے سے بچاتے ہیں۔ تو کوئی بھی دین خدا پر باقی نہ رہتا اور حسب
 مرتد ہو جاتے۔ لیکن وہ علما وہ لوگ ہیں کہ زمام قلوب شیعہ مضبوط تھا جسے وہ سے ہیں جو طرح ناخدا کرتی کے
 کو لئے رہتا ہے (اور اسکو گمراہی سے بچاتا ہے اور راہ پر لگاتا ہے) بھی لوگ ہیں جو خود اسد خود باطل سے روک
 افضل ہیں اور بڑی فضیلت رکھتے ہیں۔ اور حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ
 محمد علی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسکین شیعہ (کم علم) ہیں ان کے ساتھ مراسلات اور نیکی کرنا افضل سے اسات مسکین
 فقراء سے۔ اور وہ وہ لوگ ہیں جنکے اعضا و جوارح شست ہیں اور قوتیں اونکی (عقلی) ضعیف ہیں مکالمہ
 اون اعدائے دین کے جوان دینداروں کے دین پر مضحکہ کرتے ہیں۔ اور اونکی قتلوان پر ہنستے ہیں۔ آگاہ ہو کہ جو
 اونکو دنیا و دنیاویات اور علم و فقہ میں قوت اور اونکی بیچارگی (اور علم کی کمزوری) زائل کر کے پھر اذکار اونکی ظاہری دشمن
 ناصیوں پر اور باطنی دشمن ابلیس اور اس کے شیطانوں پر تسلط دے گا کہ وہ اونکو دین خدا سے ہر گز مسکین اور ہلویا
 آل رسول سے ہٹا سکین کہ حق تعالیٰ اس مسکینیت اور بیچارگی کو اونکے شیطانوں کی طرف بھیج دے اور اس کے
 گمراہ کر دینے اور ضعیف عاجز کر دے پس اس شخص نے پورا پورا حق پر در دگاری کا جو اوپر لکھا دیکھا جسکو جناب
 رسول خدا نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے۔ اور یہ بھی فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہ
 فرمایا علی ابن ابیطالب جو شخص دینی مسکین ضعیف المعرفت کو قوت دے اس کے مخالف ناصب پر اور وہ مسکین دینی
 مخالف کو مناظرہ میں بند کرے تو حق تعالیٰ اس شخص کو قبر میں تلقین کرے گا کہ ہے اللہ ربی و محمد نبی و
 علی ولی و الکعبة قلعتی و القرآن بھمتی و عدالتی و المومنین اخوانی اللہ میرا پروردگار اور محمد بن
 رسول مفتی را اور علی ابن ابیطالب میرے ولی و سردار اور قبلہ میرا کعبہ اور قرآن میری راحت کا سامان اور حضرت
 کاوشہ اور مومنین سے برادر سے یابی کا رشتہ ہے) تب حق تعالیٰ کا ارشاد ہو گا کہ تو نے حجت کو بیان کیا مجھے بھی
 تیری راحت کا سامان کیا اور بڑے بڑے درجے جنت کے تیرے لیے واجب کئے۔ اور وقت اسکی قبول
 جنت سے زیادہ سب و شاداب ہو جائے گی۔ اور فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہ ارشاد فرمایا
 جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نے کہ ایک روز دو عورتیں منازعت کرتی لڑتی جھگڑتی میرے پاس آئیں۔ ایک مومنہ
 تھی دوسری معانہ تھی۔ کسی امر دین میں منازعت تھی۔ میں نے مومنہ کو حجت و دلیل تعلیم کی اور وہ مومنہ اس وقت
 اس معانہ پر غالب آئی اور نہایت خوش ہوئی۔ حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام نے ارشاد فرمایا کہ ملائکہ کو تیرے واسطے

انہی سے تجھے زیادہ خوشی ہے۔ اور شیطانوں اور اوسکے گروہ کو اوس معاذہ کے رنج سے زیادہ صدمہ ہے۔ اور
 ہر درگاہ عالم نے ملائکہ سے فرمایا کہ فاطمہ علیہ السلام کیلئے اسکے اجر میں کہ ایک مومن کو حجت تعلیم کی ہزار ہزار درجہ
 اور زیادہ کر دو جو انکے واسطے بہشت میں معین ہیں۔ اور یہی طریقہ جاری کرو جس سے اوس شخص کے لئے جو کسی امیر مسکین
 کو علم دینی تعلیم کرے اور وہ اپنے معاذہ پر غالب آئے کہ جو اوسکے لئے بہشت میں مقرر ہے اوس سے ہزار
 ہزار (۱۰۰ لاکھ) درجہ اور زیادہ کر دو۔ اور یہ بھی فرمایا حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے کہ حضرت
 حضرت جعفر بن محمد امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ جس شخص کی ہمت و قصد یہ رہے کہ تہیوں کی شدت میں
 و مجین اہلبیت سے توڑتا رہے اور انکے حملہ اوں سے روکتا رہے اوسکے فریبوں کو کہوئے اور کچھ بچوگو
 ظاہر کرے۔ اور جناب رسالت کے امور کو بڑبڑائے اوسکی عظمت و بزرگی دیکھائے۔ تو ملائکہ کی
 ہمت اوسکے اجر میں یہ رہتی ہے کہ اوسکے لئے بہشت میں عوض ہر حرف کے عدد ملائکہ اہل دنیا سے
 قصر اور گھر بنائیں۔ اور قوت ہر فرشتہ کی اونچین سے ایسی ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اوٹھا سکیں۔
 تو اب خیال کرنا چاہیے کہ کتنے قصر اور گھر ہمارے ہوں گے اور کس قدر نعمتیں ہوں گی اور کس قدر قصر ہوں گے
 جسکی مقدار سوائے پروردگار کوئی شمار نہیں لاسکتا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا حضرت امام حسن عسکری
 علیہ السلام نے کہ جو چیزیں ہمارے دوستوں اور مولیوں کے روز فقر و ماحبت و ذلت و مسکنت (یعنی
 روز قیامت) آگے آگے ہوں گے اونچین افضل اور سب سے مقدم اجر و ثواب ہوگا اوس عمل کا جو کسی
 ہمارے دوست مسکین کو دنیا میں ہاتھ سے ناہی دشمن خدا و رسول کے ہاتھ سے نجات دی ہوگی۔ پس
 جب وہ عالم اپنے قبر سے نکلیگا تو قبر کے کنارے سے اوسکے مقام تک بہشت میں ملائکہ قطار باندھے
 صفت کے صفت ہمراہ ہوں گے اور اپنے پروں پر اوٹھائے ہوں گے اور کہتے جائینگے مرحبا خوشا حال تیرا
 خوشا حال اسے دفع کرنے والے گلاب کے مضبوط کرینوالے دین اختیار کئے۔ اور فرمایا حضرت امام
 عسکری نے اپنے بعض تلامذہ سے جب حضرت کی خدمت میں ایک قوم مولیان و محبان آل محمد سے حاضر
 ہوئے اور عرض کیا کہ یا بن رسول اللہ ہمارے ہمسائے میں ایک ناہی ہے کہ وہ ہمارے اذیت دیتا ہے
 اور اول۔ و ثانی۔ و ثالث کو جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام پر فضیلت دیتا ہے۔
 اور ہم سے ٹکار و حجت کرتا ہے۔ ہمارے سمجھ میں نہیں آتا کہ اوسکو کس طرح جواب دین اور کیونکر اوسکے ہاتھ
 مخلصی پائیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ آپس میں بیٹھے ہوں باتیں کرتے ہوں تم بھی وہاں نہ
 بیٹھو اور انکی باتیں سنو جب وہ تم سے خود سے خواہش کلام کی کریں تو اونسے گفتگو کرو (خود سے نہ چھیرو
 کہ تمہارا لازم ہو) پھر جواب میں کوئی بات اوتھا نہ کہو اور اوسکو بند کرو اور اوسکی تیزی کو توڑ لو پس وہ شخص
 اوسکے مجمع میں جان وہ بیٹھے تھے گیا اور اونسے گفتگو کی اور اوسکو جواب میں بند کر دیا کہ وہ متحیر ہو گیا
 اور یہ نہ سمجھتا تھا کہ آسمان پر ہے یا زمین پر۔ اس سبب سے اون مومنین کو نہایت فرحت و مسرت حاصل
 ہوئی اور ناہیوں کو نہایت حزن و حسرت۔

پھر جب اپنے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے ہم سے ارشاد فرمایا کہ جو آسمانوں میں ہیں
 ملائکہ وہ تمہاری خوشی سے زیادہ مسرور و فرح ناک ہوں۔ سبب اس ناہی کے مغلوب ہو سکتے

اور ابلیس اور اوجکے تابع بہت زیادہ رنجیدہ ہوئے اور ناصبیوں کے رنج و صدمے سے۔ اور وقتاً سے طلب رحمت کے اور مومن کے لیے ملائکہ آسمان اور حبیب و کرسی نے اور پروردگار عالم نے اسے قبول فرمایا اور اسکا اکرام فرمایا اور ثواب زیادہ کیا۔ اور انہیں ملائکہ کے آسمان و حبیب و عرش و کرسی نے لعنت کی دشمن خدا پر جو مغلوب ہوا تھا۔ اور خدا نے اسکو قبول کیا اور اسکا عذاب برہمایا اور حساب کو شدید کیا۔

اور ان احادیث کا ذکر اگرچہ خطیبہ و دیباچہ کتاب میں ہو چکا ہے مگر از بسکہ اس مقام میں ہی اسکے ذکر کی حاجت شدید تھی اور ناظرین کو اسکی طرف رجوع میں وقت تھی لہذا ہم نے پیراؤں کو بیان پر ذکر کیا کہ ناظرین کو رحمت ہو۔

اور کتاب احتجاج میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے پدر بزرگوار حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو خبر معلوم ہوئی کہ ایک شخص (مومن ہے) اور ایک ناصبی سے گفتگو ہوئی۔ اور اس مومن نے اپنی تہمت میں اسکو ساکت کیا اور اسکی نصیحتوں کو اسپر ظاہر کیا۔ جب وہ مومن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صدر مجلس میں ایک بڑی سند بھی تھی اور حضرت سے الگ تشریف رکھتے تھے۔ اور علویین و ہاشمیین سب حاضر دربار تھے۔ جب وہ شخص آیا حضرت نے اسکو سند پر بٹھایا اور اسکی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ امر تمام علویین اور ہاشمیین پر شاق گذرا۔ علویین نے بیاس ادب عرض نہ کیا۔ لیکن بعض بزرگان ہاشمیین بے ادبانہ عرض کیا۔ یا بن رسول اللہ۔ آپ اس طرح ایک عامی شخص کو سادات بنی ہاشم اور طالبین اور عباسیین پر بزرگی عطا فرماتے ہیں۔

حضرت نے ارشاد فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اون لوگوں سے ہو اور نہ ٹکڑو ہونا چاہیے اون لوگوں جنکے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اَلْهَرَبُ اِلَى الَّذِیْنَ اَتُوا الضُّیْبَ مِنْ الْکُتُبِ یَدْعُوْنَ اِلٰی کِتَابِ اللّٰهِ لِحُکْمِ بَیْنِهِمْ ثُمَّ تَوَلٰی فَرِیْقٌ مِنْهُمْ وَهَمَّ مَعْ رُضُوْنَ دِکَیَا نَسِیْنَ دِکَیَا تَوْنِے اُوْن لُوْکُوْن کی طرف جنکو کتاب سے کچھ نصیب و حصہ دیا گیا بلائے جلتے ہیں وہ کتاب خدا کی طرف تارک وہ اونکے درمیان میں حکم کرے پھر پھر جاتا ہے ایک فرقہ اوسمیں سے اور وہ اعراض اور روگردانی کرتے ہیں) کتاب اللہ کے حاکم و حکم ہونے پر تم راضی ہو

سب نے عرض کیا۔ جی ہاں (ہم قرآن کو حکم کرنے پر راضی ہیں)۔ حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کیا پروردگار عالم نے (قرآن مجید میں) یہ نہیں ارشاد فرمایا اٰیٰہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفْسَحُوْا فِی الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوْا فِیْہِمْ اللّٰہُ لَکُمْ اٰخِرَ قَوْلٍ وَ الَّذِیْنَ اَوَّلُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ تَمَّ (اے گروہ مومنین جب تم سے کہا جائے کشادگی کرو مجالس میں تو کشادگی کرو حق تعالیٰ تمہارے لیے کشاکش کریگا) وَاِذَا قِیْلَ النَّشْرُ وَاَنْشُرُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ (اور جب کہا جائے (تم سے) اوتار دے ہو تو اوتار دے کرٹ ہو بلند (رتبہ) کرتا ہے خدا اونکو جو تم لوگوں میں سے ایمان لائے ہیں) اور بلند کرتا ہے خدا

اون لوگوں کے جنکو علم عطا کیا گیا (بہت) درجے، پس پروردگار عالم نہیں راضی ہوا واسطے مومن عالم کے مگر یہ کہ بلند مرتبہ کرے اوسکو مومن غیر عالم جس طرح نہیں رضامن ہے مگر یہ کہ بلند مرتبہ کرے مومن کو غیر مومن پر جسے بیان کر پروردگار عالم نے یہ تو فرمایا ہے رفع الله الذین اولوا العلم درجات (بلند کرتا ہے خدا اونکے جو علم عطا کیے گئے بہت درجے) کیا یہ ہی ارشاد فرمایا ہے رفع الله الذین اولوا الشرف الدرجات (بلند کرتا ہے خدا اونکے جنکو شرف و نسب ملا درجے) (یعنی یہ تو ارشاد نہیں فرمایا) کیا یہ پروردگار عالم نے نہیں فرمایا اہل بیستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (کیا وہ لوگ جو عالم ہیں اور وہ جو عالم نہیں ہیں برابر ہیں) تو اب بعد ان آیات کے نازل ہونے کے، تم کیوں انکار کرتے ہو جو اپنے اس شخص کو رفعت دی جبکہ خدا نے رفعت منزلت عطا فرمائی میں صحیح صحیح کہتا ہوں کہ اس شخص نے جو فلان ناصبی کی سرکشی کو ادا کیا خدا کی جنتوں سے جو اسکو خدا تعالیٰ فرمائیں تین توڑا وہ افضل ہے ہر شرف و بزرگی نسب سے۔ یہ منکر ایک عباسی نے کہا کہ آپ نے شرف اور بزرگی دی ہم پر اور ہمکو گھٹایا اوس شخص سے جو نسبت میں ہمارے برابر نہیں ہے اور اوسکا نسب ہمارے نسب کے برابر نہیں ہے حالانکہ ہمیشہ ابتدا سے اسلام سے یہی طریقہ رہا ہے کہ جو شرف میں افضل ہو وہ مقدم رکھا گیا اوس سے جو شرف میں پست ہوا ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا: سبحان اللہ کیا عباس نے ابو بکر سے محبت نہیں کی۔ ابو بکر تمہی اور عباس ہاشمی تھے۔ کیا عبد اللہ بن عباس نے عمر بن خطاب کی خدمت گاری نہیں کی۔ اور عبد اللہ بن عباس ہاشمی ابو الحنفیہ (خلفائے بنی عباسیہ کے باپ ہیں) اور عمر عدوی۔ اور کیا سب تھا کہ عمر نے ایک کلام قریش کو شورے میں داخل کیا اور عباس کو داخل نہ کیا اور کہنے نہ دیا۔ پس اگر ہمارا رفعت دنیا اوس شخص کو جو غیر ہاشمی ہے ہاشمیوں پر بڑا معلوم دیتا ہے تو عباس کی محبت کو بھی ابو بکر سے بڑا سمجھو۔ اور عبد اللہ بن عباس کی خدمت کو جو بعد محبت عمر کرتے رہے اوسکو بھی بڑا مانو پس اگر وہ جائز سمجھتے ہوں تو یہ ہی جائز ہے۔ یہ کلام معجز نظام حضرت علیہ السلام کا منکر وہ ہاشمی (عباسی) دنگ اور بزدل ہو گیا۔ گویا اوسکے منہ میں لنگر چمک رہا ہے۔

پس یہ احادیث منکرہ کتنی تھیں جو متضمن ہیں نہایت ترغیب و تحریص پر مجاہدہ کرنے پر امور دینیہ اور مطالب حقہ یقینیہ اور اقامت براہین و افحام و اسکات مخالفین پر جو شامل ہیں اون مباح عظیمہ پر جو اون حضرات محصومین علیہم السلام سے اون لوگوں کے بارے میں صادر ہوئے ہیں جنہوں نے منظور کو ناصبیوں وغیرہ مخالفین فاجرین کے حجج باہر و ادلہ قاہرہ قائم کو کے توڑا۔ اور جو ابات فاخرہ علما و اصحاب صاف صاف دلالت کر رہے ہیں جو ان پر ادا نہ ہا خات کے حکم القاد والہام پروردگار عالم کی جانب سے ہوتا ہے۔ تمام مقدمات عقلیہ و نقلیہ سے جسے حجت و احتجاج تمام ہوتی ہے۔ اور جسے خرمی و خسران و لجاج اہل اعوجاج و گمراہان روشن و ظاہر ملا کلام ہوتی ہے۔

اور اون مقامات میں اسکی ضرورت نہیں ہے کہ بالخصوص ہر ایک اونہیں سے اصحاب عصمت و طہارت (ائمہ معصومین) سے منے گئے ہوں خصوصاً بعد نظر کرنے کے اس قول حضرت کی طرف جو روایت اخیرہ میں صحیح اللہ الہی علمہ ایسا ہذا اون حجوں سے جو خدا نے اسے تعلیم فرمائیں۔ اور یہ نہیں فرمایا صحیح اللہ الہی علمنا ہذا اون حجوں سے خدا کی جو ہننے اسے تعلیم کیں۔ اور یہ بھی امر ہے (مثبت جواب) کہ مباحثات کی صورتیں اور کیفیاتیں محدود و مخصوص نہیں ہیں۔ پس اس صورت میں یہ کہنا کہ دلیلوں اور دلیلوں کے مقامات کا مستثنا معصوم سے چاہیے بالکلیہ باب مجادلہ و مناظرہ دینی کو مسدود کرنا ہے۔ اور یہ بالکل خلاف ہے اون روایات کے۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ اہل خلافت کو غلبہ ہو اور اہل حق کو سکوت ہو اکثر مقامات میں۔ کیونکہ ضروری بات ہے کہ اکثر موارد و مخصوصہ میں روایات نہیں ملتے۔ اور یہ ظاہر ہے کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ اور امر مذکور ظاہر البطلان ہے کہ موجب مغلوبیت اہل حق و ایمان ہے۔

اور انہیں شیخ فاضل (شیخ حر عاملی) نے فوائد طوسیہ میں۔ فائدہ مراتب معرفت میں تصریح کی ہے کہ نصیحت مومنین و بیان حق و دفع شہوات دین سے واجب ہے۔ اگرچہ خود آپ ہی اپنے نفس سے منافقت کیا ہے اور کلام میں تناقض ہوا ہے۔ چنانکہ اوکی مثال کا بھی یہی طریقہ اور یہی عادت ہے۔ اور یہ تناقض اس فائدہ سے ظاہر ہوتا ہے جو کلام کے مخالفت میں لکھا ہے۔ اسلیے کہ وہاں لکھا ہے۔ کہ یہ جو بعض متاخرین نے ذکر کیا ہے کہ مجادلہ و مناظرہ واجب کفائی ہے تاکہ کمزور اور کم علموں سے شہوتوں کو رفع و دفع کرے۔ اسکا جواب معلوم ہو چکا اسکے علاوہ یہ کہ یہ وجوب عامہ اور اہل خلافت کے مذہب پر ٹھیک ہے۔ کیونکہ وہ لوگ قائل ہیں کہ اہل حل و عقد سے دین و شریعت کی حفاظت ہے۔ اور بنا بر قول امامیہ کے اسکے ضرورت و حاجت نہیں ہے۔ کیونکہ حفاظت دین و شریعت کام امام کا ہے نہ رعیت کا۔ تاہم یہ قول شیخ فاضل۔

اب میں کہتا ہوں کہ انکے قول اخیر کی رو میں یہ قول حضرت ابوالحسن امام حسن عسکری کا کافی کہ حضرت نے فرمایا لا یقی بعد علیہ قائمکم من العلماء (اگر نہ باقی رہتے ہی غیبت قائم آل محمد کے علما) آخر حدیث تک۔ اور مثل اسکے جیسا سابق میں معایم ہوا۔

پس اگر مکابرہ اور مجادلہ غیر احسن پر بنا رکھکے تم کہو کہ ہم نہیں تسلیم کرتے اور نہیں مانتے کہ ان اخبار و روایات کی دلالت بخارے مذہب کے موافق ہے اور تمھاری تحقیق کے مطابق ہے بلکہ قید اجتماع اور سنی کے اون حضرات معصومین علیہم السلام سے ہر روایت جو تمھیں لکھیں ہیں معتبر ہے اگرچہ یہ قید روایات میں مذکور نہیں ہوئی ہو۔ تاہم کہیں کہیں کہ ہمیر واجب نہیں ہے کہ بخارے ہر مجادلہ غیر احسن اور تمام ہٹ و ہرمیوں کا جواب دین۔ لیکن تبرعاتی احسان کرتے ہیں اور واسطے مزید اظہار حق کے اسکا بھی جواب دیتے ہیں۔ الحمد للہ کہ احادیث اور کئی امر ایسے ہیں جو صراحتہ ہمارے مذہب کے موافق دلالت کرتے ہیں جس سے تحقیق کسی طرح حجد و انکار ممکن نہیں ہے۔ اونہیں سے وہ روایت ہے جو محمد بن یعقوب کلینی نے صحیح مسند و ابن حازم سے روایت کی ہے۔ منصور ابن حازم کہتے ہیں کہ میں نے خدمت بابرکت

حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام میں عرض کیا۔ صحیح صحیح بات یہ ہے کہ پروردگار عزوجل
اکرم و اجل بزرگ و برتر ہے اس امر سے کہ اسکی نشاۃ و اسکی مخلوقات سے ہو بلکہ مخلوقات کی معرفت
خدا ہی کی صنعت اور خلق کر کے سے ہوئی ہے حضرت نے ارشاد فرمایا صحیح کہا تھے۔
پہرینے عرض کیا۔ کہ جسے یہ پہچانا کہ اسکا کوئی خدا ہے۔ تو اس کے لیے بھی ضرور وہ سمجھے اور جانے کہ اس کے
رب و مالک کے لیے رضا و سخط خوشنودی و غضب ہی۔ اور رضامندی و نارضا مندی کا معلوم ہونا بغیر
وحی اور رسول کے معلوم نہیں ہو سکتا۔ پس جیسر وحی نازل نہیں ہوتی اسکو چاہیے کہ رسول کی تلاش
کرے اور اسکو ڈھونڈھے۔ جب اونے ملاقات ہوئی تو سمجھے کہ وہ حجت خدا ہیں اور واجب الطاعت
اور مفروض الطاعت ہیں۔

اور یہ بھی عرض کیا۔ کہ میں نے لوگوں سے (اہل خلافت) سے کہا کہ کیا تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ خدا کی طرف سے اس کے بندوں پر تھے۔ اونہوں نے کہا کیوں نہیں (وہ حجت خدا
تھے) میں نے کہا جب رسول خدا (اس جہان سے) گزر گئے تو کون حجت خدا خلق اللہ میں تھا۔ اونہوں نے
کہا قرآن مجید و فرقان حمید۔ تو اب میں نے نظر کی قرآن مجید میں تو دیکھا تو اسی قرآن سے نام فرقے مرجیہ اور
قدریہ۔ اور وہ کافر و زندیق جو قرآن کو نہیں مانتے وہ سب اسی قرآن سے اپنے مطلب کے موافق اور
اپنے مذہب کے مطابق دلیلین لاتے ہیں۔ اور لوگوں پر غالب آتے ہیں تو مجھ کو معلوم ہوا کہ یہ قرآن بغیر قیم
کے جو اس کے ٹھیک ٹھیک معنی سمجھ سکے اور اسکو قائم رکھے اور جو وہ کہے وہی حق ہو۔ حجت نہیں ہو سکتا
پس میں نے اونے کہا کہ قرآن کا قیم (قائم رکھنے والا) کون ہے۔ اونہوں نے کہا۔ ابن مسعود عالم قرآن تھے
عمر اس کے عالم تھے۔ خذیفہ اسکو سمجھتے تھے۔ میں نے اونے کہا کہ تمام قرآن کے عالم تھے۔ اونہوں
نے کہا نہیں۔ تو اب میں تو سو اسے علی بن ابیطالب علیہ السلام کے اور کسی کو بھی نہیں پاتا جس کے
بارے میں کہا جائے کہ وہ تمام قرآن کا عالم ہے۔ جب کوئی بات قوم کو درپیش ہوتی تھی تو یہ کہتے تھے کہ
میں نہیں جانتا وہ کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا اور یہ (جناب امیر المومنین علی بن ابیطالب علیہ السلام) فرماتے
تھے کہ میں جانتا ہوں۔ پس میں دل سے گواہی دیتا ہوں کہ جناب امیر علی بن ابیطالب علیہم السلام قیم
(قائم رکھنے والا) قرآن مجید و فرقان حمید کے تھے۔ اور انکی اطاعت واجب ہے اور وہ حجت خدا ابدا
رسول خدا کے تھے اور جو سمجھے ان حضرت نے فرمایا وہ حق ہے۔

یہ سن کر حضرت نے ارشاد فرمایا رحمۃ اللہ (خدا اپنی رحمت نہر نازل کرے) اور اونہیں روایات
میں سے وہ روایت ہے جو کافی ابی سند کے ساتھ آبان سے مروی ہے۔ آمان کہتے ہیں کہ
مجھے احوال نے بیان کیا کہ زید بن علی بن الحسین علیہم السلام نے مجھے طلب فرمایا اور اس نے
میں سے گفت و مخفی تھی۔ جب میں حاضر ہوا مجھے کہا اے ابو جعفر کیا کہتے ہو تم اگر ہمارے سبب کوئی
امر عظیم تم کو درپیش ہو۔ کیا تم اسکا ساتھ دو گے اور اس کے ساتھ شریک ہو گے اور خرچ کر دو گے۔
میں نے کہا کہ اگر آپ کے پدر عالیقدر یا برادر بزرگوار ہوتے تو میں انکا شریک ہوتا اور اس کے
ساتھ خرچ کرتا۔ احوال کہتے ہیں کہ زید بن علی نے مجھے کہا کہ میرا ارادہ خرچ کا ہے کہ اس قوم سے

جہاد کروں پس تم بھی میرے ساتھ خرچ کر۔ میںے کہا کہ میں آپ پر فدا ہوں میں تو ہرگز ایسا نہ کروں گا پھر اونہوں نے مجھے کہا کہ اپنے جان بچاتے ہو (اور ایسے وقت میں مجھے آنکھ چراتے ہو) میںے اولے کہا کہ جان تو ایک ہی ہے (ایک نہ ایک وقت مرنا میرا میرا اس سے کیا ڈرنا ہے) پس اگر زمین پر کوئی حجت خدا ہے تو آپ سے عادی رہنے والا اور آپ کا ساتھ نہ دینے والا ناجی ہے۔ اور آپ کے ہمراہ رہنے والا اور جہاد کرنے والا ہالک ہے۔ اور کوئی حجت خدا زمین پر نہیں ہے تو آپ کا ساتھ دینے والا اور چھوڑنے والا دونوں برابر ہیں۔

احول کہتے ہیں کہ یہ سنکر زید بن علی نے مجھے کہا کہ اے ابو جعفر میں اپنے پیر بزرگوار کے ساتھ ایک شہر خواہ رہتا تھا وہ حضرت مجاہد و عمدہ تر آثار ائمہ کھلاتے تھے اور گرم لقمہ کو ٹھنڈا فرماتے تھے اور ٹھنڈا اور سرد فرما کر شفقت و محبت سے کھلاتے تھے۔ تو گرم لقمہ سے میرے جلنے کو بچاتے تھے اور آتش جہنم میں جلنے سے مجھے نہ بچاتے اور اس بارے میں مجھے شفقت نہ فرماتے۔ کہ تم کو تو دین کی خبر دی اور بیکو راہ دین نہ بتاتے۔ میںے کہا کہ میں آپ پر فدا ہوں ایسی شفقت و محبت کی راہ سے تو آپ سے نہیں فرمایا کہ آتش جہنم کا آپ کے لیے خوف فرمایا کہ اگر آپ قبول فرمائیں تو داخل جہنم ہوں۔ اور مجھے بیان فرمایا کہ اگر میں مانوں اور قبول کروں تو نجات پاؤں اور اگر قبول نہ کروں تو اونکو کچھ پردہ نہیں اگر میں داخل جہنم ہوں۔ بہرینے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہوں آپ لوگ افضل ہیں یا انبیاء سابقین کہا بلکہ انبیاء افضل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف علی نبینا والہ علیہما السلام سے ارشاد فرمایا یا نبی کا تقصیر رویا علی اخوتک فیکید والک لیکد (اے میرے فرزند اپنے بھائیوں سے اپنا خواب نہ بیان کرنا کہ وہ تے مکر و کید کریں) اون بیان کو نہیں بتایا اور بصلوات و خوف مفسدہ (خفی کیا تاکہ وہ کید نہ کریں)۔ اسی طرح آپ کے پردہ عالمیقدار نے آپ سے پوشیدہ کیا خوف اسکا ہوا کہ آپ قبول نہ کریں۔

احول کہتے ہیں کہ یہ سنکر زید بن علی نے مجھے کہا کہ آگاہ ہوا کہ تم مجھے یہ کہتے کہ میرے مدینے والے صاحب (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) نے مجھے یہ کہا کہ میں (زید بن علی) قتل ہو گا اور کنا سے میں مصلوب ہو گا۔ او ایسے پاس ایک صحیفہ ہے کہ جہین میرا قتل ہونا اور مصلوب ہونا لکھا ہے تو میں تے حجت و تکرار کرتا۔ احوال کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں اور گفتگو زید کی میںے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بیان کی حضرت نے فرمایا کہ تم نے اونکو شش جہت سے گیرا خلف و قدام و فوق و تحت و یمن و شمال سے اور کوئی راہ اور جگہ اونکے چلنے کی نہیں چھوڑی۔

اور علامہ نے خلاصہ میں لکھا ہے کہ ہشام بن الحکم ثقہ تھے روایات میں اور اس امر میں خوب تحقیق کرتے تھے اور اونکے برے مدعیین دونوں حضرت امام جعفر صادق اور امام موسی کاظم علیہما السلام سے وارد ہوئے ہیں اور وہی وہ شخص ہیں۔ کہ امامت میں جنہوں نے کلام کا طریقہ نکالا۔ اور مذہب کو نظر سے مذہب و مہذب لیا اور نہایت صادق و ماہر علم کلام میں تھے اور خوب حاضر جواب تھے۔

اور شیخ نے اپنی فہرست میں لکھا ہے کہ ہشام کی کنیت ابو محمد تھی۔ اور وہ مولا نبی شیبان کوئی تھے۔ وہان سے بغداد میں چلے آئے۔ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور اونکے فرزند و بلند حضرت امام

موسیٰ کا ظم علیہ السلام کی خدمت سے مشرف ہوتے تھے۔ اور ان دونوں مصوموں کی بیعت سی روایتیں ان سے منقول ہوئی ہیں۔ اور علم کلام میں۔ نہایت درجہ حاذق و ماہر تھے حاضر الجواب تھے۔ ایک روز دعویٰ سے کسی نے دریافت کیا (یہ ہشام اوس صحبت میں موجود تھے) کہ آپ جنگ بدر میں موجود تھے۔ انہیں (ہشام) نے کہا جی ہاں آپ اوس جانب (کفار مکہ) سے شریک تھے۔ اور کشتی میں اپنے اپنے اوستاد کے ساتھ ہشام بن سالم سے روایت ہے ہشام بن سالم کہتے ہیں کہ فرمایا ابو الحسن امام موسیٰ موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کہ ہشام بن سالم سے کہو میرے پاس لکھ بھجیں جس سے قدر یہ کی رو کی جاتی ہے۔ ہشام بن سالم کہتے ہیں کہ ہشام بن سالم نے حضرت کو عرض میں لکھا۔ کہ قدر یہ سے پوچھنا جائے کہ خدا کا گنہگار کس سبب سے ہوتا ہے اور کس چیز سے ہوتا ہے۔ اوس چیز سے جو خدا کی جانب سے ہے یا اوس چیز سے جو بندوں کی طرف سے ہے یا اوس چیز سے جو خدا کی طرف سے ہے اور نہ بندوں کی جانب سے۔

جب یہ عرض حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئی تو ارشاد فرمایا۔ کہ حربی کو دو لوگوں نے وہ خط حربی کو دیا م حربی نے دیکھا اور کہا کہ یہ تو کچھ ہی نہیں ہے اسمین کیا کیا ہے۔ حضرت ابو الحسن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔ کہ اسمین کوئی بات اور کوئی چیز بھی نہیں چوڑھی ہے (خوب ہی چاروں طرف سے قدری کی گردن مڑوڑی ہے) اور مجالس شیخ مفید علیہ الرحمہ میں ہے کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہشام بن حکم سے سانسے ہارون رشید عباسی کے پوچھا۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے اسے ہشام یہ تو بتائیے کہ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ دو مختلف باتیں ایک دوسرے کے مخالف ہوں اور پھر دونوں حق و صحیح ہوں۔

ہشام بن حکم نے نہیں ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو مختلف باتیں اور دونوں حق ہوں۔

یحییٰ بن خالد برمکی نے اگر دو شخص آپس میں جھگڑا کریں کسی حکم دینے میں اور دونوں نزاع میں مختلف ہوں تو کیا ان صورتوں سے خالی ہوگا۔ کہ یا تو وہ حق پر ہوں یا وہ دونوں باطل پر ہوں۔ یا ایک انہیں سے حق پر ہو اور ایک باطل پر ہو۔

ہشام بن حکم نے ہاں ٹھیک ہے ان صورتوں سے خالی نہیں ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ دونوں حق پر ہوں اور یہ تو میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔

یحییٰ بن خالد نے اب بتائیے کہ علیؑ اور عباسؑ میں جو جھگڑا ہوا میرا شک کے بارے میں اور ابو بکر کے پاس لڑتے ہوئے گئے تو کون انہیں سے حق پر تھا اور کون باطل پر تھا۔ کیونکہ تم تو کہتے ہو کہ نہ تو دونوں حق پر ہو سکتے ہیں اور نہ دونوں باطل پر ہو سکتے ہیں۔

ہشام بن حکم۔ (ول میں) اگر میں یہ کہتا ہوں کہ علیؑ علیہ السلام (معاذ اللہ) باطل پر تھے نہ کفر ہوتا ہو دین و مذہب جاتا ہے۔ اور اگر کہتا ہوں کہ عباسؑ باطل پر تھے تو ابھی ابھی ہارون رشید گردن مارتا ہے اور قتل کرتا ہے (عجب سخت مشکل ہے) نیا مسئلہ درپیش آیا کہی کسی نے مجھے اسکا سوال نہ کیا تھا اور اسکا جواب میں نے نیا کیا تھا۔ اوسوقت مجھ کو قول جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا اپنے بارے میں یاد آیا۔

کہ وہ حضرت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ کہ اے ہشام تم جب تک ہماری نصرت زبان سے کرتے رہو گے ہمیشہ رنج القدس (اور جانب خدا سے) ہماری تاکید ہوئی رہیگی۔ یہ سمجھ کر میرا دل مضبوط ہوا اور میں نے کہا کہ میں ذلیل ہونگا۔ یہ خیال آنا ہی تھا کہ فوراً اسی وقت جواب دہن میں آگیا اور میں نے اونے کہا۔ ہشام بن حکم (زبان سے) ان دونوں میں کوئی خطا پر نہ تھا دونوں حق پر تھے اور حق کو ثابت کرتے تھے اور اسکی نظیر قرآن شریف میں موجود ہے حضرت داؤد علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے قصہ میں۔ جہاں حق سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے آیت وھل ایتھک بناؤا الخضم اذ شورا و الحراب سے آیت خصمان بغی بعضنا علی بعض تک۔ (اور کیا پہونچی ہے تمکو خیر نزاع کہ جب پشت دیو اور محراب سے ظاہر ہوئی) (اور کہا اون دونوں فرشتوں نے کہ ہم) دونوں نزاع کرنے والے ہیں کہ ہم سے بعض نے بعض پر بھاد کی ہے) پس ان دونوں فرشتوں میں سے کون خطا پر تھا اور صواب پر کون تھا۔ کیا تم یہ کہو گے کہ وہ دونوں خطا پر تھے۔ تو اس صورت میں جو جواب تمھارا ہے وہی جواب بعینہ ہمارا ہے۔

یحییٰ بن خالدؒ میں یہ کیوں کہو گا کہ وہ دونوں فرشتے خطا پر تھے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ وہ دونوں ٹھیک ٹھیک کہتے تھے۔ اور یہ اُس لیے کہ اوغین در حقیقت آپس میں نزاع اور جھگڑا ہی نہ تھا اور نہ کسی حکم میں آپس میں اختلاف تھا۔ یہ دونوں فقط اسی لیے ظاہر ہوئے کہ حضرت داؤد کو خطا سے آگاہ کریں اور حکم اونکو بتا دیں اور اونکو اس حکم سے واقف کر دیں۔

ہشام بن حکم۔ پس اسی طرح علی علیہ السلام اور عباسؓ حکم میں اختلاف نہیں رکھتے تھے اور نہ در حقیقت آپس میں نزاع رکھتے تھے۔ یہ اختلاف و نزاع فقط اسی لیے ظاہر کیا تاکہ ابوبکر کو اسکی غلطی پر تنبیہ کریں اور اسکی خطا پر اسے واقف کریں اور میراث میں جو ظلم اونپر ہوا تھا اسے ظاہر کریں۔ اور خود اونکو اپنے امر میں کوئی شبہ نہ تھا۔ یہ امر اونکا مثل اونہیں دونوں فرشتوں کے امر کے تھا۔ یہ جواب باصواب سنکر یحییٰ بن خالد برکی ساکت ہو گیا اور پھر اسی کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اور ہارون رشید عباسی نے بھی یہ جواب پسند کیا۔

اور کشی میں مناظرہ ہشام اور عمرو بن عبیدہ کی حکایت میں لکھا ہے۔ کہ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام کہ اے ہشام یہ بات تمکو کس نے سکھائی ہشام نے عرض کیا یا بن رسول اللہ۔ خود بخود میری زبان پر جاری ہو گیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اے ہشام یہی قسم بخدا حضرت ابراہیم و حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے۔

اور کشی میں علی بن یونس سے ہے کہ میں نے خدمت بابرکت حضرت امام رضا علیہ السلام میں عرض کیا کہ میں خدا میں آپ پر ہمارے اصحاب میں اختلاف ہے۔ حضرت نے فرمایا کس چیز میں اختلاف ہے کوئی بات او میں سے بیان کرو۔ علی بن یونس کہتے ہیں کہ اسوقت مجھ کو اور تو کچھ یاد آیا مگر یہ یاد آیا اور میں نے عرض کیا اوغین ایک یہ ہے کہ زرارہ میں اور ہشام بن حکم میں اختلاف ہے زرارہ کہتے ہیں ہوا (ہوا ہش نفس) کوئی چیز نہیں ہے۔ اور ہشام کہتے ہیں کہ یہ ایک چیز ہے جسکو خدا نے مخلوق کیا ہے۔ یہ سنکر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہشام کے قول کا قائل ہو۔ اور زرارہ کے قول پر نہ چل۔ اور قریب اسی کے ہے جو شیخ مفی علیہ السلام

مچالس میں لکھا ہے۔ ابو الحسن بن مشیم رہنے لگا کہ تم اپنے گلے میں صلیب کیون لگاتے ہو۔ اوس نصرانی نے کہا کہ یہ بیشیہ ہے اوسکی جیسر حضرت عیسیٰ کو سولی دی تھی۔ ابو الحسن بن مشیم رہنے لگا کہ کیا حضرت عیسیٰ نے کیا یہ چاہتے تھے کہ اوسکی تصویر بنائی جائے۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ کیا حضرت عیسیٰ حمار پر سوار ہو کر اپنے کام اور حاجت کے لیے جاتے تھے۔ اوس نصرانی نے کہا ہاں۔ ابو الحسن رہنے لگا تو حضرت عیسیٰ یہ چاہتے ہوئے جب تک میں اپنی حاجت اور اپنا کام کروں یہ حمار زندہ اور باقی رہے اوس نصرانی نے کہا کہ ہاں۔ ابو الحسن بن مشیم نے تو یہ کیا کہ جبکو حضرت عیسیٰ دوست رکھتے تھے اور اوسکی بقا و زندگی چاہتے تھے اور اپنی حیوۃ میں اوسپر بخوشی و خواہش سوار ہوتے تھے اوسکو تو متنے چوڑ دیا اور جبکو دشمن رکھتے تھے اور بکراہت جبراً جبر سوار کیے گئے (صلیب) اوسکو متنے اختیار کیا اور اوسکی تصویر گردن میں لگائے پرتے ہو۔ اس قاعدہ کے موافق تو تمکو لافٹ ہے کہ گدھے کی تصویر بنا کے گلے میں ڈالو اور صلیب کو اوتار پھینکو۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو یہ بھاری محض جہالت و ہٹ دھرمی ہے۔

اور اوس کتاب میں یہ بھی ہے۔ کہ ایک دن فضال بن حسین کوئی کا کر ابو حنیفہ کی طرف سے ہوا جہاں مجمع کثیر میں فقہ و حدیث لوگوں کو لکھوائی اور بتائی جا رہی تھی۔ فضال نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں تو بیان نہ ٹلون گا جب تک ابو حنیفہ کی گرم بازاری سر نہ کروں۔ انکے ساتھی نے کہا۔ کہ ابو حنیفہ کا علم و فضل مشہور ہو رہا ہے بہت بڑا لوگ اوسے سمجھتے ہیں۔ بولہا اوسکا مانے ہوئے ہیں۔ دلیلین اور حجتین ظاہر ہو رہی ہیں فضال نے کہا۔ نہیں۔ کبھی متنے دیکھا ہے کہ مومن پر کسی کی حجت و دلیل بالا رہی ہے۔ یہ کہے ابو حنیفہ کے قریب گئے سلام کیا۔ ابو حنیفہ نے اور سب نے جواب سلام دیا۔ فضال نے کہا کہ اے ابو حنیفہ رحمت اللہ میرا ایک بہائی ہے وہ کہتا ہے کہ تمام لوگوں سے بہتر اور سب سے برتر ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ علی بن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ ابو بکر اور بعد اونکے عمر۔ آپ اس بار میں کیا فرماتے ہیں۔ یہ سن کر ابو حنیفہ تھوڑی دیر سر جوہکا کر سکوت کیا۔ پھر سر اٹھا کر کہا کہ اونکی منزلت اور رفعت و بزرگی جو رسول خدا کے نزدیک تھی وہ اونکے فخر کے لیے کافی ہے۔ کیا تم یہ نہیں جانتے کہ وہ دونوں جناب رسول خدا کی قبر کے پاس ہر وقت پہلو میں ہیں۔ اور اس سے بڑھکر اور زیادہ کونسی حجت و دلیل روشن ہو سکتی ہے۔ فضال نے کہا کہ یہ تو میں نے اپنے بہائی سے کہا تھا لیکن وہ کہتا ہے۔ کہ اگر یہ مکان و مقام رسول خدا کا تھا اور انکا نہ تھا تو انہوں نے اپنے دفن ہونے میں ظلم اور غضب کیا کہ جو مقام اور جگہ انکی تھی اور حسین انکا کوئی حق نہ تھا واپان دفن ہوئے۔ اور اگر وہ جگہ انہیں کی تھی اور جناب رسالت اب صکوہ یہ کر دی تھی تو بھی بڑا کیا اور اچھا نہ کیا کہ پردی ہوئی جگہ کے لیے لیا اور غمہ توڑ ڈالا۔ یہ سن کر ابو حنیفہ نے بھی تھوڑی دیر سر جوہکا یا۔ اوسکے بعد کہا کہ یہ زمین (بعد حضرت) حضرت کی نہ تھی اور نہ بالخصوص ان دونوں کی تھی۔ بلکہ ان دونوں صاحبوں نے بنظر حق عائشہ و حفصہ کے اپنے دفن کا استحقاق حاصل کیا اور اپنے بیٹوں کے حق اور حصے میں دفن ہوئے۔ فضال نے کہا یہ بھی اپنے بہائی سے کہا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ کی نوازا جتنے توہم دیکھتے ہیں کہ ہر ایک کا اونہیں سے آٹھویں حصہ میں کا لوزان حصہ ہوا۔ پھر حبیب و سجاد کا

خیال کریں تو اوس مکان کا حصہ آٹھویں حصہ کا وزن حصہ ایک باشت ہوتا ہے۔ تو کیونکر یہ دونوں مرد ایک ایک باشت سے زیادہ کئے ستون ہوتے۔ اور اوسکے بعد یہ ہے کہ یہ کیا سبب کہ عائشہ اور حفصہ تو رسول خدا کے وارث بنیں اور فاطمہ اور علی بیٹی میراث پناہیں اور اونکو میراث نہ ملے۔ یہ سنکر ابوحنیفہ کما حقہ لوگوں کو میرے پاس سے دور کرو ہٹاؤ وانشاء فیث رافضی ہے یہاں تک بقی روایت مجالس کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی بہت مثالیں ہیں جو سمجھدار اور باخبر و ماہر ہو متبع روایات و حالات اصحاب کے اور سپر پویشیہ نہیں رہ سکتیں۔ اور تمام اصحاب ائمہ الطیاب کے نام ذکر کرنا اور اونکے مکالمات و مناظرات کا لکھنا جو دلالت ہمارے مطلب پر کرتے ہیں طریقہ کتاب سے خارج ہیں۔

پس اب ظاہر ہو گیا کہ یہ جو بعض اخباریوں نے کہا ہے۔ کہ طیار (ایک صحابی ہیں) نے عرض کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کہ اگر آپ ایک انار کے ٹکڑے کیجیے اور بعض حلال اور بعض کو حرام فرمائی تو میں گواہی دوں گا کہ بیشک جسکو آپ نے حلال فرمایا وہ حلال ہے اور جسکو آپ نے حرام فرمایا وہ حرام ہے۔ یہ سنکر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمکو کافی ہے کہ اون جناب کے قول کے قائل رہو یعنی حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کے۔

پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ طیار مکالمہ و مناظرہ اونہیں بانوں سے اور اوسی کلام سے کرتے تھے جو امام سے سنتے تھے یا جسکا مدلول و حاصل امام سے سنتے تھے۔ (یہ ہی قول اخباریوں کا ہے) اور ہمارے علم اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ ہشام بن العکم سے ابو الحسن جناب امام موسی کاظم علیہ السلام معتمد عنہ میں پانچ سو مسئلہ علم کلام کے دریافت کیے ہشام کہتے جاتے تھے کہ وہ (مخالفین) یہ کہتے ہیں۔ حضرت ارشاد فرماتے تھے تم اوسکے جواب میں یوں کہو پس حضرت نے اون پانچ سو مسئلوں کا اونہیں جواب دیا اور ہشام اونہیں جوابات سے مکالمہ کرتے تھے۔ اور یہ معلوم ہے کہ علم کلام کے مطالب اس سے زیادہ ہونگے۔ پس جو شخص التزام اسکا کرے (یعنی کلام امام ہی سے جواب مخالفین سے) وہ بھی و مخالفت میں داخل نہوگا۔ یہاں تک۔ کلام اونہیں بعض اخباریوں کا۔

(جناب غفر انما بطلاب ثراہ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں) یہ کلام اونکا رجمایا الغیب سے خالی نہیں ہے۔ اسلئے کہ یہ تو احادیث کثیرہ اور اخبار کثیفہ سے معلوم ہو چکا کہ مجاہد کرنا مخالفین سے امور دین میں تمام مقدمات صحیحہ سے خواہ وہ معصومین علیہم السلام سے سنے ہوں اور خواہ نہ سنے ہوں جائز ہے۔ تو اب کوئی وجہ اسکی نہیں ہے کہ طیار کلام عقلی صحیح سے جو معصوم سے نہ سنا ہو کلام کرتے ہوں۔ اور وہ روایت جسکو اون بعض اخباریوں نے ذکر کیا اونکے قول پر کچھ بھی دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ وہ روایت حسن عقیدت طیار پر دلالت کرتی ہے جو اونکو ائمہ علیہم السلام کے ساتھ تھا۔ اور تحسین امام علیہ السلام بظاہر اسی عقیدہ پر ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ مختاری فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ جو میرے پدر بزرگوار نے فرمایا اوسکے قائل ہو عصمت ائمہ علیہم السلام میں اور اونکے واجب التسلیم ہونے میں۔

اور وہ روایت جو ہمارے علمائے سوالات ہشام و جوابات حضرت ابو الحسن علیہ السلام کے

بارے میں بیان کی ہے۔ تو اوسمیں پہلے یہ بحث ہے کہ وہ جوابات اور انکی تفصیلات میں اس نواسے
 میں کچھ بھی باقی نہیں رہی ہیں تو اب انکے حاصل ہو جانے میں علم و یقین ہو جانا اور انکے ساتھ مکالمہ
 و مناظرہ میں جواب دینا اب ممکن ہی نہیں ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ ہشام خود
 مکالمہ اوس کلام سے ہی کیا کرتے تھے جسکو معصوم علیہ السلام سے سنا بھی نہ تھا جیسا کہ سابقاً ذکر ہو چکا
 تو اب دوسری کو کیا ہوا۔ تیسری بحث یہ ہے کہ یہ کہنا کہ مطالب علم کلام پانچ سو سے زیادہ ہونگے اگر اس
 سے مراد یہ ہے کہ اصلی مطالب اس سے زیادہ ہونگے تو یہ کچھ بعید نہیں ہے لیکن کلام عام ہے
 بالذات و اصلی۔ اور بالعرض فرعی سے۔ اور اگر مراد عام ہے اصلی و غیر اصلی سے تو یہ یہ مسلم نہیں
 ہے مطالب علم کلام پانچ سو سے زیادہ ہوں اور یہ کیونکر ہو سکتا حالانکہ کشتی کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن
 شاذان کی کتاب میں خود انکے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو محمد فحاص حسن بن علوی
 سے جو ثقت تھی سنا وہ کہتے تھے کہ میں نے فضل بن شاذان سے سنا ہے کہ وہ بیان کرتے تھے
 کہ یونس بن عبد الرحمن نے چون جج کیے اور چون عمرہ بجالائے اور ایک ہزار جلد بن رومحالفین
 میں تالیف کی۔ تو اب مسائل امامت اور انکے متعلقات کے جب یہ کثرت اور یہ مقدار ہی
 تو تمام مسائل دینیہ میں تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ کقدر ہونگے۔ اور سب سے زیادہ تعجب خیرام
 ہے جسپر غمزہ عورت جسکا جو ان لڑکا مر گیا ہوا ہو اسکو بھی ہنسی آجائے کہ بڑے بڑوں کے اس
 فرغنے کے جو گیارہویں صدی یا بارہویں صدی ہجری میں حادث ہوئے جو تمام اصحاب تکلیف
 اور سب علما مجتہدین پر طعن کیا کرتے ہیں و اب و عادت یہ ہے کہ بڑے بڑے دعوے کرتے
 ہیں۔ اور عوام کے سامنے علما پر اپنی بڑی تعلی جتاتے ہیں۔ اور زبان کے طعن و زخم لگاتے
 اور عمل کرنے میں سب بھول جاتے ہیں یا بھلا ڈالتے ہیں۔ اور اگر اپنے کلام کو بھول جاتے
 ہیں تو بھول جاتے ہیں لیکن اس کلام خدا کو کیوں ذہول میں ڈالتے ہیں اور بھلاتے ہیں۔
 لہذا تقولون ما لا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (کیونکہ ایسی
 بات کہتے ہو جسے نہیں کرتے یہ بڑی ناخوشی کی بات ہے خدا کے نزدیک کہ جسے کہو او سے
 پر نہ کرو)۔ اور تفصیل اس مقال کی اور تبیین اس حال کی انکی مصنفات اور انکی فتاویٰ
 میں ہے اور جو انکے موجودین کے حالات اور اعمال سے متعلق ہے اس امر کی مقتضی ہے
 کہ ایک رسالہ علانیہ لکھا جائے اسمیئے اسکو ہم نے اصحاب اذیان زکیہ و ارباب افہام المعیہ
 کے تخصّص و تحسّس پر حوالہ کیا۔ لیکن اس لحاظ سے کہ ما لا یدرک کلہ لا یدرک کلہ
 (جو سب پناے تو سب کو ترک ہی کرے) (ساری کے لیے آدھی کو بچوڑی) اور یہ بھی زبان
 زد و خلالت و مثل مشہور ہے کہ مشکل بات کے پیچھے پڑ کے آسان کو نہ چھوڑے۔ لہذا میں کچھ
 باتیں اوسکی بطور نمونہ کے بیان کرتا ہوں۔ ایک یہ ہے کہ بعض افاضل خبارین نے لکھا ہے جس کا
 حاصل یہ ہے کہ فخری رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا جو تفسیر میں ولقد قال لہم ہل و
 من قبل یا قوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمن فاتبعوا فی آخر آیت تک۔

(اور تحقیق کہا ہوں نے قبل مراجعت حضرت موسیٰ کے اسی قوم تمہاری آزمائش کیگو اسکے سوا اور پردہ گار متہار من ہے پس میری تابعداری کرو) بیان ایک دقیقہ اور باریک بات ہے وہ یہ ہے کہ رافضی تسلیم کرتے ہیں اور دلیل لانے میں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ علی مبنی بمنزلہ ہارون من موسیٰ (جو منزلات ہارون کو موسیٰ سے تھی وہ ہی علی کی نسبت و نسبت مجھ سے ہی) ہارون نے تو تقیہ نہیں کیا اور اس جمیع کثیر اور جم غفیر میں منبر پر چڑھ گئے اور اپنی متابعت اور پیروی کرنے کو سب سے کیا اور کچھ کا خوف نکلیا۔ پس اگر امت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باطل پر تھے تو علی کو واجب تھا کہ جیسا ہارون نے کیا تھا ویسا ہی یہ بھی کرتے۔ اور جب انہوں نے یہ نہیں کیا تو ہم کو معلوم ہو گیا کہ امت حق پر تھی۔ تمام ہوا کلام رازی اسکے بعد ان فاضل صاحب نے لکھا کہ میری خاطر قاصر میں بارہ وجہوں نے خطو کیا کہ ہر ایک ادین سے جواب کی صلاحیت رکھتی ہے۔ پھلی بھی کہ یہ حدیث جو دو فرقوں شیعہ و سنی میں متواتر ہے اس طرح ہے علی مبنی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لابی لعدی (علی کو نسبت مجھ سے ویسی ہی جیسے ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ کوی بنی میرے بعد نہیں ہے) پس استثنائے اکر نامرتبہ نبوت کا جو شخص تہہ حضرت ہارون کے موجب و باعث استثناء و تالیق و لوازم نبوت ہے۔ اور منجملہ لوازم نبوت یہ ہے کہ بنی پر تقیہ جائز نہیں ہے اور یہ بات علماء اہل سنت میں متفق علیہ اور اجماعی ہے اور اہل تشیع کے علماء میں اجماعی نہیں ہے مگر قول مشہور یہی ہے دوسری وجہ اور جواب جسکا جسکا حاصل یہ ہے کہ ہارون نے جن باتوں کو بیان کیا اور انکی تصریح کی وہ اس سبب سے تھی کہ انکے ناصر و مددگار اور تصدیق کرنیوالے وہاں موجود تھے اور وہ حضرت موسیٰ تھے بخلاف جناب علی بن ابیطالب علیہ السلام کے کہ کوئی ناصر و معین بعد وفات جناب سید المرسلین نہ تھا۔ یہاں تک تھا بعض کلام اس بعض فاضل اخباری کا۔ میں کہتا ہوں کہ پھر اسکے بعد انہوں نے بارہ وجہیں پوری کی ہیں۔ اب آپ یہ اعراض ہوتا ہے کہ مولانا صاحب اچانک مذہب تو یہ ہے کہ جو کلام معصوم علیہ السلام سے نہ سنا ہو ہرگز ہرگز اس سے مکالمہ کرنا جائز نہیں ہے۔ پھر آپ نے اپنے لئے ان بارہ وجہوں سے خطو کیا کہ آپ کی خاطر میں آپ کے اعتراف و جواب دینا کیونکر جائز کر لیا۔ حالانکہ شبہوں کا دفع کرنا بھی آپ پر واجب تھا۔ بلکہ یہ کام تو امام کا اور بھی امر ہے استثناء عدم تقیہ جناب امیر علیہ السلام بحجۃ استثنائی نبوت ظنی ہے اور اسی طرح عدم تقیہ حضرت ہارون کا سبب جو حضرت موسیٰ کے باوجود مسافت بعیدہ پر ہونیکے نہی ہے اور اسی طرح تمام جوابات آپ کے پس کیونکر انکی زبان پر اسی طرح کے ظنیات و وہمیات جاری ہوئے حالانکہ آپ آپس جو کلام ظنی سے حکم کرے کھایت شد و مد سے طعن و تشنیع کرتے ہیں۔

اور انہیں امور میں سے بھی ہے کہ انہیں فاضل صاحب نے نفیقہ میں یہ خبر من حکم کیا ہے اور اس قول میں کہ لازم عام کا لازم خاص ہوا ہے کیا اس میں بھی کلام کیا ہو اور عبارت عارضہ غلطی میں حکم کیا اور اسطرح کی بحث مثالیں ہیں خلاصہ یہ کہ اگر علمائے امامیہ کے علم کلام کی کتابوں میں قائل کیا جائے تو بہت ایسی باتیں نکلیں گی جنکو مطالب و مضامین حقہ سے اگرچہ دور ہی کا صحیح کچھ علاقہ ہے اور مبادی بعیدہ مطالب حقہ کے ہو سکتے ہیں جیسے ان فاضل صاحب کا قول تھا نفیقہ موجبہ سبزیہ کے بارہ میں یا جیسے انکا کلام تھا اسکے اس قول میں کہ لازم عام کا لازم خاص کا ہے پس اگر ان فاضل صاحب کو کچھ عذر تھا اور کوی سبب یہ جو انہوں نے ان بحثوں میں خوض و غدر کیا باوجودیکہ علمائے متکلمین پر طعن کیا کرتے ہیں تو علمائے متکلمین کیلئے تو بطریق اولیٰ اور اسے بہتر سبب عذر نکل سکتا ہے۔

اب اگر ہم یہ کہو کہ کیا کہتے ہو تم حکم کر نہیں کلام فنی افعالی سے جو مفید یقین ہو جائز ہے یا حرام ہے جیسا کلام سے ان فاضل کے نکلتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اس میں تحقیق ہماری یہ ہے کہ جزم و قسم مطلوب پر بسط طرح دلیل و برہان سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح کبھی بسبب کثرت قرآن اور آیات و مقدمات ظنیہ سے بھی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ اکثر اعتقادات میں ایسا ہی ہے۔ پس اگر مطلوب اس فیصل سے ہے تو ایسے کلام کے رجحان میں شک نہیں ہے۔ اگرچہ مفید یقین ہو اور اس پر دلیل عقلی بھی ہے اور نقلی بھی ہے۔ دلیل عقلی یہ ہے کہ یہ تو بچے معلوم ہو چکا کہ دلیل ظنی کبھی بطور مقدمات ہوتی ہے تحصیل مطلوب کی جو یقیناً مطلوب و حتماً جزا واجب ہے اور یہ بھی مقرر ہو چکا ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب ہے (پس اس دلیل ظنی سے حکم کرنا واسطے حصول مطلوب واجب کے واجب ہے۔) اور دلیل نقلی پس عمل اللہ علیہم السلام اور ان کے اصحاب کا اور عمل علماء و شیوخ اس زمانہ تک کیونکہ اکثر اصول دین مستند ہیں خواہ برائے و اخبار کی طرف اور ظاہر سے لظن ہی حاصل ہوتا ہے اس کے علاوہ بہت سی اخبار احاد ہیں جن کے الفاظ و معنی دونوں ظنی ہیں اور بہت سے احتجاجات ائمہ علیہم السلام اور احتجاجات اصحاب عنوان اللہ علیہم از قبیل الباقی و احادیث اور بطور انب و اوامیر کے ہیں جیسا کہ محض و تدبیر سے ظاہر ہو سکتا ہے اور اگر اس پر بھی محتہ ض (اخبار یون) کو شک باقی رہے تو دیکھیں کہ بہت سی آئین ایسی ہیں جو شامل میں احتجاج پر آتا ہے و وجود مصالح عالم پر اس کے علم و قدرت پر تو تمام اس کے صفات کمالیہ پر بول بالا ظاہری لگنے (اصطلاحاً) ظنی ہیں اور مفید یقین نہیں ہیں پس برہان (اصطلاحاً) میں داخل ہونے۔ اور ایک جماعت محققین نے تصریح کی ہے کہ یہ امور و مقدمات اقناعیات ظنیات ہیں نہ برہانیا اور دیکھو روایت شام بنی الحکم مثلاً شام کہتے ہیں کہ ابن ابی العوجاء دھری آیا۔ اور کہنے لگا کہ میں مضر بن ہون (میں مخلوق ہوں) ہوں میرا کوئی خاں اور خالق پیدا کرنے والا اور بنانے والا نہیں ہے۔) اس کے جواب میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اگر تو مضر بنی (اور کیسا بنا یا ہوا مخلوق) ہوتا تو بچہ کس طرح او کیسا ہوتا۔ چو اسکو وہ نہ ہو گیا اور کچھ جواب لیکھا

۱۲

روایات و اخبار و قسم کے ہیں یا متواتر ہیں کہ اس کثرت سے راویوں نے بیان کیا اور ہر طبقہ میں ایسے کثرت سے کہ جس سے یقین اس روایت کے الفاظ کا یا معنوں کا ہو گیا اور اگر ایسی کثرت راویوں کی نہیں ہوتی کہ جس سے ہر زمانہ میں اور ہر طبقہ والوں کی روایت کے یقین ہو سکتا تو اسکو روایت احاد کہتے ہیں اگرچہ کیسے ہی موثق و معتبر لگ اسکو بیان کریں اور متعدد راویوں سے روایت ہونے پر کہ احادیث سے کہ جو ایک شخص کے ہیں ان روایت احاد کو ہم لوگ مفید علم نہیں قرار دیتے اگرچہ اس زمانہ کے تہذیب و علم والے اور نئی تعلیم یافتہ لوگ علم و یقین ہی کے درجہ پر سمجھتے ہیں پس ہم میں اور ادون میں بڑا فرق ہو گیا۔ وہ لوگ جب بعض معتبر اور موثق لوگوں کے کسی بات کو سنتے ہیں اسکو قطعی سمجھ لیتے ہیں اور ہم جب تک اس بات پر دلیل عقلی قائم ہو یا باطل قطعی و متواتر اسکا وجود و حصول ثابت نہ ہو قطعی نہیں سمجھتے پس ہم اصطلاحاً حاجت ظنی کہتے ہیں اور حکم مرتبہ بھی ایسا ہے کہ جب کوئی لوگ بڑے بڑے

انجیل کے علمی و قطعی سمجھتے ہیں ۱۲ مترجم

۱۲ اگرچہ اصطلاحاً ظاہر ظاہر نہیں ہیں مگر یہ امر نہیں کہ کسی طرح پر مفید علم و یقین نہیں بلکہ یہ آثار اس کثرت سے ہیں کہ مجموعہ میں جمیع البموج سے یقین و قطع وجود واجب الوجود اور اسکی علم و قدرت و اختیار و تمام صفات کا ہوتا ہے اور ہر چیز اسکے وجود کی گواہی دیتی ہے۔ تو کیونکہ یقین نہ ہو گا کہ ہرگز درختان سبز درختوں کو پانی ہر وقت دے دے و قدرت معرفت کر دے گا کہ بلکہ ہر گاہی کہ از زمین و مین و لہذا شریک گوید نواب انسان صاحب عقل کیونکہ اس کے وجود و قدرت کا یقین کریگا۔ ۱۲ مترجم

اور چلا گیا۔ اور دیکھو اس روایت کو جو حضرت ابو الحسن امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے وارد ہے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ یا بن رسول اللہ کیا دلیل ہے حدوث عالم پر اور دنیا کے حادث ہونے کی حضرت نے ارشاد فرمایا (ایک دلیل بھی ہے) کہ تم پہلے سنتے پھر موجود ہو گئے اور یہ بھی تم کو معلوم ہے کہ نہ تم نے خود اپنے نفس کو پیدا کیا اور نہ تمہاری مثل نے (کسی آدمی کے) تم کو بنایا۔ اور توحید میں فضل بن شاذان سے روایت ہے کہ ایک شخص جو مذہب شیعہ رکھتا تھا حضرت ابو الحسن امام علی بن موسی الرضا علیہ السلام سے عرض کیا اور فضل بن شاذان کہتے ہیں کہ میں بھی حاضر خدمت تھا۔ اور شخص نے کہا کہ میں قائل ہوں کہ صلوات عالم اور خدا و زمین آپ ارشاد فرمائیں کہ خدا کے واحد ہونے کی کیا دلیل ہے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تمہارا کہنا کہ دوہین بھی دلیل ہے اس کا ایک ہونے کی اس لیے کہ جب تم نے وہ سر کا دعویٰ کیا پھر ضرور ایک کو مان لیا۔ جب دوسرے کا دعویٰ کیا پس ایک کے وجود پر تو ہم اور تم دونوں متفق ہوئے۔ اور ایک کا ہونا تو ضروری ہوا۔ اب ایک سے زیادہ کا ہونا اختلافی ہوا۔ (پس اب وجود واحد ثابت کرنا کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ فیہ فیہ ہے اب دوسرے کو ثابت کرنا تم پر لازم ہے کیونکہ فیہ عدم ہم کا حق ہے اور دیکھو جسکی وصیت کی جناب امیر نے اپنے فرزند ارجمند حضرت امام حسن علیہ السلام کو کہ اعتقاد یقینی رکھو اسکا کہ تمہارے پروردگار کا کوئی شریک ہونا تو اسکی طرف سے بھی رسول تمہارے پاس آئے اور اس کے بھی سلطنت اور مملکت کے بھی کچھ آثار ہم دیکھتے اور اس کے افعال و صفات کو بھی جانتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ وہی خدا واحد و یکتا ہے۔ کہ خود اس نے اپنی ذات کو وحدانیہ سے متصف کیا ہے اور اسی طرح بہت روایتیں ہیں اور میں سے قریب وہ بھی جکا ابھی ذکر ہو چکا اور اطلاع اور رجوع اسکی طرف آسان ہے وہ بڑا منصور و جبار ہے جو ابھی ذکر ہوئی اور وہ میں اہمیت کو ثابت کیا ہے۔ اور روایت احوال اور روایت شعی اور مقالہ هشام اور شیعہ وغیرہ اسکی طرف رجوع کرو۔ اور بغور و تامل دیکھو۔ البتہ اگر مقصود و مطلوب ان مطالب اصولیہ سے جنہیں تحصیل یقین یا یقین ضروری ہو تو او میں تھکا دلیل ظنی کے قائم ہوئے ہیں حکم خبری و حتمی نہ ہو گا جب تک اور قرائن و اشارات سے اسکی تائید و تقویت نہ ہو۔ اور علم و یقین حاصل نہ ہو۔ اب مثنی قول فیض مجاہد حسنہ اور مجاہدہ غیر حسنہ میں۔ تو اسکا بیان اس روایت میں ہے جو تاج تفسیر حضرت امام حسن علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا حضرت امام حسن علیہ السلام نے کہ حضرت امام جعفر علیہ السلام کے سامنے جدال فی الدین کا ذکر ہوا۔ اور یہ بھی ذکر ہوا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نے دین میں مجاہدہ کرنا کی ممانعت فرمائی ہے یہ شکر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مطلقاً مناظرہ کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اس مناظرہ اور مجاہدہ کو منع فرمایا جو بغیر احسن ہو۔ کیا تم لوگوں نے قول پروردگار عالم نہیں سنا ولا یجادلوا اهل الکتاب الا بالتی ہی احسن (نہ مجاہدہ کرو اہل کتاب سے مگر اس طریقہ سے جو احسن ہو) اور یہ قول پروردگار عالم کا ادع الی سبیل ربک بال حکمۃ والموعظۃ الحسنۃ بالتی ہی احسن (دعوت کرو اہل بلا و لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور موعظہ حسنہ سے اور مجاہدہ کرو ان سے اس طریقہ سے جو احسن ہو) پس وہ جدال جو بطریقہ احسن ہوا اسکو علمائے دین سے ملایا ہے اور دین میں داخل کیا ہے اور وہ جدال جو غیر احسن ہو وہ حرام ہے۔ اور ہمارے شیعوں پر خدا نے حرام فرمایا ہے۔ اور یہ کہان ہو سکتا ہے کہ بالکل جدال خدا نے حرام کیا ہے۔ کیونکہ خود ارشاد فرماتا ہے وقالوا ان یدخل الجنة الا من کان ہوذا او نصا (وہ کہتے ہیں یہود و نصاریٰ) داخل جنت نہ ہو گا کوئی جو یہود و نصاریٰ (اس کے بعد ارشاد کیا ہے انکے) اما ینتم قل ہا تو اب رہا انکے ان مکتمہ صادقین (یہودی خواہشیں انکی) یہود و نصاریٰ کی ہیں) کہو (ای ہمارے رسول) اس نے کہ لاؤ اپنی دلیل (اپنے دعویٰ پر) اگر تم سچے ہو) پس پروردگار عالم نے شہادت صدق کی دلیل و برہان کا لانا قرار دیا۔ اور

اور پہلا سوال اس جدال کے جو بطریق احسن ہو کہ بین برہان لائی جاتی ہے۔ بعض حاضرین نے عرض کیا یا بن رسول اللہ جدال احسن کیا ہے اور جدال غیر احسن کیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جدال اس طریقہ سے جو غیر احسن ہو یہ ہے کہ کسی مبطل سے تم مناظرہ کرو اور وہ تم پر کوئی امر باطل وارد کرے اور اس کا جواب صحیح نیکو اور محض اس کا انکار کرو یا کسی امر حق کو جو مقرر میں نے اپنے دعویٰ باطل کی اعانت کے لئے ذکر کیا ہے اور تم اس امر باطل کو جو آئندہ کسی اور میں اس امر حق کا انکار کرنے سے اس خوف سے کہ اگر اس امر حق کو ہم قبول کرتے ہیں اور مانتے ہیں تو وہ ہم پر غالب آتا ہے اور اس کی حجت تمام ہو جاتی ہے

۱۱ جسطرح کہ اجکل کی نئی تعلیم یافتہ اور پختہ لوگ کہ اپنے کو پکا اور سچا مسلمان بتاتے ہیں مگر اس سبب سے کہ پوری اعتقادات اہل ایمان پر واقف نہیں ہیں اور اولہ عقلیہ سے پوری واقفیت نہیں رکھتے اور نہ طریقہ مناظرہ کو جانتے ہیں۔ اپنے کم عقل اور کم علم پر برا اعتماد و بھروسہ کرتے ہیں اور سنے سنائے اقوال و احکام کو جسمیں کی جہت ہوتی ہے اختیار کرتے ہیں اور ضروریات دین و مذہب جو قطعی دلیلوں اور یقینی برہانوں سے ثابت ہیں ان سے انکار کرتے ہیں اور منقاد مومنین کے لئے باعث فتنہ و فساد ہوتے ہیں ہر شخص کی عقل اس لائق نہیں کہ اس سے متوری سے معلومات پر دخل و مداخلت کرے۔ اگرچہ ہر مذہب کی عقلی خالص قطع پر کیا ہے مگر نہ یہ کہ ہر ادنیٰ ادلے اپنے ادراک کے موافق عمل کرے بلکہ اور جو کہ اس کی عقل اور ادراک نہ کر سکے اس سے انکار کر دے۔ ہم میں کیا اور ہماری عقل ہی کیا ہے لاکھوں کروڑوں خیرین ایسی ہیں کہ ہماری عقل پر خفی ہیں۔ تمام حکماء حکمت قدیمہ قدیمین اور متاخرین اور فلاسفہ موجودین سب متفق اور ہر برہان ہیں۔ اور اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں کہ تمام اشیا اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکی ہیں اور نہ وہ اشیا جو معلوم ہوئی ہیں انکی پوری پوری حقیقت و ماہیت معلوم ہوئی ہے اور ابھی تک ہرگز ان اشیا معلومہ کی تمام شرائط و موانع تاثیر و تاثر دریافت نہیں ہوئے ہیں۔ پس جبکہ سب اقرار عاجزی ادراک ماہیات و تاثیرات کرتے ہیں تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ کسی اثر کو جسکی تائید برہان قطعی عقلی سے ہوئی ہو۔ اور اسکا لازم ذاتی و فطری ہونا معلوم ہو اس اثر کو ہم لائق نچر اور قانون فطرت قرار دین ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تا وقتیکہ پوری پوری ماہیت اور شرائط و موانع تاثیر و تاثر اس کے معلوم نہ ہوں۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ پروردگار عالم نے جو قانون فطرت و لائق نچر جس چیز کا قرار دیا ہے وہ موافق حکمت و مصلحت کے ضرور ہے مگر جو بیان اور حسن کہیں بعض اشیا میں ہلو گوں کو بھی معلوم ہو جاتے ہیں اگرچہ تمام جہات حسن و خوبی کا ادراک تو ممکن ہی نہیں ہے پس ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی مصلحت و حکمت اور حسن و خوبی کی جہت اُسے حسن و خوبی خلقت و فطرت سے زیادہ کسی وقت میں پیدا ہو تو اس وقت وہ قانون فطرت اور اسکا بدلہ یا جائے جسطرح مثلاً کسی زمانہ میں اپنی اظہار قدرت و اختیار و اپنے بے پایاں کی اظہار صدق و تصدیق کی مصلحت سے جو اس کے خلقت و فطرت کی مصلحت سے حکمت سے کہیں زیادہ مصلحت کہتی ہے اسکی خلقت و فطرت کو بدل دے تو ہرگز ہرگز کسی حکم محال لازم نہیں آتا مگر اجکل کی نئی تعلیم یافتہ یہ بھی مصلحت کہ دیکھ کر اسکو اسدرجہ قانونی فطرت لائق نچر سمجھے کہ معجزات و خرق عادات کا بالکل انکار کر بیٹھے ہیں سمجھتے کہ جو ایک وقت کسی شے کی حکمت و مصلحت پر نظر کر کے اسکی ایجاد فطرت سے قادری وہ دوسرے زمانہ میں اس سے زیادہ کسی مصلحت پر نظر کر کے اسکی فطرت بدل دینے پر قادر نہیں ہے۔ یہ محض استبعادات و بھی ہیں جسطرح کفار جو منکر معاوتھے جیسے اجکل کے پختہ ہی جو منکر معاوتھے تھے جنکی حکایت پروردگار عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہے و ضرب لہا مثلاً و نہی خلقتہ قال من یحیی العظام وہی ریمیم پہلا یہ کہ جو منکر معاوتھے اسکی حجتیں و اسرار و افعال و نچر و ماہیات الذی انشاہا اول مرة وہو کل شے علیم ۱۱ الذی جعل لکم من التجرار الخضر نار افاد ۱۱ انتم منه فو قد و ن (سب خدا نے اول مرتبہ اسکی ایجاد و خلقت کی وہی اسکو پھر دوبارہ زندہ کر دیا اور وہ سب اشیاء کا عالم و دوا کا بکرم

کہہوائے ہی محمد مصطفیٰ مجیبہا الذی انشاها اول ترہ وهو بکل خلق علیہ الذی جعل لکم من
الشجر الا حنظل فاذا انتم منه توقدون ۱۱ آخر سورۃ تک (وہ انکو زندہ کریگا جسے انکو اول مرتبہ۔) حجب
بالکل نیست و نابود نہیں کیا اور وہی تمام خلق و مخلوق کا علم رکھنے والا ہے۔ جسے تمہارے لیے درخت بنو شاداب
سے اگ کو بنایا اب تم اس سے اگ روخن کرتے ہو۔ پس جبکہ پروردگار عالم نے اپنے بنی سے یہ چاہا کہ وہ
مجادلہ کریں۔ اور مبطل سے جو کہتا ہے کہ یہ خاک ہوئی ہر لہان کیونکر دوبارہ زندہ ہوگی۔ اور اس کے جواب میں کہا کہ اس سے
کہو کہ جسے اول مرتبہ نہیں پیدا کیا ہے وہ ہی انکو زندہ کریگا۔ اور ہر اپنی مخلوقات کا علم رکھتا ہے پس اگر دشواری اور
عاجزی کسی کو ہوتی ہو تو کوئی نئی چیز پیدا کریں نہیں نہ یہ کہ اسکو ایک مرتبہ پیدا کر چکا ہو پس اس خاک کو اور بڑو کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کریں نہیں
۱۱

لقتی حارثہ ہمارے نزدیک یقینی و قطعی ہے کیونکہ کوئی دلیل قطعی اسکے محال و باطل ہونے پر قائم نہیں ہوئی اور صادقین سے برابر تواتر خبر
و قطع کی ہمو ہو چکی تو کیونکر قطعی ہوگی۔ اگرچہ کوئی دلیل عقلی اس پر قائم نہ ہو لیکن اس کے محال ہونے پر اور عدم پر ہی اسکے کوئی دلیل
قائم نہیں ہے اور محض اس لئے کہ آسمان ہمو دکھا لی نہ دے اگرچہ رصد اور دوربینوں سے بھی معلوم نہ ہو یہ دلیل اسکو عدم کی
نہیں ہو سکتی عدم و بطلان دلیل عدم نہیں ہے دیکھئے ہوا جو مجھے متصل ہے اور اس میں ہر وقت رستے میں مگر اکنبہ سے نہیں دیکھ سکے
پس آسمانوں کو اگرچہ مجھے اکنبہ سے نہیں کیا اور نہ کہا لی وہ میں بسبب اپنی سفاکی تو کیا اس سے ادھکا و جو معدوم ہو جائیگا جو برابر لختا متواتر رہے گا و صادقین سے
کیا ہے اور خدا نے خبر دی ہے اور بعض رسولوں نے جسکو خود بخوش خود دیکھا اور بیان کیا۔ اگر نریاں کرے کہ میں فلان
رصد خانہ سے فلان ستارہ کو دیکھا کہ وہ ٹوٹ گیا اور پھر کشش مرکزی سے چرہ گیا تو باور کر لیا جاتا ہے جیسا کہ علوم و ہیئت
جاریہ کے تصنیفات کے مطالعہ کر نیوالے پر ستارہ کا ٹوٹ جانا اور چرچا جانا تجویبی معلوم ہے تو کیا تمام استبعاد و
کولنا محال لازم آتا ہے کہ صادق الامین رسول رب العالمین خبر دے کہ جانے دو تو کرے ہو گیا اور پھر بل لیا تو ہم مانیں ہمو تو
فقطا و کو کہنے سے قول کرنا لازم تھا نہ یہ کہ جسکو ایک گروہ کے گروہ کہا اخیرین دین مگر ہم انکو بھی جو ٹانیا ملین اور مخبر شوقی انکرو مانیں
پھر پوچھو سچا اور مسلمان بنائیں کیا خوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ملا کے ہمتو سچے تھے۔ وجود مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کا جسے اسے
اکنبہ سے نہیں دیکھا ہے سوائے اخبار متواترہ کے کیونکر باور ہو سکتا ہے اور جب متواتر خبروں سے وجود اسکا سنا گیا تو
ضرورت کے وجود کا یقین ہو گیا۔ اگرچہ دلیل عقلی اسکے وجود پر قائم نہیں ہے لیکن اسکے محال ہونے پر بھی دلیل قائم نہیں ہے
خلاصہ یہ کہ حکومت عقل یا علم وجود سے میں ہے جسکا وجود عقل قطعی ثابت کرے یا علم عدم سے میں ہے۔
جسکا عدم قطعی ثابت کرے اور عدم علم میں جو عقل کو معلوم ہے نہ اس میں حکومت عقل نہیں ہے۔ بلکہ وہ
صغیرہ حکومت ناموس و شریعت کا ہے جسکو علام الغیوب جانتا ہے اور ہمو اسے یقیناً توں کو خبر اگر رسول الامام علیہ السلام
و اسلام کے ذریعہ سے جو صادق و مصدق تھے ملی تو ضرور قابل قبول ہے اور ہم اسکو مانیں گے بسبب اسکے صدق
کے نہ بچہ کہ اسکو رد کریں اور اسکا انکار کریں اور پھر سچے مسلمان بنے رہیں اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین

۱۱ مترجم

اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین
اللہم احسننا من المؤمنین و احسننا من المجاہدین

یہاں تک کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی جدال ہے جو بطریقہ احسن ہے اسلئے کہ اس میں قطع کرنا ہے کافروں کے
 عذر و نکاح اور ذرا اہل کرنا ہے ان کے شیون کا اور جدال اس طریقہ سے جو احسن ہے وہ یہ ہے تم انکار کرو کسی امر حق
 کا اس سبب سے کہ امر حق میں اور اس باطل میں جسکو مجادل نے وارد کیا فرق نہ کر سکو اور اس باطل کو دفع نہ کر سکو یہاں تک کہ حق کا
 انکار کر دینا ہو پس یہ حرام ہے اور تم ہی اس وقت میں اسی کہ مثل ہو گئے کیونکہ اُسے بھی ایک امر حق سے انکار تھا اور جسے بھی دوسرے
 امر حق سے انکار کر دیا یہاں تک کہ کلام حضرت کا تھا۔ اب میں کہتا ہوں کہ اس کلام میں نظام سے ظاہر ہو گیا کہ کلام غیر مستحسن
 وہ کلام ہے اوں لوگوں کا جو کم عقل ہوں اور علم زیادہ نہ ہو اور مخالفین پر احتجاج اور دلیل لایا نہ ملے اور عادت اور طریقہ انکو حاصل ہو
 تو بات نہیں ہے اور حق ہے۔ اور عقل سلیم ہی اسکا حکم کرتی ہے اسلئے کہ حکم سے ایسے کم عقل و کم علم کے یا تو یہ ہو گا
 کہ اسکو سکوت ہو جائیگا یا بعض مطالب حق کا انکار کریگا یا کہ مغلوب ہو اور یہ دونوں باتیں تیسرے اور چوتھی ہیں اور قسم خدا و
 دین و ایمان کی باعث ہو گی۔ جیسا کہ روایت ہی اس پر شامل ہے اسی سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ روایت محمد بن عیسیٰ کی جو شروع
 تکمیل میں۔ توحید ابن ابی یوسف علیہ الرحمہ سے لکھی ہے کہ محمد بن عیسیٰ کہانی بن ابی ہریرہؓ کے خط میں پڑھا جو حضرت ابو الحسن امام موسیٰ کاظم
 علیہ السلام کی خدمت میں لکھا تھا کہ ہمارے اصحاب نے آپ کے اباء و طاہرین سے روایت کی ہے آخر حادیث تک۔
 وہ متروک نظر ہے بالاتفاق کہ اسکے ظاہری معنوں پر کوئی عمل نہیں کرتا اسلئے کہ قرآن مجید کے مخالف ہے کیونکہ ہمارے
 ارشاد فرماتا ہے و جادلکم بالحق احسن ولا یجادلوا اهل الکتاب الا بالحق ہی احسن (مجادلہ کرو ان سے
 اوس راہ سے جو بھترے۔ اور نہ مجادلہ کرو اہل کتاب سے مگر اوسط طریقہ سے جو بھترے۔) اور حادیث کے بھی خلاف ہے
 اسلئے کہ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام کہ میں نے دیکھا کہ ابی ہریرہؓ کو اس شخص کیلئے کہا ہے کہ ہمارے قول کو ترک کر
 اور جہاد ہر اسکا جی چاہے مگر اوٹھائے چلا جائے۔ جیسا حدیث طولانی جو کافی بن یونس بن یعقوب سے منقول ہوئی ہے
 یونس بن یعقوب کہتے ہیں کہ میں حاضر خدمت فیضد ریت امام جعفر صادق علیہ السلام تھا۔ اور پھر آخر حدیث تک بیان کیا
 اور اس حدیث میں جسکا ذکر ابھی گذرا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مطلقاً اور بالکلیہ ممانعت
 مناظرہ کی نہیں کی ہے آخر حدیث تک۔ اور کشتی کے اپنے اسناد سے طیارے روایت کی ہے۔ طیار کہتے ہیں کہ میں نے
 حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ لوگوں کے مناظرہ کرنا اور خصومت
 کرنے کی کراہت فرماتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری طرح کے لوگوں کے کلام سے کراہت نہیں کرتا وہ شخص
 کہ جس وقت اوڑتا ہے تو اُسکے اتر نیسے بھترے اور جس وقت اُترتا ہے تو اُدسکے اوڑنے سے بھترے۔ پس اگر
 اس طرح کا کلام ہو تو اوس کلام سے ہم کراہت نہیں رکھتے اور بھیہ ہی امر ہے کہ اہم واجبات سے نظر و فکر ہے معرفت
 واجب تعالیٰ میں اور اسکے صفات ثبوتیہ و سلبیہ میں اور اسی طرح معرفت عدالت و معرفت نبوت میں اور امام اور
 معاون اور جو کچھ اس سے متعلق ہے پس کیونکہ کلام علی الاطلاق اور بالکل ممنوع و منہی عنہ ہو سکتا ہے۔ حالانکہ
 مراد نظر و فکر سے یہ ہے کہ معرفت اصول دینیہ کو براہین یقینیہ و ادلہ قطعیہ سے حاصل کرے اسی سبب سے تم
 دیکھتے ہو کہ طریقہ اظہار و اثبات کتاب و سنت میں اسی پر جاری ہوا ہے جیسا کہ اوس شخص پر جو کتاب
 و سنت میں نظر نہ کرے اور اعتقادات نبی اور ائمہ کو دیکھے مخفی نہیں ہے اور اسی پر عمل تمام اصحاب ائمہ علیہم السلام
 کا تھا جیسا سابق میں معلوم ہوا۔ اور اظہار میرے نزدیک یہ ہے کہ وہ روایت (محمد بن عیسیٰ کی) محل تفسیر و تہجد و عبادت
 ہوئی ہے۔ اسلئے کہ پھر معلوم ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زمانہ میں نہایت شدید تہذیب کا زمانہ تھا

کہ حضرت کا نام بسبب تقیہ کے نہ لے سکتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت میں کہ اس میں رعایت تقیہ کی بہت ضروری تھی اور یہ
 ہر شخص عالم بریظا ہے اور ہر ماہر و کامل اس سے ماہر ہے اور وہ قرنیہ قویہ جبر امتداد ہو سکتا ہے یہ ہے کہ
 کشتی میں اپنے اسناد کے ساتھ یونس سے روایت کی گئی۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے ہشام سے کہا کہ لوگوں کو گمان ہے
 کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے عبدالرحمن بن الحجاج کو تمہارے پاس بھیجا اور حکم فرمایا کہ سکوت اختیار کرو۔
 اور کلام نکر دو۔ اور تم نے اس فرمان پر عمل نہیں کیا۔ تو مجھے بتاؤ وہ کیا بات تھی اور کیسے تمہارے پاس بھیجا تھا۔ اور کلام
 کی عافیت کی بتی یا نہیں اور اس کے بعد پھر تم نے مکالمہ و مناظرہ کیا یا نہیں۔ اور پھر ہشام نے کہا کہ زمانہ سلطنت مہدی
 میں اصحاب اراؤ صاحبان ابواپر بہت شدت کیجاتی تھی۔ اور ابن المقفع نے سب فرعون کو علیہ علیہ اسکو تفصیل
 اسکو لکھ بھیجا تھا اور وہ خط سب لوگوں کو سنایا گیا۔ یہ سننے یونس نے کہا کہ مان بیٹے ہی اس خط کو سناتا۔ مادھب
 میں لوگوں کو زیر ہکرنایا جا رہا تھا۔ اور دوسری مہمہ مدینہ النواضح میں بیٹے سناتا تھا۔ پس ہشام نے کہا کہ ابن المقفع
 نے ایک ایک فرقہ کے لوگوں کو اس سے لکھایا تھا کہ اپنے خط میں لکھا کہ ایک فرقہ ہے کہ اسکو زرارہ کہتے ہیں اور ایک فرقہ
 عمار یہ ہے جو عمار سا باطنی کے اصحاب ہیں۔ اور ایک فرقہ ہے کہ اسکو یغفور یہ کہتے ہیں۔ اور ایک فرقہ سلیمان قطع کے
 اصحاب کا ہے اور ایک فرقہ کہ اسکو حوالہ تقیہ کہتے ہیں۔ یونس نے کہا کہ اسدن ہشام بن الحکم اور ان کے اصحاب کا ذکر
 نہیں آیا۔ پس ہشام نے یونس کو گمان دلایا کہ حضرت ابوالحسن علیہ السلام نے ان کے پاس کسی کو بھیجا تھا اور کہلوا بھیجا
 کہ اس نے مانہ میں اپنی زبان روکے رہو اور مناظرہ نہ کرو کہ یہ زمانہ نہایت شدت و سختی کا ہے۔ ہشام نے کہا کہ میں نے
 مناظرہ سے اپنی زبان کو روکا یہاں تک کہ مہدی مر گیا۔ اور بھیجا ان میں سکون ہوا پس یہ تھا امر ان کا اور انتہا میری
 ان کے قول کی جانب۔ اور پھر بھی کشتی میں رہے اپنے اسناد سے یونس کہتے ہیں کہ میں نے ہشام سے کہا کہ تمہارے اصحاب
 کہتے ہیں کہ حضرت ابوالحسن علیہ السلام نے عبدالرحمن بن الحجاج کے ہمراہ تمہارے پاس فرمان بھیجا کہ مکالمہ و مناظرہ سے
 زبان کو روکو۔ اور ہشام بن سالم کو بھی یہی فرمان پہنچا۔ ہشام نے کھا کہ میرے پاس عبدالرحمن بن الحجاج آئے تھے اور
 مجھے کہا کہ حضرت ابوالحسن علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ تم مناظرہ سے ان دونوں میں باز رہو اور یہ وہ زمانہ تھا کہ مہدی کو سب
 فرقہوں کے حالات و مقالات لکھے گئے تھے اور اُس میں لکھا تھا قول جو القیہ ہشام بن سالم کا۔ اور پھر خط تمام گذر گا ہوں
 میں پڑا گیا۔ اور کلام ہشام (ہشام بن الحکم) کا ذکر تھا۔ اور گمان ہوا یونس کو کہ ہشام بن الحکم نے کہا کہ میں بالکل مناظرہ
 سکوت کیا تھا تک کہ مہدی مر گیا۔ اور مجھے اسی زمانہ تک کو کہا تھا۔ پس اس زمانہ میں میں نے سکوت کیا تھا تک کہ
 مہدی زندہ نہ رہا۔ اور یہ بھی کشتی میں اپنے اسناد سے عبدالرحمن بن الحجاج سے روایت ہو رہی کہتا ہے کہ وہ ہشام بن الحکم
 کے پاس پہنچے حضرت ابوالحسن علیہ السلام کا لیکے گئے۔ اور اس نے کہا مکالمہ نہ کرو مجھے حضرت نے حکم کیا ہے کہ تم کو حکم
 کروں کہ مکالمہ نہ کرو۔ ہشام بن الحکم نے کھا کہ یہ کیا کہ ہشام (ہشام بن سالم) تو مکالمہ کریں اور میں نہ کروں۔ انھوں
 نے کہا کہ حضرت مجھے حکم ہے کہ تم سے حکم کروں کہ تم کلام نہ کرو۔ اور میں حضرت کا بھیجا ہوا تمہارے پاس آیا ہوں۔
 ابو یحییٰ راوی اس روایت کے زبانی عبدالرحمن کے نقل کرتے ہیں کہ ہشام بن الحکم نے ایک بھینٹے تک مکالمہ نہیں کیا۔ اس کے
 بعد یہ مناظرہ شروع کیا۔ اور عبدالرحمن بن الحجاج آئے اور ہشام سے کہا کہ سبحان اللہ اے ابو یحییٰ (کنیت ہشام)
 تم نے مکالمہ کیا حالانکہ تم کو مکالمہ کی ممانعت ہو چکی ہے۔ ہشام نے کہا کہ میری طرح کے لوگ کب مکالمہ سے باز رہ سکتے ہیں
 ابو یحییٰ کہتے ہیں جب دو سرار نہ ہوا پھر عبدالرحمن بن الحجاج آئے اور ہشام سے کہا کہ ابی ہشام حضرت نے بتے فرمایا ہے

کہ کیا یہ بخاری خوشی کی بات ہے کہ تم کسی مرد مسلمان کے خون میں شریک ہو۔ ہشام نے کہا نہیں۔
عبدالرحمن نے کہا کہ حضرت نے فرمایا ہے۔ کہ پھر میرے خون میں کیوں شریک ہوتے ہو۔ اگر تھے سکوت
کیا تو خیر والاقول دفع رکھا جو اسے۔ اسپر بھی وہ مکالمہ سے باز رہے۔ بیان جو حضرت پر گزرا وہ گذرا۔
پس اس طرح کی روایتیں قرینہ قویہ ہیں اس بات کی کہ حضرت ابوالحسن امام موسی کاظم علیہ السلام نے
جو مکالمہ کی تھی اور مخالفت فرمائی تھی وہ بسبب تفتیہ کے تھی اور اپنے جان کا خوف تھا۔ اس لیے کہ حضرت
کے اصحاب کا مکالمہ و مجادلہ کرنا مخالفین سے خصومت و مخالفت امامت میں اور جو اس کے مخالفت سے
تھا۔ اس میں گمان ضرر تھا حضرت کو اپنے لیے جیسا کہ تھے پہچانا۔ اور اس قول میں حضرت کے اثنہ
اکبر من نفعہ (گناہ اور سکا اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہے) اشارہ اسی طرف ہے جسکو ہم نے
بیان کیا (گمان ضرر) واللہ اعلم بالصواب۔

اب رہی روایت طیار جو اس روایت (محمد بن عیسیٰ) کے بعد ہے اس میں کوئی بھی دلالت کلام
کی مخالفت پر نہیں ہے اور اس کا اشارہ ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ اور یہ قول حضرت ابوجعفر امام محمد باقر
علیہ السلام کا هلاک المستکبرون ونجی المسلمون (ہلاک ہوئے کلام کرنے والے و سلاست رہے
تسلیم کرنے اور ملنے والے) تو وہ فقرہ اخیرہ اس کا قرینہ ہے اس بات کا کہ مراد تکلمین سے اس قول
میں وہ لوگ ہیں جو مخالفت کرتے ہیں آئمہ علیہم السلام کے اپنے تنہا ناقص عقول پر اعتماد کر کے
اور کلام آئمہ معصومین کو جو اون لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے رد کرتے ہیں۔ حالانکہ تسلیم و اقیان اور
اس کا قبول کرنا اون پر واجب و لازم ہے۔

اب رہی روایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ جو ہمارے
علوم سے مخفی ہے اس سے مخاصمہ اور مناظرہ کرو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ علوم آئمہ
علیہم السلام کے عام ہیں جزئیات مخصوصہ و اصول کلیہ سے کہ کبھی وہ حضرات امور کلیہ بھی امور
جزئیہ کا افادہ فرماتے تھے۔ بیان تک کہ جواب ہشام کا جو سوال بھی بن خالد کے وقت اون کے ذہن
میں برکت دے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیا وہ ہی استفادہ و نہیں آئمہ علیہم السلام
کے علوم سے اور مقتبس اور نہیں کے ارشادات و اشارات سے تھا۔ اور یہ ہی احتمال ہے کہ اس
روایت میں وہ لوگ مراد ہوں کہ جنکو عادت تکلم کی نہیں ہے اور طریقہ مناظرہ سے واقف نہیں
ہیں اور اتنا علم نہیں ہے کہ بقایات حق کی طرف اون کا ذہن مستقل ہو واللہ اعلم بالصواب۔

اب رہی روایت مغربی تو اس میں تو سوائے اسکے اور کچھ دلالت نہیں ہے کہ مخالفت آئمہ اطہار
علیہم السلام نکرہ کہ جو اہل عصمت و طہارت ہیں۔ اور اس میں شک نہیں ہے ایسا ہی جیسا ہے کہ آئمہ
میں نفی نکرہ ہے۔ اور روایت طویلیہ میں جو کافی میں مذکور ہے حسین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
نے شامی سے فرمایا تھا کلام من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ او من عندہ
(کلام تیرا رسول خدا کے کلام سے ہے یا تیری جانب سے) تو مراد اس سے یہ ہے کہ کلام
تیرا موافق و مطابق ہے کلام رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ کے یا اس کے مخالف ہے اس لیے

کہ اسکے کیا معنی اور یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ اثبات واجب الوجود اور وہ چیزیں جو اثبات نبوت موقوف پر
کلام نبی سے واجب ٹھہرائیں (اس لیے کہ جب تک - نبوت ثابت ہوگی اور نبوت تک یہ کلام و وجوب اس
سے کیا ثابت ہو سکتا ہے) اور مولانا صالح رہ گئے جو یہ کہا اصول عقائد کو چاہیے کہ وہ صاحب مشرع
کی طرف استناد رکھتے ہوں یہاں تک کہ انہوں نے کہا کہ یہ حق صریح و مذہب صحیح ہے - والا لازم
آیگا کہ جسے عقل کے طریقہ پر چلنے میں خطا ہوئی اور مقتضائے عقل میں دھوکا ہو گیا وہ روز قیامت
معذور سمجھے جائیں - تو اس کا جواب یہ ہے کہ جتنی عقلیں سالم ہیں - وہ اس بات پر حاکم ہیں کہ اصول دین
کی دو قسمیں ہیں - ایک وہ چیزیں نبوت موقوف ہے - دوسرے وہ جو قول رسول خدا سے
کلین ہیں - اور یہ نہیں ہو سکتا کہ پہلے قسم کہیں کہ اس کا بھی حاصل ہونا شروع سے واجب ہے -
اس لیے کہ یہ اور کا موجب ہے - ہاں یہ ضرور ہے کہ جب وہ اصول ثابت ہو جائیں جنہیں نبوت موقوف
ہے - اور نبوت ثابت ہو چکے تو قول نبی اور وصی بنی معاخذہ اون دلیوں کے ہونگے اور عقلی دلیلوں سے
بھی اون کی تائید ہوگی - اس لیے کہ معصوم پر خطا جائز نہیں ہے (پس ضرور ہے کہ وہ موافق اون قطعی
دلیلوں اور یقینی برہانوں کی فرمائیں گے) اب رہا یہ قول مولانا صالح کا - والا لازم آئیگا کہ خطا کرنے والے
عقل میں معذور رہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتراض دونوں طرح لازم آتا ہے - خواہ عقلی دلیلوں سے
حاصل کرنا واجب کہیں یا سمعی دلیلوں سے (کیا سمعی دلیلوں سے حاصل کرنے میں خطا نہیں ہو سکتی)
پس چاہیے کہ جو سمعی دلیلوں پر چلنے میں خطا کرے وہ قیامت میں معذور رہے (حالانکہ ایسا نہیں ہی)
اور اصل اس کا اور صحیح جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اول حق عقلیہ کو اصول دینیہ حقہ پر نصب کر دیا ہے -
اسی طرح سمعیات حقہ پر اون اصول پر جنہیں وہ سمعیات موقوف تھے مقرر فرمایا ہے - اور اون تک پہنچنے کا
راستہ بتا دیا ہے اور مطلوب و مقصود حاصل کرنے کا دروازہ کھول دیا ہے - پس اب جو خطا
ادب لوگوں سے ہوئی ہے وہ اس کے سوا اختیار سے ہے کہ بڑی راہ سے چلے اور اون کے
نقصوں کی خباثت سے ہے اور اون کی طبیعتوں کے عدم استقامت سے ہے - نہ خداوند عالم کی
جانب سے - اور یہ جو مولانا صالح نے (اپنے قول تائید میں بیان کیا ہے) کہ مخالفین اہل خلاف
بھی کلام اور تکلیف کی مذمت کرتے ہیں - پس اس کا علم اور اعتقاد رکھنا چاہیے کہ راہ ہدایت و رشد اون کے
خلاف میں ہے (کیونکہ وہ حق سے مخالفت کرتے ہیں - پس اون کے مخالفت عین حق ہے) اور اون کی
جہل کے لیے ہمارے نزدیک بھی کافی ہے کہ وہ مذمت کرتے ہیں اون علماء کی جو بحث کرتے ہیں
کہ صفات واجب تعالیٰ عین ذات ہیں یا غیر ذات ہیں - باوجودیکہ ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام
کے خطبے اور حدیثیں معلوم ہیں اس بحث سے اور اس امر سے کہ صفات اسکی عین ذات ہیں غیر
ذات اور علاوہ ذات کے نہیں ہیں - اور اسی طرح قول شافعی کا کہ بندہ سوائے شرک کے جو چاہے
گناہ کرے اس کے لیے بہتر ہے اس امر سے کہ کلام میں زبان ہلائے - اور اسی طرح یہ کلام اس کا -
کہ جو شخص کلام اس باب میں کہ اسم عین سمی یا غیر سمی تو گواہ رہو کہ وہ شخص اہل کلام سے ہے اور
اس کا کوئی دین نہیں ہے - باطل ہے - اس لیے کہ ہمارے آئمہ معصومین علیہم السلام سے بہت حدیثیں

دار و مہوی ہیں جنہیں تحریریں و ترغیب ہے مکالمہ اور جواب دہ کی جو بطریق احسن ہو۔ جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا۔ اور اس امر میں حدیثین ہیں کہ اسم غیر مسمیٰ ہے جسکو عنقریب جاننے گا۔ پس جو شخص سکے کہ جو قائل ہے اسکا کہ اسم غیر مسمیٰ ہے وہ قائل دین نہیں رکھتا۔ اوس شخص پر لعنت خدا کی۔ خلاصہ یہ کہ ہمارے کلام کا حاصل یہ ہے۔ کہ علم کلام و اصول اور فقہ سب کے سب آئمہ علیہم السلام کی مخالفت سے مذموم ہیں۔ اور جو چوائی مخالفت کرے وہ سب مستوجب و حائل نارہین اور نارہی ہیں۔ اور اون آئمہ معصومین کی متابعت کرنے والا اور اونکی نصرت کرنے والا مہرچ ہے اور مستحق جہنم و جنت ہے جسکے بچے نہرین جاری ہیں۔ اور تیسری دلیل اون اخباریوں کی یہ ہے کہ معرفت پر ہی ہے خدا کی طرف سے ملتی ہے۔ کسی بندے کا اوسمین و فل نہیں ہے اور نہ وہ اسکا کام ہے پس واجب بھی ہوگی تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ تو پہلے ہی باطل ہو چکا اور اسکا بطلان حاصل ہو چکا۔

پانچواں مقدمہ اس بات کی تحقیق میں کہ معرفت کے واجب ہونے سے کیا مراد ہے آیا وہ معرفت یقین ہے۔ کہ اوغان و یقین متی و جزئی مطابق واقع اور نفس الامر کے حاصل کرنا واجب ہے یا معرفت عام ہے یقین و ظن سے کہ ظن بھی کافی ہے۔ پس ہم تسلیم ہیں کہ جسپر یہاں قائم ہے اور دلیل جس طرف لیے جاتی ہے اور علما و اعلام بھی اوس پر ہیں۔ اور بہت سے علما نے دعوا اتقانی اور اجتماعی ہونے کا بھی کیا ہے وہ یہ ہے کہ مراد معرفت سے یہ ہے کہ اصول دین میں یقین کا حاصل کرنا واجب ہے۔ مثل وجود صانع عالم کے اور جو اس کے لیے واجب ہے اور جو اس پر محال و متغ ہے۔ اور مانند عدالت و نبوت کے (کہ انہیں یقین کا حاصل کرنا واجب و لازم ہے) اور مثل انہیں کے اور اصول میں (اور اسکی بہت دلیلیں ہیں) پہلے یہ کہ حق تعالیٰ علم و یقین کا حاصل کرنا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ پر واجب کیا اپنے اس قول سے فاعلم انہ لا الہ الا اللہ (علم و استقامت اور اسکا کہ سوائے اللہ واحد و یکتا کے اور کوئی خدا نہیں ہے) پس جب حضرت پر واجب ہوا تو تمام امت پر ہی حضرت کے واجب ہے بسبب تاسی حضرت کے اس لیے کہ تاسی پیروی حضرت کی واجب ہے کیونکہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحبکم اللہ (اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری متابعت کرو کہ خدا تم کو دوست رکھے) اور اس متابعت میں فرق نہیں ہے توحید و غیر توحید میں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اہل ظن کے اپنی کتاب میں مذمت کی ہے کئی مقاموں پر۔ جیسے یہ قول حق تعالیٰ مالہم لہ من علم ان یتبعون الا الظن و ان الظن لا یغنی عن الحق شیئاً (اوسکے ساتھ کچھ علم و یقین تو ہے نہیں وہ فقط ظن کی پیروی کرتے ہیں اور صحیح صحیح یہ ہے کہ ظن امر حق سے بے احتیاج نہیں کرتا) اور مثل اس قول پروردگار عالم کے وان تطع اکثر من فی الارض یصلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان انتم الا تحضون (اگر اطاعت کرے گا اکثر اونکی جو زمین پر ہیں تو وہ تجھ کو راہ خدا سے گمراہ کر دیں گے۔ نہیں پیروی کرتے ہیں وہ مگرمگان (باطل) کی اور نہیں ہو تم مگرتمینہ اور اکل پر چلتے ہو) اور مثل اس قول حق تعالیٰ کے وان لظن الا ظناً و ما نحن بمسئقین (مبتوگمان ہی گمان پر ہیں ہمکو یقین تو ہو ہی نہیں) خداوند عالم نے

گمان کی اور وہ اوسکے جو ظن و گمان پر چلتے ہیں غمت فرمائی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ سب کو ضرور ہے کہ علم و یقین حاصل کریں۔

تیسرے یہ کہ پروردگار عالم نے ہدایت و صلاح دنیا و سعادت و فلاح عقبیٰ کو اہل علم و یقین میں منحصر فرمایا ہے کیونکہ قرآن میں نازل کیا ہے **وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا نَزَّلَ إِلَيْكَ وَمَا نَزَّلَ مِنْ قَبْلِكَ** **وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ** **أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** (اور وہ لوگ جو ایمان ہیں اوس چیز کا جو تم پر نازل ہوئی اور اوسکا جو تمہارے قبل نازل ہوئی اور آخرت کا وہی وہی یقین رکھتے ہیں وہ لوگ تو ہیں اوس راہ ہدایت پر جو اوسکے پروردگار کی طرف سے اور وہی لوگ تو فلاح پانے والے ہیں) پس اس آیت کا صاف مفہوم یہ ہے کہ غیر اہل علم و یقین اس طرح نہیں ہیں بلکہ اسکی ضد ہیں۔ تو اب علم و یقین واجب و لازم ہوا۔

چوتھے یہ کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے **طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَىٰ كُلِّ مُسْلِمٍ** (طلب و تحصیل علم و یقین پر مسلم پر لازم ہے) اور امام جعفر صادق علیہ السلام کا قول کافی میں نقل کیا ہے حضرت نے فرمایا **إِنَّهَا كَأَنَّ الْخَصْلَتَيْنِ فِيهَا هَلَاكُ الرِّجَالِ** **إِيَّاكَ أَنْ تَفْقِيَ النَّاسَ بِلَاكٍ** **وَلَا يَنْبَغِي لَكَ أَنْ تَعْلَمَ** (میں ٹکود و خصلتوں دو باتوں سے منع کرتا ہوں کہ انہیں دو نو میں تمام لوگ ہلاک ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ہرگز ہرگز کسی خود پر اسے ٹکرنا اپنی رائے کے فتوٰ نہ دینا۔ دوسرے یہ کہ بغیر علم و یقین کے کسی بات کا اعتقاد نہ کرنا اور اوسکو دین میں داخل نہ کرنا۔ اور اسی طرح علی ایک دوسری حدیث بھی کافی میں ہے۔ اور یہ بھی اوسی کتاب کافی میں ہے کہ فرمایا حضرت عالم امام موسیٰ کاظمؑ نے کہ جو شخص ایمان میں علم و یقین کے ساتھ داخل ہوا وہ اوپر ثابت بھی رہیگا اور اوسکا ایمان اوسکو نفع ہی دیگا۔ اور جو شخص بغیر علم و یقین کے ایمان میں آئیگا وہ اوسی طرح اوس سے فائدہ ہی ہو جائیگا جس طرح اوسمیں آئیگا۔ اور اوس روایت کی بھی دلالت ہمارے مطلب پر ہے جو اوس کافی میں ہے اوستاد سے حسین بن کلیم سے روایت لکھیے حسین بن کلیم کہتے ہیں کہ میں عبد صالح حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو عرفینہ لکھا اوسمیں گزارش کی۔ کہ مجھے ابھی شک ہے۔ اور حضرت ابراہیم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام نے ارشاد فرمایا رب اسنی کیف تجنی الموتی (پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو کیونکر مردوں کو زندہ کرتا ہے) میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ آپ ہی مجکو کچھ دکھائیے۔ حضرت نے اوسکے جواب میں لکھا۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مومن تھے ظہار ایمان لایچکے تھے اعتقاد رکھتے تھے۔ اونکو یہ مرغوب و محبوب معلوم ہوا کہ اعتقاد اور بڑے اور ایمان اور زیادہ ہو جائے۔ اور تو ابھی شک (شک کرنے والا) ہے اور شک میں کوئی خیر و خوبی نہیں ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ شک

۱۵ جیسا کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول سے یہ صاف ظاہر ہے بلی و لکن لیطمئن قلبی یہ امر نہیں ہے کہ میں ایمان و اعتقاد اسکا نہیں رکھتا بلکہ ضرور اسکا اعتقاد رکھتا ہوں لیکن تاکہ اطمینان قلب ہو اور ایمان بڑے اسکی خواہش کرتا ہوں ۱۴ بحسبم۔

جب ہی تک ہے کہ جب تک یقین نہ آئے اور جب یقین آگیا تو شک جائز نہیں ہے۔ اور یہ ہی تحریر فرمایا کہ حقیقتاً ارشاد فرماتا ہے و ملجدنا لا کثرهم من عهدنا و جدنا اکثرهم الفاسقین (اور نہیں پایا ہم سے اونکے اکثر وہ کفر کے لیے عہد اور پیمان بختہ جس پر وہ باقی ہیں) اور ہم نے تو اونکے اکثر وہ کفر کو فاسق ہی پایا) اور اوسے کتاب کافی میں اپنے اسناد سے ابی اسحق خراسانی سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام اپنے خطبے میں ارشاد فرماتے تھے لا ترموا بوافشکوا ولا تشکوا فکفروا۔ (نہ دل میں ریب کرو کہ شک میں پڑو اور نہ شک کرو کہ کافر ہو جاؤ) اور یہ بھی اوسے کتاب میں ہے محمد بن مسلم سے۔ محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں خدمت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام میں حاضر تھا میں حضرت کے بائیں جانب بیٹھا تھا اور زرارہ دہنی جانب اسی اثنا میں ابوبصیر آئے۔ اور عرض کیا کہ یا حضرت آپ اوس شخص کے لیے کیا ارشاد فرماتے ہیں جو خدا کے بارے میں شک کرے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ وہ شخص کافر ہے۔ پھر ابوبصیر نے عرض کیا کہ کیا حکم ہے اوسکے واسطے جو کہ بناب سالتنا صلی اللہ علیہ وآلہ میں شک کرے حضرت نے ارشاد فرمایا کافر ہے۔ پھر حضرت متوجہ ہوئے زرارہ کی طرف اور فرمایا کہ جب مجدداً نکار کر گیا تو کافر ہو جائیگا۔

جناب مولانا صالح نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جناب رسالت میں اوس وقت تک شک ہو سکتا ہے جبوقت تک حجت و دلیل قائم نہ ہو۔ اسلیے کہ یہ تو ضروری اور بدیہی بات ہے کہ بعد قیام دلیل کے شک باقی نہیں رہتا۔ تو اب شک کرنے والا قبل قیام دلیل کے جب ہی کافر ہو گا کہ جب مجدداً نکار کرے۔ بخلاف اوسکے جو مجدداً نکار کرے پس وہ مستضعف اور ضعیف الایمان ہے۔ اور اسکا بیان آئندہ ہی آئیگا۔ اب رہا شک کرنے والا خدا کے بارے میں پس وہ کافر ہے۔ کیونکہ خدا کی جہتیں اور اوسکے وجود کی دلیلین روشن و ظاہر ہیں۔ ہر شے اوسکے وجود کی شہادت دے رہی ہے۔ اور یہ ہی اوسے کتاب میں صیغہ فضل میں جو فضل آتھو ہیں سنا میں نے کہ حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے تھے کہ جو شخص شک کرے یا ظن کرے اور اوسے بر قائم رہے تو حق تعالیٰ اوسکے اعمال ضبط کر لیتا ہے (اونکو مقبول نہیں کرتا) اونکی جزائیں دیتا) یہ خوب سمجھ لو کہ خدا کی جہتیں نہایت روشن جہتیں ہیں۔ اور اوسکے سوا اور بھی اس طرح کی حدیثیں اوس کتاب میں ہیں۔ وجہ دلالت ان احادیث کی جو شامل شک پر ہمارے مطلوب پر یہ ہے کہ شک خلاف یقین ہے۔

صاحب قاموس نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔ اور مجمع البحرین میں لکھا ہے کہ شک ارتیاب کو کہتے ہیں۔

۵۱ یعنی اب یہ تیرے شک نہیں ہے بلکہ مجدداً نکار ایسے کہ جب ہمارے آیات دلالات و معجزات بکثرت مشہور ہو چکے اور تم لوگ دیکھ چکے تو اب شک کمان ہو سکتی ہے یہ شک نہیں ہے مجدداً نکار حق سے جو۔ اور یہی سبب تھا کہ حضرت نے اوسکو معجزہ نہ دکھایا اسلیے کہ جانتے تھے کہ اسکو مفید نہوگا کیونکہ یہ عاجز و منکر حق سے جو نہ طالب حق ۱۲ مترجم۔

۵۲ یعنی نہ دل میں خیالات فاسدہ کر دو کہ آخر کو زبان سے بھی ادس شک کو ظاہر کرو کہ جب شک ظاہر کرنے لگو گے تو ادس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ منکر ہو جاؤ گے اور منکر کافر ہے درجہ

اور وہ خلاف یقین ہے اور لازم و متضاد ہی دونوں طرح اسکا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح علماء و پیشوایا
اہل لغت سے نقل کیا گیا ہے۔ پس قول اہل لغت شک خلاف یقین ہے۔ شامل ہے تردد کو دونوں
امروں میں خواہ دونوں طرفین برابر ہوں۔ خواہ ایک دوسرے پر ترجیح ہو۔ فرمایا پروردگار عالم نے
فان كنت في شك مما انزلنا اليك (پس اگر تم کو شک ہو تو اس میں جسے ہم نے تمہارے لیے نازل کیا
ہے) مفسر نے شک کے معنوں میں غیر متیقن کو لکھا ہے اور وہ عام ہے دونوں حالتوں سے
(شک اور ظن سے) اور فقہانے بھی شک استعمال موافق اہل لغت کے دونوں حاموں میں کیا
ہے جیسے یہ اونکے قول ہیں من شك في الطلاق من شك في الصلوة جو شک کرے طلاق
میں۔ جو شک کرے نماز میں) یعنی جو شخص کہ یقین نہ کرے خواہ ایک طرف کو خواہ دوسری جانب پر
ترجیح ہو یا نہ ہو۔ اور معنی وصیت مفضل کے برابر اوسکے جو کلام مولانا صاحب رحمہ سے بھی جاتے ہیں یہ دین
کہ جو شخص شک کرے اور اوسکو تردد حاصل ہو خواہ دونوں جانب میں مساوی ہوں یا ایک جانب کو ترجیح
ہو خواہ جانب حق کو خواہ خلاف حق کا گمان ہو اور وہ اوس پر مانی رہے آخر روایت تک۔ وہ ہمارے
مقصود کے مخالف نہیں ہے پس کوئی توہم نہ کرے جو ہم نے معنی شک کے نقل کیے اوسکے خلاف ہے
پانچویں یہ ہے کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ وجوب معرفت دفع خوف کے لیے ہے۔ اور ظن میں احتمال رہتا ہے
کہ یہ مخالف واقع ہو تو وہ اب بھی مستلزم خوف کو ہو گا اور کافی نہ ہو گا بلکہ تحصیل یقین واجب ہو گی۔ اور
یہ بھی امر ہے کہ حق تعالیٰ و لیلین روشن روشن اور حجتین ظاہر ظاہر اعتقادات حق پر قائم فرمائیں ہیں (جسے
علم و یقین حاصل ہوتا ہے) پس اگر ظن پر اکتفا ہم جائز جانیں تو اغوا بالجهل اور جهالت میں ڈالنا لازم آتا ہے
اور یہ قبیح ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے تجویز فرمایا ہے کہ اعتقادات حق کو براہین عقلیہ سے
ثابت کریں اور فروع دین میں اسکو تجویز نہیں فرمایا بلکہ منع فرمایا ہے۔ اور قائم کرنا قطعی دلیلوں کا ہر زمانے
میں اعتقادات پر نہ عبادات و معاملات یہ خصوصاً اس زمانے میں۔ اور ذکر عقلی دلیلوں کا کلام مجید میں۔
اور کلام رسول خدا میں اور کلام آئمہ ہدایہم السلام میں اکثر اصول و دین پر۔ یہ سب کہلی دلیلین اور روشن
حجتین ہیں اس بات کی کہ اعتقادات میں مطلوب تحصیل یقین ہے۔ اور یہ امر اوس شخص سے جو صاحب
طبع سلیم و منہم مستقیم ہو مخفی و پوشیدہ نہیں ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ اس مقام
میں مسائل اصولیہ و اقصیہ ہیں کہ جنکی تکلیف حق تعالیٰ نے ہمکو دی ہے کہ انہیں جزم و ایمان کے ساتھ
تحصیل کریں اولہ و براہین سے اور اسکی نام علم ہے۔ پس جو شخص اعتقاد رکھے گا اس مسائل میں اسکے
خلاف کا یا شک کرے اوسنے تقصیر کی نظر و فکر میں اوسکے مقدمات کی تحصیل و ترتیب میں جو اسکے علم
کی طرف پہنچاتے اور وہ مستحق عذاب ہو گا۔ اسلیے کہ یہ معلوم ہے۔ کہ اظہار خدا پر واجب ہے۔ اور منجملہ
اظہار یہ ہے کہ وہ قائم واضح و روشن دلیلوں کو پہر اوس مسئلہ پر جسکی تحصیل علم و یقین کی تکلیف بندوں
کو دی ہے۔ پس نہ اتفاقات کیا جائیگا مخالفین حق کے ادعا پر بذل جہد و طاقت میں اپنے اعتقادات
باطلہ کے تحقیق میں کہ اوسکا نام وہ علم رکھیں۔ اسلیے کہ حکم کرنا اس امر کا دو مخالفین نے بذل جہد و
طاقت میں تصور کیا اولیٰ ہے التزام قصور اور قبیح سے بہ نسبت خدا کے تعالیٰ کے۔ اور یہ قصور علماء

مخالفین میں اور ان کے جہاں میں مشابہ بھی ہے زمانہ جناب رسالتاً سے اس وقت تک اس لیے کہ دنیا ہمیشہ اہل باطل کے ساتھ رہے۔ اور وہ ہی دنیا ہے کہ ساتھ ساتھ پہرتی رہے جدھر وہ گئے اور ہر وہ ہی گئے۔ علم و زہد کو وسیلہ تحصیلِ غارت و دنیا کا قرار دیا تھا۔ اور ہمیشہ روگردانی و اعراض کرتے رہے نظر و فکر سے تحقیق حق میں جو اونکو بلا کتنا ہے اخروی سے نجات دیتا۔ اور ہمارے اس قول میں وہ شخص تو شک لا ہی نہیں سکتا جو کہتا کہ اہل باطل کا عذر پیش خدا مقبول نہوگا۔ کیونکہ یہ ضروریات مذہب سے ہے مخالفین مذہب ہمیشہ داخل جہنم و خالد فی النار رہیں گے۔ اور اسکو حدیث جناب رسالتاً ہی پکار کے کہہ رہی ہے وہ حدیث جو عامہ و خاصہ دونوں میں مشہور ہے۔

مستفترق امینی علی ثلثة وسبعین فرقة کاتھا فی النار اکا واحدۃ (قریب ہے وہ زمانہ کہ میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں سب کے سب ناری ہو گئے فقط ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ اب میں شروع کرتا ہوں ذکر اہل لوگوں کے اقوال کا جو ہمارے اس طریقہ میں مخالفت ہیں اور ہر ایک کی دلیلین اور اس کے قول پر اور جواب اوسکا۔ پس ہم کہتے ہیں کہ جاہل نے اور غیری نے کہا ہے کہ ہر مجتہد اصول دین میں مصیبت ہے خواہ خطا کرے یا نہیں۔ اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ معتقد کے مطابق او کا اعتقاد ہو۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ظاہر فاسد ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ شخص بعد اجتماع و نظر کے گنہگار نہوگا اور عمدہ تکلیف سے باہر آ جائیگا۔

اور کتاب نہایہ میں کلام علامہ حلی علیہ الرحمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں (غیری اور جاہل) نے تمام مسلمین کے اس قول میں مخالفت کی ہے۔ بعض معتزلہ نے ان کے قول کو اس طرف راجع کیا ہے کہ مراد اہل علم کلام کی وہ مسائل ہیں جنہیں اہل اسلام نے اختلاف کیا ہے جیسے مسئلہ رویت ہے یا مسئلہ خلق اعمال ہے۔ مگر علماء میں یہ تاویل مشہور نہیں ہے بلکہ اسکا غیر مشہور ہے (یعنی مطلق اجتماع کسی مسئلہ میں اور خلافت حق نظر سے حاصل ہو تو ہی ان دونوں کے مذہب کے موافق معذور رہیگا) اور دلیل اول دونوں کی یہ ہے کہ ٹھیک ٹھیک اور پورا پورا یقین جو وہ دونوں مقدموں کی صحیح صحیح ترتیب سے حاصل ہو بہت دشوار ہے ایسے یقین کی طرف سوائے بعض بعض افراد احاد کے کون پہنچ سکتا ہے۔ تو ایسی چیز کی تکلیف بھی تمام مذاہب کو ہر خاص و عام کو نہیں دی جاسکتی۔ خصوصاً جب اس قول پر جناب رسالتاً صلی اللہ کے نظر کریں بعثت بالحنیفة السہلۃ السہلۃ (میں ایک صاف و پاک سہل و آسان دین پر مبعوث ہوا ہوں) اور اس قول پر دروکار عالم پر بھی نظر کریں وما جعل علیکم فی الدین من حرج (تمہارے اوپر دین میں عسر و حرج قرار نہیں دیا گیا ہے) اور اس سے زیادہ اور عظیم کون حرج ہوگا کہ کسی انسان کو تکلیف دی جائے کہ ایک لفظ میں وہ معرفت حاصل کرے جس میں تمام خلقت بارہ سو برس سے عاجز ہو رہی ہے۔ اور یہ ہی بات ہے کہ اصول دین کی دلیلین فرمے دین سے زیادہ مشکل اور دقیق ہیں۔ فرمے دین کی اکثر دلیلین کتاب اور سنت اور اجماع ہے۔ اور یہ دلیل باہر صفت اسکے کہ سہل الماخذ ہیں محفوظ ہیں اور کتابوں میں موجود ہیں بخلاف اصول کے کہ انکی دلیلین امور عقلیہ ہیں اور ان میں وہی لوگ نظر کرتے آتے ہیں جو بعد ایک

دوسرے کے ذکی و ذہین ہوتے ہیں۔ توحید ذریعہ میں خطا کو جائز رکھتے ہو تو اصول میں بطریق جائز کو جواب کلام حافظ و جنری یہ ہے کہ تحصیل علم کا ادراک سوا لکھنے سیر و دشوار ہونا ممنوع اور تحریر و دلیل کا لازم ہونا ممنوع ہو (یہ لازم نہیں ہے کہ تحصیل علم و یقین ترتیب مقدمات کرے اور منطقین اصطلاحوں کے موافق صغریٰ و کبریٰ قیاس درست کرے) اس لیے کہ بہت سے یقینیات ایسے ہیں کہ ایک تھوری سی توجہ میں ایک ایک عوام کو حاصل ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ ممکن معلوم نہیں ہے کہ عوام۔ لڑکے۔ عورتیں۔ جب کسی مکان کو دیکھتے ہیں تو اسی کا یقینی و حتمی و جزئی حکم کرتے ہیں کہ اسکا کوئی بنائے والا ضرور ہے یا وصف اسکے اوٹکو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ قیاس بنائیں اور شکل اول بدیہی الانتاج کے مقدمات کی ترتیب دیکے اوس سے نتیجہ نکالیں۔ اور اس طرح کہیں۔ یہ بنا ممکن ہے یعنی وجود اسکا اور عدم اسکا ضروری نہیں ہے۔ اور کسی ممکن کو یہ ممکن نہیں ہے کہ خود بخود پایا جائے۔ کیونکہ ترجیح بلا مرجح یا ترجیح بلا مرجح محال ہے۔ پس یہ بنا خود بخود بلا علت کے نہیں پائی گئی۔ تو ضرور ثابت ہوا کہ یہ بنا علت و ربانی کے سبب سے ہے۔

خلاصہ یہ کہ عقل سلیم اور فہم مستقیم اس امر پر شاہد ہے کہ عوام کے لیے بلکہ خواص کے لیے بھی ایک حالت اجمالی دلیل سے کہلاتی ہے جس کے سبب سے جزم و یقین علم حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ تحریر و دلیل اور ترتیب مقدمات کسی کا ہی وجود نہیں ہوتا بلکہ عدم قدرت ترتیب کے ساتھ ہی علم ہو جاتا ہے جیسا عوام کی مثال سے معلوم ہوا۔ اسی سبب سے اکثر علماء اہل میں بلکہ علماء اور دن نے ہی کیا ہے کہ عوام اور عورتیں مومنین سے اکثر ایسی ہیں کہ جبکو علم اصول دین و دلیل اجمالی سے حاصل ہوتا ہے۔ شایع مقاصد نے کہا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ اکثر اہل اسلام تقلید پر عمل کرتے ہیں۔ اور استدلال میں قاصر یا مقہور ہیں۔ اور صحابہ اور ان کے بعد والے اور ائمہ اور خلفاء اور علماء سب کے سب اسکو اون لوگوں کے لیے کافی سمجھائیے اور مسلمانوں کے احکام اور نیر جباری کرتے رہے تو اب اختلاف کی کیا وجہ ہے اور کیا سبب ہے کہ اکثر علماء اور مجتہدین کہتے ہیں کہ مقلد کا ایمان صحیح نہیں ہے۔ اسے جواب میں ہم کہیں گے۔ کہ اون لوگوں کے بارے میں اختلاف نہیں ہے کہ اس کے شہر وں اور قریوں اور اسلام کے صحراؤں میں پیدا ہوں اور بڑھیں۔ اور قول رسول خدا ۲ بتواتر اون تک پہنچے اور معجزات اون کا دیکھیں۔ اور نہ اون لوگوں کے بارے میں اختلاف ہے جو خلقت آسمان و زمین اور اختلاف دلیل و ہمار میں تفکر کرتے رہتے ہیں اس لیے کہ سب کے سب اہل نظر و استدلال ہیں۔ بلکہ اختلاف اوس شخص کے بارے میں ہے جو مثلاً پہاڑیوں میں (جہاں خبر اسلام نہ پہنچی ہو) نشوونما پائے۔ اور تفکر خلقت و ملکوت آسمان و زمین میں نہ۔ اور کوئی شخص اسکو خبر دے اپنے اعتقادات سے اور وہ شخص محض اسکی خبر دینے سے اسکے اعتقادات کی بغیر سمجھے بوجہ تقلید کر اور بلا تفکر و تدبر کے اون اعتقادات کی تصدیق کرے تمام ہوا کلام شایع مقاصدہ

اب ہم نے جو کچھ بیان کیا اوپر اعتراض ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ علی علیہ الرحمہ نے نہایت عین فرمایا ہے کہ فرق کرنا صاحب اجمال و تفصیل میں باطل ہے۔ اس لیے کہ جو دلیلین مثلاً دس مقدمات مرکبہ

اگر وہ سب مقدمات مستدل (دلیل لایزال) کو حاصل ہو گئے تو علم حاصل ہو جائیگا اور کسی طرح کی زیادتی علم میں نہوگی۔ اس لئے کہ یہ دسوں کے دسوں نتیجہ و سمیٹ متقل ہیں۔ پس پورا پورا نتیجہ دینے اور اثر کرنا سمیٹ ایک کا دوسرے سے ملانا محال ہے (اس لئے کہ جب ہر ایک نتیجہ و سمیٹ متقل ہے تو دوسرے کا ملنا ناممکن حاصل ہے) اگر سب مقدمات کا علم حاصل نہیں ہوا بلکہ بعض بدیہی طور پر حاصل ہوئے یا دلیل سے اور بعض تقلید سے تو نتیجہ کی بھی نسبت تقلید ہی کی طرف ہوگی پس متسک کرنا دلیل سے یا دینی اور نقصان کو قبول نہیں کرتا۔ پس یہ جو کہا جاتا ہے کہ صاحبان دلیل اجمالی کو کافی ہے کہ ثبوت صانع عالم پر حوادث عالم سے دلیل لائیں یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ ان حوادث کے لیے مؤثر و موصد کی ضرورت تو ہوتی ہے و معلوم ہے۔ مگر اس مؤثر کا اختیار ہونا ان کے نزدیک علمی اور بدیہی سمیٹ اس لئے کہ جب تک یہ ثابت نہ ہو وہ موجب و بے اختیار نہیں ہو سکتا تو اختیار اور صاحب اختیار کی طرف نسبت دینا واجب نہوگا۔ جواب عامی اور جاہل شخص کا جرم و تقصیر کرنا کہ وہ صانع عالم صاحب اختیار ہے بغیر دلیل و استدلال کے اس مقدمہ میں تقلیدی رہتا ہے اور نتیجہ بھی تقلیدی ٹھہریگا۔ اور مثلاً جب کوئی چیز خارق عادت و خلاف عادت کسی شخص سے صادر ہو اور یہ جاہل اسے دیکھ کر اس کے ثبوت پر استدلال کرے بغیر اس کے کہ جو دلیلین اس کی ہیں ان کو حاصل نہ کرے۔ مثل اس کے کہ یہ فعل حق تعالیٰ کا ہے نہ خاصہ نفس رسول کا۔ یا خاصہ کسی دوا کا۔ یا فعل جن کا یا ملک کا۔ اور مثل اس کے کہ یہ فعل خدا کا محض تصدیق نبی کی غرض سے ہے۔ نہ اس کے سوا (تو جب تک نظر اسپر نہ کریگا تو بعض مقدمات میں مقلد ہی رہیگا اور نتیجہ بھی تقلیدی کی طرف منسوب ہوگا پس فرق کرنا صاحب دلیل اجمالی اور صاحب دلیل تفصیلی میں باطل ہے۔ جواب سوائے اس کے کوئی چیز باقی نہیں کہ کہا جائے کہ اصول دین کی تفصیلی دلیلین پہلی ہیں مگر یہ بالکل مکابرہ اور شہد معرعی ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ تقلید جائز ہے اصول دین میں تو اب کوئی فرق تفصیل اور اجمال میں باقی نہیں رہا۔ اس اعتراض کے جواب میں بتائید و توفیق پروردگار عالم ہم یہ کہتے ہیں کہ علامہ رحمہ اللہ کا یہ تسلیم کرنا کہ حوادث کے لیے مؤثر کا ہونا عوام کے نزدیک معلومات سے ہے۔ حالانکہ اس کا ثبوت بھی اس امر پر موقوف کہ کسی ممکن کا وجود بغیر موجد محال ہے۔ جیسا کہ بعض علماء کے قائل بھی ہیں۔ اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا اور بغیر موجد کے وجود ہوتا تو ترجیح بلا مرجح لازم آتی جو محال ہے۔ اور اس کا ثبوت اسپر بھی موقوف ہے کہ کوئی شے علت اپنی نفس کی نہیں ہو سکتی اور خود علامہ رہ اس کا انکار فرماتے ہیں کہ حوادث کا مؤثر یا اختیار ہونا ان عوام کے نزدیک معلومات سے نہیں ہے کیونکہ یہ موقوف ہے اس نظر پر کہ ایجاب و بلا اختیار ہونا چاہتا ہے کہ خدا بھی حادث قرار پائے یا یہ حوادث قدیم ٹھہرائے جائیں اور یہ دونوں باتیں محال ہیں۔ تو اب علامہ رہ کا فرمانا حالی مناقشہ سے نہیں ہے (ایک مقام اور ایک مقدمہ کی تو معلومیت تسلیم فرماتے ہیں اور دوسرے کو بغیر معلوم قرار دیتے ہیں حالانکہ دونوں بدیہی نہیں ہیں اور نظر و استدلال پر موقوف ہیں) اس لئے کہ استدلال و تفصیل دونوں مقاموں میں عوام کو حاصل نہیں ہے۔ اور اجمالی کا احتمال بھی دونوں مقاموں میں برابر ہے۔ علامہ رہ کے ہم کہتے ہیں کہ استدلال ایک امر ہے اور شبہوں کا دفع کرنا دوسرا امر ہے۔ اور اگر کوئی شخص دوسرے امر پر (دفع شبہات پر) قادر نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ امر اول (استدلال پر) بھی قادر نہ ہوں۔ مثلاً استدلال کرنا وجود صانع عالم بد اس طرح کہ حوادث کے لیے مؤثر و موجد کا ہونا ضروری ہے۔

(جب یہ ممکنات و حوادث پائے جاتے ہیں تو ضرور ان کا موجود و خالق بھی موجود ہے) اور اسی طرح دلیل قرار دینا کہ ان حوادث کو جو پروردگار عالم نے ایجاد کیا تو یہ ایجاد کرنا دلالت کرتا ہے کہ وہ قادر مختار ہے۔ اور جو دعوائے نبوت کیسے اور اپنے دعوے پر معجزے دکھائے تو یہ دلیل ہے اس کے صادق ہونے کی پس یہ سب استدلال صحیح اور حق ہیں اور اصل المآخذ ہیں۔ اور علم یقینانے حاصل ہوتا ہے اسلئے کہ ان مطالب کے مقدمات میں جانب مخالف اور اس کے خلاف کا احتمال نہیں ہوتا اور شخص کے نزدیک جسکو وہ شے جو علم کلام کی کتابوں میں لکھے ہیں نہ معلوم ہوں۔ اب یہ کہنا کہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ یہ حوادث خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ اور کیوں نہیں ہو سکتا۔ کہ ترجیح بلامرجح جائز ہو اور اسی طرح یہ کہنا کیوں نہیں جائز ہے کہ خدا علت موجبہ (بے اختیار) ہو حوادث و ممکنات پیدا کرے اور کیوں نہیں ہو سکتا کہ ظہور معجزے کا اور کسی سبب جو سبب تصدیقی بنی ہو یا ظہور اس کا خصوصیت بنی کو لحاظ سے یا کسی اور اثر ہو یا جن ملک کے سبب ہوں۔ شبہات میں ان کا دفع کرنا اور ان کے دفع کرنا کی قدرت کا حاصل کرنا ہر شخص پر واجب و لازم نہیں ہے۔ ان البتہ یہ امر واجب کفائی ہے (کہ بعض لوگ ضرور تحصیل علم کریں اور ان شبہوں کے دفع کی قدرت حاصل کریں) تا باعث لکھا ہے بعض مومنین عارفین کا نہ ہو پس اگر کوئی کہے اس بیان سے تو یہ لازم آتا ہے کہ جسکو دلیل اجمالی سے اصول دین حاصل ہیں وہ اگر کوئی شبہ ان شبہوں سے نہیں یا کبھی دلیلیں انہیں کوئی شبہ آئے تو چاہئے کہ فوراً شبہ کے شے ہی اور دلیلیں آتے ہی اعتقاد اور نکار ازل ہو جائے کیونکہ ان کو اس کے دفع کی قدرت ہی نہیں اور ان کے نزدیک احتمال جانب خلاف اعتقاد کا پیدا ہو گیا۔ اور بہت کم لوگ ایسے ہونگے کہ بلاد اسلام میں نشو و نما پائیں اور مخالفین کے شبہوں کو نہ سین پس پھر وہی محذور عود کر آیا اور قول الکفار ظن کا لازم ہوا۔ تو اس کے جواب میں کہیں گے کہ جیسا تم خیال کرتے ہو وہ امر نہیں ہے۔ اسلئے کہ ان لوگوں کو جب کا اعتقاد راسخ اور مضبوط ہو خواہ عام میں سے ہوں خواہ خاص میں سے ہم دیکھتے ہیں کہ جب کبھی وہ کوئی شبہ سنتے ہیں یا ان کے دل میں کبھی کوئی شبہ آتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شبہ شیطانیہ ہے اگرچہ وہ قدرت اس شبہ کے دفع پر نہ رکھتے ہوں۔ اور یہ اپنے موقوف نہیں ہے بلکہ جو لوگ معقولی ہیں اور کتب منطق و معقول کی طرف رجوع کریں تو ان پر بھی یہ امر پوشیدہ نہ رہے گا۔ مثلاً شبہ معدوم النظیر۔ اور مغالطۃ العامہ الورود۔ اور شبہات ابن کمونہ اور اسی طرح کے اور شبہات (کہ سب اہل فضل کو ان شبہوں کی عدم حقیقت اور بطلان معلوم ہے مگر اس کے دفع میں کیسی کیسی دقتیں پڑتی ہیں اور اوٹھائی نہیں اٹھتیں۔ اور ہٹائے نہیں جاتیں تو اس سے اس کے خلاف کا اعتقاد کہیں زائل ہو سکتا ہے اسی طرح اگرچہ شبہات مخالفین کی دفع کی قدرت خواہم نہیں رکھتے مگر ان کا اعتقاد حقا و س سے زائل نہیں ہوتا اور ان شبہوں کو وہ باطل اور شیطانی شے سمجھتے رہتے ہیں) علاوہ اس کے ہم کہتے ہیں کہ وجوب تحصیل علم یقین سے مراد مسائل اصول دین میں یہ نہیں ہے کہ ہر مسئلہ کو ایک ایک ہی دلیل سے حاصل کرے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ نظر و فکر واجب ہو تاکہ علم و یقین ان مسائل کا حاصل ہو۔ اسباب و عمارات سے یا دلیل و برہان سے ایک سے ہو یا کئی سے اور یہی عمدہ ہے اس باب میں اسلئے کہ اطمینان نفسوں کو اور اعتقاد راسخ مومنوں کے دلوں میں اس درجہ ہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے مگر ان کا اعتقاد حق کیا ممکن جو دل سے مٹ جائے۔ کیونکہ یہ اعتقادات ان کے ایک ہی ایک دلیل سے نہیں حاصل ہوئے کہ جب کوئی شبہ اس پر وارد ہو جائے تو اس کے دفع میں تامل و فکر و غور و شہد کی ضرورت ہو جو عوام الکاس کی طاقت سے باہر ہو جائے اسلئے کہ جب ہم اپنے نفسوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو حتمی و خبری حکم کرتے ہیں کہ ہمارے یہ اعتقادات۔ وجود واجب تعالیٰ۔ نبوت محمد مصطفیٰ۔ امامت علی مرتضیٰ اور اسی طرح کے اعتقادات ایک ہی ایک دلیل مخصوص و معین سے حاصل نہیں ہوئے ہیں کہ جب اسیں کوئی شبہ واقع ہو وہ اعتقاد جارم

لازم ہمارا رائے ہو جائے بلکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اعتقاد ہمارا بہت سے امور کے اجتماع سے اور بہت قرائن اور بہت آثار و آیات و علامات و دلائل سے ایک حالت اجمالیہ پیدا کر کے حاصل ہوا ہے اور مجموع من حیث المجموع سے ایک حالت ایسی پیدا ہوتی ہے جو موجب جزم مراد و باعث یقین و علمیت اعتقاد ہوئی ہے (تو اب ہلکا کسی دلیل پر شبہ وارد ہونے سے اور اوسکا جواب نہ دے سکنے سے یہ اعتقاد کمان رائے ہو سکتا ہے یہ توجہ تھا کہ جب اوسنی ایک ہی دلیل سے یہ اعتقاد حاصل ہوا ہوتا جیسے شبہ وارد ہوا ہے تو اوسکے باطل ہو جانے سے اسکا زوال ہوتا اور جب مجموع سے اور بہت عمارات و علامات کے ملنے سے یہ اعتقاد حاصل ہوا تو ایک پر شبہ وارد ہونے سے اور اوسکے دفع نہ کر سکنے سے ضرار اعتقاد میں نہ ہوگا) اور نظیر اسکی تو اتر معنوی ہے کہ مفید علم و یقین ہے جو کثرت اخبار سے حاصل ہوتا ہے اگرچہ ہر خبر و یقین سے موجب علم نہ ہو۔ جیسے شجاعت بنابا میر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام اور اسی طرح کی اور لو باتیں۔ اور جب یہ امر ہے تو صاحبان ادلہ اجمالیہ اور صاحبان ادلہ تفصیلیہ میں فرق بہ نسبت ہر ہر دلیل واحد کے ہوگا اسلئے کہ اہل تفصیل شہدوں کے رد کرنے پر جو اوس دلیل پر وارد ہوں قدرت رکھتے ہیں۔ اور صاحبان ادلہ اجمالیہ اوسکی قدرت نہیں رکھتے۔ لیکن مجموع من حیث المجموع کی راہ سے کہ کئے امرون کے اجتماع سے جو اصل اصول دین سے حاصل ہو بہ نسبت اوسکے اہل تفصیل و اجمال میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ مان فرق جو دین ذہن اور غیاوت ذہن اور سرعت انتقال ذہن اور بطو انتقال ذہن کا ہوگا کہ صاحب عقل سلیم کثرت قرائن کا محتاج نہ ہوگا اور اختیار کو اسکے احتیاج ہوگی اور اس بات میں بھی فرق ہوگا۔ کہ خواص اور عالم تو اس حالت اجمالیہ کی تفصیل دلائل و قرائن کی طرف کر سکیں گے اور عوام میں یہ قدرت نہیں ہے۔ اس مقام کی تحقیق اسی طرح پر لائق دسرا وار ہو اور تمام حد و تناکا مستحق منعم و خالق و پروردگار رہے۔

اب رہی یہ بات کہ جا حظ و غنبری نے جو اپنے قول کی دلیل میں کہا تھا کہ اصول دین کی دلیلیں فروع دین سے زیادہ دقیق و مشکل ہیں۔ تو اوسکا جواب یہ ہے کہ یہ قول ممنوع ہے اشغلیت و وقت ثابت نہیں ہے۔ اس لئے کہ مہول دین کا اعتقاد موقوف ہے اس امر پر کہ دلیل کی عبارت اور معنی دو نو قطعی اور یقینی ہوں اور ادلہ شرعیہ میں تعارض نہ ہو (اور بعد تعارض کے) یہ جمع کرنا دلیلون کا (ایک مطلب پر بہت شاذ و نادر ہے۔ پس اکتفا ظن و گمان پر فروع دین میں۔ اسلئے کہ ادلہ شرعیہ میں فروع میں تعارض بہت ہے اور قطعی عبارت اور قطعی معنی بہت کم ہیں) جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصول دین میں بھی اکتفا ظن و گمان پر جائز ہو جائے۔ علاوہ اسکے ہم کہتے ہیں کہ اصول دین کی دلیلیں محض عقلی دلیلون میں منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سے اعتقادات سپین جو احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جیسے معراج اور عذاب قبر اور خسر اجسام کا اور مثل اسکے (ان اعتقادات میں عقل سے اس قدر معلوم ہوا ہے کہ یہ باتیں عقلاً محال نہیں ہیں اور کلام صادق سے ثابت ہوئے ہیں تو ضرور حق و صحیح و ثابت ہیں) اور دوسرا قول جو مخالف ہے ہمارے مسلک کے وہ قول جناب شیخ ابو جعفر طوسی رحمۃ اللہ کہ انہوں نے کتاب عدہ میں ارشاد فرمایا کہ اصول دین میں اہل حق کا مقلد اگرچہ تقلید کرتی راہ سے تو خطا ہے جو گرا اوس سے مواخذہ آخر وی نہ ہوگا اور یہ مقصود اسکا عفو کیا جائیگا۔ اور یہ ہمینی اوسی طریقہ طریقہ کے لئے کہ جسکا ذکر سابق میں کر چکے۔ اسلئے کہ ہم تو کسی گروہ (اصحاب) سے اور اماموں سے یہ بات نہیں پاتے کہ جس شخص نے اوسکے (اماموں کی) قولوں کو سنا ہوا اور اوس کے اعتقاد کے موافق اپنا اعتقاد رکھا ہو

اگرچہ اس میں حجت شرع و عقل کی طرف نسبت نہ تیار ہو تو اس کی محبت اور موالات کو ائمہ علیہم السلام نے ترک کر دیا ہو۔
 (اوس سے ملنا چھوڑ دیا ہو) اور اپنے اس قول پر جناب شیخ رہنے نے یہ دلیل فرمائی ہے کہ تمام فقہائے بلاد
 و امصار و علماء ہر شہر و دیار کا اتفاق ہے کہ جاہل و عامی (اگر عادل ہو) کی شہادت پر حکم دیا جاتا ہے
 باوجودیکہ علم ہے کہ اوس قائل نے اپنے عقائد کو دلیل قطعی سے حاصل نہیں کیا ہے۔ یہاں نہیں کہا جاسکتا
 کہ قبول شہادت اسوجہ سے ہوئی کہ وہ اوائل اولہ اور شروع شروع کی دلیلوں سے عارف تھی اور وہ سہل المذاہب
 بھی ہیں اس لئے کہ اگر یہ بات سب مکلفین کے لئے حاصل ہو تو کوئی بھی باقی نہیں رہتا جو مواخذہ سے موصوف
 ہو پس ہماری غرض حاصل ہوئی کہ انہم و گناہ اوسے ساقط ہوا۔ اور اگر یہ بات سب کو حاصل نہیں ہے
 سب کو معلوم نہیں ہے تو لازم آتا ہے کہ حکم کرنا شہادت پر موقوف ہو اس بات پر کہ ہم پہلے یہ علم حاصل کریں کہ شاید
 نے ادلہ عقلی قطعی سے اعتقادات حاصل کئے ہیں لیکن یہ امر محال ہے۔ اور اس لئے کہ جناب رسول خدا اسلام
 اعرابی کا حکم فرما دیتے تھے بغیر اسکے کہ علم کلام کی دلیلیں اوس سے بیان فرمائیں اور اوپر لازم بھی نہیں فرماتے
 تھے کہ اون دلیلوں کو حاصل کرے بلکہ اوس کو امورات واجبہ شرعیہ مثل نماز وغیرہ کی تعلیم کا حکم فرماتے تھے۔ یہاں تک
 تھا کلام جناب شیخ کا۔ میں کہتا ہوں کہ تقلید وہی عمل کرنا ہے قول غیر پر بغیر کسی حجت ملزمہ (لازم شہرانیوالی) کے اور
 اس کی تصریح علماء کلام نے فرمائی ہے۔ انہیں سے جناب علامہ رہیں۔ کہ کتاب نہایت میں تحریر فرمایا ہے کہ تقلید
 وہی عمل ہو قول غیر پر بغیر حجت ملزمہ کے۔ ماخوذ ہے تقلید ملاوہ سے اور اس کی گردنیں ڈالنے کو تقلید کہتے ہیں۔ اور
 یہ تقلید یہ ہے کہ کوئی شخص عامی کے قول کو اور مجتہد مجتہد کے قول کو لے۔ اب اس بنا پر رجوع کرنا قول نبی کی طرف
 یا جبہ اجماع ہو اور رجوع کرنا عامی کا طرف قول مفتی کے اور عمل کرنا فاضل کا قول شاہدین پر تقلید نہیں ہے۔
 اس لئے کہ یہ حجت ملزمہ پر شامل ہے۔ اس لئے کہ واجب عمل کرنا قول نبی پر۔ اور واجب ہے رجوع کرنا طرف حکم
 اجماع کے بسبب قول رسالت و آیات کتاب کے۔ اور واجب ہے قبول کرنا قول مفتی اور شاہدین کا بسبب اجماع
 اور قیام ادلہ مثل نصوص کے۔ اور کبھی عرف استعمال میں اس کو بھی تقلید کہتے ہیں۔ یہاں تک کلام جناب علامہ رہ
 کا تھا جب یہ معلوم ہو چکا تو اب ہم کہتے ہیں کہ اعتقاد عامی کا مثل و مطابق اعتقاد ائمہ علیہم السلام ہونا ہم تسلیم
 نہیں کرتے کہ یہ تقلید ہے بلکہ یہ علم یقینی ہے جو دلیل سے حاصل ہوا ہے۔ مان اگر یہ ثابت ہو کہ اعتقاد عامی
 کا اون مسائل توحید میں خیر اثبات نبوت و امامت موقوف ہے تقلید ائمہ سے تھا بغیر ہستاد کسی دوسری دلیل کے
 اگرچہ اجمالی ہی ہو اور باوجود اسکے امام اس عامی سے راضی رہے تو البتہ کلام شیخ کی وجہ ہو سکتی ہے لیکن
 اثبات اس کا مشکل ہے۔ اب رہی گواہی و شہادت پس اس کی بنا قبول کی جس ظاہری پر ہے اگرچہ درمیان خود و خدا
 و شخص منافق بھی ہو پس کچھ شخص لازم نہیں ہے اور جس طرح نصوص اعتقادات میں عادت جاری نہیں ہوئی ہو۔
 اسی طرح مسائل عبادات کے شخص کر نہیں بھی عادت جاری نہیں ہوئی کہ کس سے اخذ کئے ہیں پس اگر تمہاری
 دلیل تمام ہو تو لازم آتا ہے کہ عبادات میں بھی علی الاطلاق تقلید صحیح ہو حالانکہ ضرور ہے کہ تقلید مجتہد جامع شرائط
 کی ہو اور باوجود شرائط چاہیے کہ وہ مجتہد حق و زندہ کی تقلید ہوگی کماھو لا ظہر۔ رہا یہ امر کہ جلائیال (نہیں
 کہا جاسکتا) سے خود اپنے اوپر اشکال و اعتراض کر کے اس کا جواب دیا ہے تو اس جواب میں یہ اعتراض ہے
 کہ تمکو معلوم ہوا شارح مقاصد کی اوس عبارت سے جو سابق میں بیان ہوئے کہ کلام اوس شخص میں ہے جو ہمارے

تذکرہ

محقق

کی چوٹی پر چڑھا ہوا ہو۔ (جو جنگوں میں بان میں پیدا ہوا ہو عوامات اور اسکے اختلافات و دین و مذہب کچھ بھی نہ جانتا ہو) اور کسی ایک شخص کی خبر سے اعتقادات میں وہ تقلید کرے۔ وال اہل امصار (شہروں اور بستیوں کے رہنے والوں میں کلام نہیں ہے) وہ تو سب کے سب اہل نظر و استدلال سے ہیں اور تفصیل مقام یہ ہے کہ حالات ان عوام کے متفاوت اور جدا جدا ہیں۔ سبب شدت نقصان عقل عدم شدت نقصان عقل کے۔ پس اگر نقصان عقل اس قدر ہے کہ وہ شخص قادر نہیں ہے تحقیق علم و معرفت خدا بلیل کر کے اگرچہ دلیل اجمالی ہی کیوں نہ ہو پس ایسے شخص کو تحقیق علم بلیل کی تکلیف نہیں ہے اس لئے کہ خدا سے تعالیٰ کسی نفس کو اس کے قدرت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور نہ دون پر دین میں عسر و حرج نہیں قرار دیا۔ اور اس پر کافی روایت زرارہ بھی دلالت کرتی ہے۔ زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضرت ابو جعفر امام محمد باقر سے مستضعف کو (کہ مستضعف کسی کہتے ہیں) حضرت نے ارشاد فرمایا کہ مستضعف وہ ہے جو نہ طریقہ کفر جانتا ہے کہ کافر ہے نہ راہ ایمان سمجھتا ہے کہ ایمان لائے نہ وہ ایمان ہی کی قوت کھتا ہو نہ کافر ہے ہی کی لیاقت رکھتا ہے پس یہ وہی صبیان اور بچہ ہیں اور وہ شخص مرد اور عورتوں سے میں جو مثل انہیں بچوں کے عقلیں رکھیں اور اسی معنی میں اور بھی روایات ہیں جنکے ذکر سے طول ہو گا اور مقتضای احادیث کے لخواہر کا یہ ہے کہ مستضعفین غیر مکلفین ہیں اعتقادات و معاملات سب کے اور حال اول کا مثل حال صبیان غیر نمبر کے ہے ملاقات کی اور کوئی فرق ان میں نہیں ہے اس امر میں۔ اور تباہ مقام میں بعض معتزلہ سے موافق اسکے نقل کیا ہے۔ پس انہوں نے کہا ہے کہ عافریں کو یہ تکلیف ہو کہ اول اولہ اور ابتدائی دلیلوں کو سنیں جو بہت جلد سمجھ میں آجاتی ہیں پس اگر وہ سمجھ گئے تو پس اس قدر ان کے لیے کافی ہے اور بھی اصحاب کمال (محل دلیلوں پر محل کرینوالا) ہیں اور اس کی تکلیف نہیں ہے کہ شخص عبارت کرین اور اس بیان کا لب و حاصل اپنی عبارت میں سمجھائیں۔ اگر وہ ابتدائی دلیلیں بھی نہ سمجھ سکیں اور ان پر بھی واقف ہو نہ انہیں ممکن نہ ہو پس وہ ہرگز مکلف نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اس لئے پیدا کر لئے گئے ہیں کہ اور مکلفین کو ان سے دنیا میں نفع پہنچے۔ اور ایسے لوگ بہت ہیں گروہ عوام سے اور غلاموں سے اور عورتوں سے۔ تمام ہوا کلام شارح مقاصد۔ اور اگر نقصان عقل اس قدر نہ ہو کہ بچوں کے نقصان عقل کے درجے تک پہنچے اور وہ شخص لوگوں کے اعتقادات میں جو اختلاف ہے اس کو سمجھ سکتا ہو۔ اور جو باعث اختلاف ہیں ان کو پہچان سکتا ہو عموماً سب چیزوں کو یا بعض اختلافات اور ان کے اسباب کو سمجھ سکتا ہو تو کوئی شبہہ اس میں نہیں ہے کہ اس کو تحقیق حق اور تفصیل علم ساتھ اصول حق کے اس قدر واجب ہے جب قدر اس کی عقل کفایت کر سکے کہ اس پر بقدر اس کی عقل کے تحصیل علم اصول حق اولہ و برہانین جو با بقائد کو رہا مؤمن واجب ہے۔ اور مؤید اسکے ہے وہ روایت جو کافی میں حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مذکور ہے حضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص لوگوں کے اختلاف کو (یعنی اعتقادات کے اختلاف کو) سمجھتا ہے وہ مستضعف نہیں ہے (اس کو ضعیف المذہب بلا اختیار کہے مذہب کی دلیلوں سے نہ رہنا چاہئے) اور حضرت ابو الحسن امام مر سے کاظم علیہ السلام سے روایت ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دریافت کیا حضرت جو مستضعف کے بارے میں حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ ضعیف و مستضعف وہ ہے جس تک حجت نہ پہنچی ہو اور اختلاف کو نہ جانتا ہو۔ اور جب اختلاف کو پہچان سکتا ہے تو وہ مستضعف نہیں ہے اور اس کو کافی میں بیان میں مطابقی

سے یہ روایت ہے۔ سفیان کتاب ہے کہ میں نے عرض کیا حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ آپ مستضعفین کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جسے کسی کو چھوڑا ہے جو مستضعف رہ سکے مستضعف کمان ہوں (یعنی تم سب کے دین کی حقیقت و حجت ایسی روشن ہے کہ سب اس کی حقیقت سے واقف اور مخالفین کے مذہب کے بطلان سے ماہر ہیں تو ایسی حالت میں مستضعف کون رہ سکتا ہے اور کمان مستضعف کا وجود ہے) اسی سبب سے تاکید قسم سے حضرت ارشاد فرماتے ہیں (قسم خدا کی تمہارا حال ان ناکتخذا نوجوان لڑکیوں میں جو پردہ نشین ہیں ان میں بھی پیدا ہوا ہے یہ سقے اور ان کی عورتیں تک مدینے کی راہونین اسکا ذکر و چرچہ کرتی ہیں) (تمہاری حجت و حقیقت سب پر ظاہر ہے ہر ایک اس سے بخوبی ماہر ہے) پس مقتضا اس حدیث کا یہ ہے کہ تحقیق حق ایسے لوگوں پر اور اس طرح کے عوام پر بھی واجب ہے۔ اور فکر و نظر کے ترک میں یہ بھی لوگ مغذونین ہیں۔ اور وہ مستضعف جو مکلف نہ ہو جسکو تکلیف نظر و فکر کی نہ ہو جسپر تحصیل معرفت بدلیل واجب نہ ہو (نہایت عقل ہو) نہایت شاذ و نادر ہے۔ پس اسی کے موافق شارح مقاصد کا بھی قول ہے جیسا سابقاً معلوم ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسکا قاعدہ اور ضابطہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے نفس کو آپ خود سمجھ سکتا ہے پس جو شخص اپنے نفس میں معرفت اختلاف پائے اور نظر و فکر کی قدرت رکھتا ہو تو اس پر واجب ہے کہ تحقیق اور علم و یقین حاصل کرے اس لئے کہ دفع خوف کرنا نفس سے عقلاً واجب ہے کیا کہ سابق معلوم ہوا (اور بغیر نظر کے ایک مذہب بغیر سمجھے بوجہ اختیار کرنے میں ضرور خوف ہلاکت ہے کہ شاید وہ مذہب باطل ہو) اور اس میں کچھ صعوبت و دشواری نہیں ہے اسلئے کہ استدلال کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ مختلف طریقے ہیں کم سے کم یہ ہے کہ عقل محال سمجھتی ہے کیا ایک گروہ کثیر جکی تعداد شمار سے گذر گئے ہو اجماع و اتفاق کریں ہر زمانے میں اور ہر شہر و دیار میں باوجودیکہ کہ ان میں بڑے بڑے عالم و فاضل و عقیل و زکی و برہنہ نگار و متقی ہوں امر باطل پر اثبات واجب الوجود و نبوت نبیؐ میں اور اس کے علاوہ اور اصول دین میں (یعنی یہ اگر باطل ہو تو ایسے ایسے علماء و صلیحین و ازکیاء و اتقیا ہر سپر اتفاق نہ کرتے) اور محکوم بہت پسند آیا کلام جناب شیخ الاسلام و رئیس المسلمین ناصر اللامہ و اسوۃ المومنین جناب الشیخ المفید رحمہ اللہ کا کتاب مجلس میں اب میں اسکو تائید میں ذکر کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ بعض علماء متوہم نے جناب شیخ رہ سے اتناے گفتگو میں سوال کیا یہ بتائے کہ یہ شیعہ امامیہ جو تقلید میں ہیں (جنہوں نے دین کو دلیل و استدلال سے حاصل نہیں کیا اپنے ابا و اجداد یا علماء کے قول سے دین کو قبول کیا ہے) کیا آپ انکے باریعین کہیں گے کہ یہ کفار ہیں اور مسحق ہیں کہ ہمیشہ جنم میں داخل ہیں۔ اور اگر آپ اسکے قائل ہیں تو پھر حجت میں سوائے آپ کے اور کوئی شیعہ امامیہ سے نہ ہوگا۔ کیونکہ سوائے آپ کے ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے آپ کی طرح تحقیق نظر کی ہو۔ اور اگر ہونگے بھی تو تمام دنیا میں مستحق بھی ایسے نہ ہوں گے۔ اور ہر جگہ ان میں سے کہ آپ کا یہ قول ہو۔ اور اگر آپ کہیں سکا فر نہیں ہیں کیونکہ وہ اعتقاد و تشیع رکھتے ہیں ظاہراً اور باطناً تو یہ بھی مثل آپ کے ہونگے نظر و استدلال و علم و معرفت میں) اور اس سے قول سابق آپ کا باطل ہوتا ہے۔ جناب شیخ رد فرماتے ہیں کہ میں اس کے جواب میں کہتا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ جمیع مقلدہ سب تقلید کرنے والے کافر ہیں اس لئے کہ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جنکو علم و معرفت کی اور دلیلوں میں نظر کرنے کی تکلیف نہیں دینی سے کیونکہ ان کے عقلمندان اس حد سے ناقص ہیں جسکے سبب سے تکلیف اسکی واجب

ہوتی ہے۔ اگرچہ میرے نزدیک اذکو قول اور عمل کی تکلیف ہے (یعنی اگرچہ اذکو نظر و استدلال سے اصول حقہ کے حاصل کرنے کی تکلیف نہ ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں ہے کہ زبانی اقرار عقائد اور اعمال کی بھی تکلیف نہ ہو) اور یہ میرا قول ہے اُن لوگوں کے بارے میں جو دہقانہ و صحرائی عرب و عجم و کم عقل ہیں۔ پس یہ لوگ جنابان سے عقائد کا اظہار کریں اور فروع پر عمل کریں تو ان کا ثواب مثل عوض بہائم اور اطفال و مجاہدین کے ہوگا جو ان سے عصیان واقع ہوگا اور سپرستی ہوگے عقاب کے دنیا میں اور روز قیامت بمقدار طول زمان حساب کے یا ایک زمانے تک جہنم میں بھی رہیں پھر اس سے خارج کر کے محل ثواب و بہشت میں داخل کئے جائیں گے اور ایک گروہ مقلدہ سے میرے نزدیک کافر ہیں اس لئے کہ اذکو قوت استدلال کی ہے کہ جس کے سبب سے معارف حقہ تک پہنچ سکیں پھر جب وہ باز رہے نظر سے اس کے طریقوں میں تو وہ مستحق غل و غنای النار ہوئے کہ ہمیشہ داخل جہنم رہیں۔ اب رہا یہ قول تمہارا کہ دنیا میں کوئی شخص شیعوں سے نہیں ہے کہ جو نظر و استدلال کرے اس طرح جو حق نظر ہے سوائے میں نفز کے یا اسکے قریب قریب پس اگر تم اس قول پر اپنے صادق ہو تو بھی کوئی مانع نہیں اس امر میں کہ گروہ شیعہ عارفین ہوں۔ اس لئے کہ طریق معرفت کے قریب الماخذ و سہل ہیں کہ جو عقل کو کام میں لائے وہ اُن طریقوں پر پہنچ سکتا ہے اگرچہ وہ قادر ہو سکے اسکے بیان اور سمجھانے پر اور مجاہدہ اور مناظرہ اور سپرسل و آسان و او وہ اہل تحقیق سے نظر و استدلال میں نہوا سکتے کہ ماہر نہونا مجاہدہ و مناظرہ میں اور تمام علم اور اسکے حدود کا احاطہ نہ کرنا اور غوامض کلام و دقیق سے واقف نہونا اور باریک سائل کا نہ جاننا دلیل اسکے جہل کے ساتھ خداوند عالم کے نہیں ہے۔ ختم ہوا کلام جناب شیخ مفید اعلیٰ اللہ مقامہ کا۔ اس کلام کی متانت و وثاقت مخفی نہیں ہے۔ مگر یہ قول اذکا کہ مکلف ہے ساتھ قول و عمل کے محل نظر ہے اس لئے کہ یا یہ کہا جائے کہ مستضعف مکلف ہو قول و فعل مطلق جو کچھ ہو خواہ قول حق ہو مثل کلمہ توحید و شہادتین اور مثل اسکے خواہ قول باطل ہو جیسے کہ خدا کا قائل ہونا اور اسی طرح کلام عمل میں ہے مثل نماز اور بتوں کی عبادت کے یا یہ کہا جائے کہ وہ مکلف ہے ساتھ قول حق اور عبادت مطلوبہ شارع کے پہلی صورت باطل ہے ہدایت اور بطلان اس کا ضروریات مذہب سے ہے۔ اور دوسری صورت فرع ہے تکلف اور اس امر کی کہ اس کو علم ہو یہ عبادت مخصوصہ مطلوب شارع اس کا غیر مطلوب نہیں ہے۔ اور یہ حاصل ہوگا بغیر نظر و فکر و استدلال کے اور فرص کیا گیا ہے کہ اس کو اسکے قدرت نہیں ہے۔ اور عذاب کرنا ترک بعض قول کی اور بجالانے پر بعض کے اور اسی طرح ترک بعض عمل کے اور بجالانے پر بعض عمل کے باوجود کہ اس کو قوت تمیز کی نہیں ہے جیسا کہ مفروض ہے یہ خلاف ہے مقتضائے عدالت کے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے (جب اس کو عقل و تمیز نیک و بد کی نہیں ہے تو استحقاق عذاب و عقاب بھی ہوگا اگرچہ تفضلاً اعمال نیک بسبب عقائد حقہ کے قائل ہو نیکی ثواب دیا جائے) اور وہ چیز جس کو شیخ طوسی نے اپنے قول کی حجت میں بیان کیا ہے کہ جناب رسول خدا حکم فرماتے تھے اسلام اعرابی کا انج پس ثواب اس کا یہ ہے کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں تمام عرب جس کے زمانے میں جناب رسالت مبعوث ہوئے وہ سب یا اہل شرک سے تھے یا اہل کتاب سے تھے۔ اور یہ سب ایسے تھے جو وجود صانع عالم کے قائل تھے اور خدا کی معرفت بدلیل اذکو حاصل تھی جیسا کہ قول اعرابی اس پر دلالت کرتا ہے۔ البعۃ تذل علی البعیر و اثر القدم علی المسیر افما

ذات ابراہیم وارض ذات عجاج کلات کلا ن علی اللطیف الخبیر (ادب کی نیکیوں سے ادب کا نشان ملتا ہے۔ پیر کے نشان سے چلنے والے کا پتہ ملتا ہے۔ اور آسمان باین بروج و بلندی زمین باہمواری وستی کیا یہ دونوں نہیں دلائل کرتے نزدیک عاقل و بصیر کے وجود پر خالق لطیف و خیر کے۔) اور اگر یہ دلیل جناب شیخ طوسی رہ کی تمام فرض کر لیں تو لازم آتا ہے کہ اسی قول جناب رسالتا سے کہیں کہ تصدیق قلبی وجود کی اور اسکی صفات کی معتبر و واجب ہو۔ اور یہ باطل باتفاق اور اسی طریقہ جناب شیخ رہ پر ایک جہت اہل خلاف بھی علی ہے۔ شرح مقاصد میں ہے بہت سے علماء اور تمام فقہاء کا قول ہے ایمان مقلد (جو بتقلید ایمان حاصل کرے) صحیح ہے۔ احکام دنیوی و اخروی (ثواب و عقاب وغیرہ) سب اس پر ترجیح و حال ہوں گے۔ اور شیخ ابوالحسن اور مقلد نے مشکمیں سے ایک کو منع کیا ہے۔ پھر اسکے بعد شارح مقاصد نے دلیلین اُن لوگوں کی بیان کی ہیں جو اس قول کے مخالف ہیں اور اثبات بیان اولہ میں لکھا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ علم واجب ہو اور علم نہیں ہو سکتا کسی چیز کا سوائے مدی کے یا استدلالی کے جو دلیل سے حاصل ہو۔ اور مدی نہیں (یعنی معرفت و عقائد) تو دلیل سے حاصل کرنا لازم و معین ہوا اور اسکو رد کیا کہ استدلال کے وجہ ہونے میں نزاع نہیں ہے بلکہ نزاع یہ ہے کہ اگر اس واجب کو ترک کرے تو پھر ایسے شخص کا ایمان و تصدیق قلبی قابل اعتبار و لائق شمار ہوگی۔ پھر ذکر کیا ہے کہ تیسری دلیل یہ ہے کہ وہ اصل حسین تقلید کی ہے اگر باطل ہے تو بالاتفاق کسی نزدیک تقلید اسکی باطل ہے۔ جیسے ہو نہ نصار اور بت پرست اپنے باپ دادا کی تقلید کرتے ہیں اُن کے طریقے پر چلتے ہیں اور اگر وہ امر حق ہو تو حق ہونا اسکا یا تقلید سے معلوم ہوا تو دور لازم آیا اور اگر دلیل سے جانا تو متناقض ہوا (کلام میں ابھی تو دلیل کو لازم نہ کہتے تھے آخر کو دلیل کی طرف رجوع کرنا پڑی) اور اسکو رد کیا اسطرح کہ کلام اس سے کہ تقلید میں جسکی حقیقت دلیل معلوم ہے جیسے وہ احکام میں جو بالبدن معلوم ہیں کہ دین میں داخل ہیں اور ضروریات اسلام سے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایسے احکام میں تقلید کر لگا تو وہ مومن ہوگا اور مومنین کے احکام دنیا و آخرت میں اوسیر جاری ہونگے اگرچہ وہ اس نظر و استدلال کے حاصل کرنے سے غامبی و گنگا رہو تمام ہوا کلام شارح مقاصد دیکھا تھے کہ یہ کلام شارح مقاصد دلائل کرتا ہے کہ اہل خلاف جناب شیخ رہ کے اس قول کی تقلید میں موافق ہیں مگر فرق یہ ہے کہ جناب شیخ رہ تقلید کے قصور کو عفو کہتے ہیں اور اسکی تصریح کی ہے بخلاف اُن لوگوں کے (کہ وہ گنگا رہتے ہیں اور معفو نہیں کہتے) واللہ اعلم بحقیقہ الحال۔ بقدر مذہب جو ہمارے قول کے مخالف ہے وہ مذہب کعبی اور ابن

ابن اسلمہ نہ جیتے کہنا کہ جناب رسول خدا اسلام اعرابی کا زبانی اقرار شہادتین سے قبول فرماتے تھے بغیر اسکے کہ دلیلین اس سے بیان فرمائیں تو لازم اسکا یہ ہے کہ محض اقرار زبانی کافی ہوا اور تصدیق قلبی لازم و معتبر نہ ہو۔ حالانکہ زبانی اقرار کرنا اور دل سے تصدیق نہ کرنا یہ ایمان نہیں ہے بلکہ نفاق ہے سورہ منافقین بھی اس پر شاہد ہے۔ پس جس طرح تصدیق قلبی مراد لینا ہوگی اوسی طرح یہ بھی کہنا ہوگا کہ ازبکہ وہ کفار و مشرکین تھے جو خدا سے با دلیل عارف تھے لیکن مشرک تھے خدا کا شریک قرار دیتے تھے لیکن بعد ازاں معذرت و تصدیق رسول خدا اپنے عقیدہ مشرک سے پھرے اور قائل و حدانیت ہوئے اور دلیل اسکے اور انکی عقل ہدی بسط طور خارج عادات و معجزات کے ۱۲ مترجمہ عبادۃ اسلامی

عباس اور گروہ متغزلہ کا ہے جیسا کہ شارح مقاصد کے کلام سے ظاہر ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک عوام پر تعلیم واجب ہے چہ جائیکہ گناہوں اور نیرانہ سے معفو کہیں یا غیر قابل عفو کہیں۔ اور دلیل میں ان کی بھی کثرت و ضعیف ہیں اور قریب قریب ہیں دوسرے فرقہ کی دلیلون کے پس ہم ان کے بیان سے اور جو امیر اعراض وارد ہوا طول خیال کرتے ہیں اور اپنی کتاب کو اس کے ذکر سے طول دینے لگے۔ اب اگر تم یہ کہو کہ کیا کہتے ہو اس اختلاف کے بار میں جو آپس میں علماء مذہب حق میں واقع ہے اصول دینیہ میں جسے اختلاف ہے کہ نبی پر سوائے تبلیغ احکام کے اور باتوں سے جو جائز ہے یا نہیں یا اختلاف ہے کہ قرآن مجید جس قدر خباب رسالت اب علی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا وہ سب ہے یا اس میں سے کچھ کم ہو گیا یا اس میں کہ نفس مجرد ہے یا نہیں اور اس کا خالی تعلق بدن سے ہے یا بدن میں داخل ہے اور اس میں حلول کئے گئے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ یہ تو ضروری ہے کہ جب دو شخصوں میں اختلاف ہو گا۔ ایک شخص حق پر ہو گا اور ایک شخص خطا پر ہو گا کیونکہ حق محض ایک ہی جانب ہوتا ہے پس ضرور ہو گا کہ دوسری جانب بالائے انہم و گنہگار ہو اور اسی کی دلیل ہے وہ روایت جو کافی میں ہے۔ برید بن عجلی نے حضرت امام محمد باقر سے نقل کیا ہے برید بن عجلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے سوال کیا کہ کم سے کم وہ شیء جس کے سبب سے کوئی بندہ مشرک ہو کیا ہے حضرت نے فرمایا من قال للبقاة اهل حصاة وللحصاة اهل افاة ثم دان یہ (جس نے گٹھلی کو کنکری اور کنکری کو گٹھلی کہا اور موافق اپنے قول کے اعتقاد بھی رکھا) غلط بات کو دین میں ٹھہرانا اور اس پر ایمان لانا بھی مشرک کہنا ہے البتہ اگر بطور احتمال عقلاً کی بیان کرے اور اس پر حزم و یقین بلا ثبوت قطعی یا شرعی نہ کرے اور وہ مخالف بھی کسی امر شرعی کے نہ ہو تو جائز ہے بلا اعتقاد و تدین و تشریع کے لیکن امید غالب رحمت خدا اس کی ہے کہ خداوند کو معاف کرے (اگر عہد اکو لی مقصود و کمی نہیں کی اور خواہش نفسانی کا دخل نہیں ہے) کیونکہ وہ علماء توحید و توحید میں نہایت کوشش کر رہے ہیں اور امر اللہ معصومین علیہم السلام کو زندہ کرتے ہیں اور کیونکر نہ ہوا سلمے کہ وہ ورثہ انبیاء و انبیاء آئمہ ہد علیہم السلام میں اور طریقہ سلامت رہنے کا اور نجات پانچا سنی نظر و فکر ہے پس اگر برہان قطعی و دلیل یقینی ملے تو اس کے موافق کام کرے والا توقف کرے اور انکار سے سروکار نہ کرے جب کافی میں زرار بن اعین سے روایت ہے زرارہ کہ میں نے دریا گیا امام محمد باقر سے کہ بندوں پر حق خدا کیا ہے اور بندوں پر کیا لازم ہے قال ان يقولوا ما يعلمون و يقضوا عندنا لا يعلمون جن چیزوں کا علم ہو اس کو کہیں اور جن کا علم و یقین نہ ہو اس میں توقف کریں۔ اور اس مضمون کی اور حدیثیں بھی وارد ہوئی ہیں تکتہ للمقام یتبھا للمرام جانا چاہیے کہ مسائل دینیہ کی دو قسمیں ہیں ایک کہ مقصود جس سے علم ہے یعنی اس کی تحصیل علم سے سوائے معرفت و اعتقاد دوسری سے مقصود ہی نہیں دوسری قسم وہ مسائل ہیں جن کی تحصیل علم سے علم و عمل دونوں چیزیں مقصود ہیں پھلے کی مثال جیسے پھر مسئلہ عالم حادث ہے اور ہر حادث کیلئے محدث و موجود اور وہ محدث واجب الوجود قدیم و عالم و قادر ہے اور مثل اس کے دوسری قسم کی مثال جیسے نماز واجب ہے اور سزا خرم حرام ہے اور مثل اس کے اور ہر ایک قسم کی دو دو صورتیں ہیں ایک یہ صورت کہ ہر شخص پر عیناً اس کی تحصیل واجب ہے اور ان میں کچھ نگہیں اور خدا کی طرف اس کو نسبت نہ دین اور نفی و اثبات کے ساتھ اعتقاد نہ کریں جیسا کہ اس زمانہ میں جو بات اپنی سمجھ میں نہیں آتی اس کا انکار کرتے ہیں اگرچہ احادیث متواترہ باستفیضہ میں بھی ہو اور پھر بھی ایسے کو سچا اور بچا مسلمان بتاتے ہیں خوب یاد رکھو کہ اس زمانہ میں جو شخص کھے کہ میں سچا اور خالص مسلمان ہوں اور اس کے اعتقاد میں مسلمانوں کے اعتقادات سے فرق ہے جس فرق پر کھ لفظ خود دلالت کرتی ہے مسلمان تو مسلمان یہ سچا اور بچا اور کجا مسلمان کیسا ترجمہ

دوسری صورت یہ کہ ہر شخص پر واجب نہیں ہے بلکہ واجب کفائی ہے۔ پہلی قسم کی پہلی صورت جیسے قول ہمارا لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ و علی وصیتہ و خلیفۃہ (کوئی خدا نہیں ہے سوائے معبود واحد و یگانہ کے اور محمد مصطفیٰ رسول خدا ہیں۔ اور علی مرتضیٰؑ ان کے وصی خلیفہ ہیں) کہ ان چیزوں کا علم حاصل کرنا واجب عینی ہے پہلی قسم کی دوسری صورت جیسے یہ مسئلہ ہے کہ قرآن میں کچھ نقصان واقع ہوا ہے یا نہیں۔ اور سہو غبی پر رد اگر یا نہیں اور قبل مبعوث ہونے کے جناب رسالت کسی نبی کی شریعت کے عامل تھے یا نہیں (یہ اعتقادات ہیں اور واجب کفائی ہیں ہر شخص پر اسکا علم حاصل کرنا واجب نہیں ہے) دوسری قسم کی پہلی صورت جیسے نماز واجب ہے اور روزہ رمضان کا واجب ہے (اسکا علم عمل کرنے کے لئے ہر شخص پر واجب عینی ہے۔ دوسری قسم کی دوسری صورت وہ تمام مسائل جو ضروریات مذہب سے بالبداہتہ و بالضرورت ثابت نہ ہوں استدلال و اجتہاد کی ضرورت ہو۔ جیسے اکثر مسائل فقہ میں) کہ وہ واجب کفائی ہیں ہر شخص پر اسکا حاصل کرنا واجب نہیں تمام جوابل مذہب میں چند علما کا ہونا کافی ہے کہ وہ ان مسائل کو حاصل کر سکتے ہوں اور اگر سب پر اجتہاد ہر مسئلہ میں واجب ہو جائے یا یہ تقلیدی جاننا لازم ہو جائے تو عسر و حرج لازم آئے گا اور وہ باطل ہے لہذا ہر شخص کو جمیع مسائل فقہ کا جاننا لازم نہیں ہے بلکہ ان اشیاء میں اس مسئلہ کا جاننا عیناً لازم ہوگا جب ضرورت عمل کی ہو تاکہ موافق اس حکم کے عمل کرے (خواہ اجتہاد ہو اگر قابلیت اجتہاد رکھتا ہو خواہ تقلید عمل کرے) اب یہ چار قسمیں ہوں ایک اعتقادات جنکا علم حاصل کرنا واسطی اعتقاد کا واجب عینی ہے دوسرے جنکا علم حاصل کرنا واسطی اعتقاد کا واجب کفائی ہے تیسرے جنکا علم حاصل کرنا واسطی عمل کے واجب عینی ہے چوتھے وہ جنکا علم حاصل کرنا واسطی عمل کے واجب کفائی ہے چار قسمیں ہیں اور ہر ایک حکم برفیق پروردگار ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلی قسم وہ مسائل جنکی تکلیف بمکاتہ و قیامات دی ہے اور واجب عینی ہیں اور ان میں علم بمعنی یقین حاصل کرنا لازم اور مقصود اسکا اعتقاد و عمل ہے۔ دوسری قسم وہ مسائل اصول دین میں جو بلاشک و شبہ ضروریات دین میں داخل ہیں۔ جیسے سجدہ و حید و عدالت و نبوت و امانت و عبادت بالبداہت و بقطع و یقین جانتے ہیں کہ یہ ہمارے ضروریات مذہب سے ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کا ہی انکار کرے یا توقف کرے وہ شخص ہمارے اہل مذہب سے یقیناً نہ شمار کیا جائیگا۔ اور اوپر بہت وجہیں جو سابق میں ہم نے بیان کیں دلالت کر رہی ہیں پس جو شخص ان سب میں یا کسی ایک میں ہی مخالفت کرے یا توقف کرے وہ امامیہ اثنا عشریہ سے نہیں ہے اور وہ فاسق ہے اور اسکا مثل حکم کفار کے ہی دخول و خلونار میں دوسری قسم وہ مسائل میں جنکی تحصیل علم واجب عینی ہے اور مقصود اس سے علم و عمل دونوں ہیں وہ وہ مسائل فروع دین میں جو ضروریات دین و مذہب میں داخل ہیں جیسے وجوب نماز یومیہ اور صوم ماہ رمضان وغیرہ۔ اور جو شخص ان میں مخالفت و انکار کرے یا توقف کرے اسکا حکم مثل قسم اول ہے اور یہ بھی یقینی ہے بضرورت دین و مذہب اور اجماع و سنت اور اہل فروع دین ضروریات مذہب سے نہیں ہے اور وطنی و اجتہادی میں اگر بجماع کے قطعی ہوئی ہو وہ اسطرح واجب عینی نہیں ہیں بلکہ کفائی ہیں اور یہ جو قسمی قسمی ہیں جو شخص انکار کرے یا کسی ایک مسئلہ اجماعی کا ہی بعد علم انکار کرے وہ محکوم بفسق ہوگا اسلئے کہ یہ قطعی کہ مخالفت اجماع قطعی کی جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مستلزم مخالفت امام کو اور مخالفت امام یقیناً بضرورت مذہب جائز نہیں ہے (اسلئے کہ مراد اجماع سے یہ ہے کہ یا اتفاق اصحاب و علمائے کشف ہو یا معصوم کا پس اسے معصوم معلوم ہو جائے تو اسکی مخالفت مخالفت رائے معصوم کی ہوگی اور وہ جائز نہیں ہے) البتہ جس کو حصول اجماع معلوم نہ ہو اور وہ شخص اس مسئلہ میں توقف کرے تو اسکی فسق کا حکم نہیں ہو سکتا اسلئے کہ کوئی دلیل قطعی اس پر قائم نہیں ہوئی کہ ہر شخص کو تحصیل علم اسکی واجب عینی ہے۔

اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے اسلئے کہ اجماعیات سائل جزئیہ فروغیہ میں بہت کثرت سے ہیں اور علم اور سب کا بعض بعض کو بعد ایک دوسرے کے علماء امامیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر ایسا نہ ہو تو لازم آتا کہ تمام امامیہین محکوم لفظ ہوں (کیونکہ ان سب کو تمام سائل کا کبان علم ہے) اور یہ سب کا فاسق ہونا بالبدہت باطل ہے۔ پس اگر کوئی کہے کہ ضروری مذہب اور اجماعی میں کیا فرق ہے (کہ ضروری مذہب کے متوقف کو فاسق کہا اور اجماعی کے متوقف کو فاسق کا حکم نہ کیا) تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے ضروری مذہب اور اجماعی میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کہ جو ضروری ہے وہ اجماعی بھی ہے اور اجماعی کا ضروری ہونا لازم نہیں ہے اسلئے کہ ہو سکتا کہ اجماعی میں ایک مرتبہ خفا ہو کہ سوائے اسکے جو اصول و فروع کی کتابوں کو دیکھے اور اسکی مہارت کرے دوسرے کو واقفیت نہ ہو (پس ہر شخص پر اسکا ظاہر ہونا ضروری نہ ہو) اس وقت کہ نیسے فاسق نہ ہو گا البتہ بعد علم اجماع کے اسکے انکار سے فاسق ہو گا) اب رہے وہ مسائل اصول میں جنکے وجود و تحصیل علم پر رہا قطعاً قائم نہیں (اور ضروریات میں داخل نہیں ہیں واجب عینی نہیں بلکہ واجب کفائی میں اور یہ بھی تیسری قسم ہے جیسے مسئلہ کیفیت تعدد رسالت یا صلح ہے قبل بعثت کے کہ جناب رسالتاً م قبل مبعوث ہونیکے کسی عبادت کرتے تھے اور کس شریعت پر تھے) یا یعنی پر سوائے احکام کے دیگر امور میں سہو کا جائز ہونا تجویز کرنا اور اس میں موجود ہیں کیسے طرح کا تغیر ہوا ہی یا نہیں اور مثل ان مسائل کے۔ پس میرے نزدیک ظاہر یہ ہے کہ ایسے مسائل میں نفی و اثبات اور انکار و اقرار کا محض ظن پر بلا دلیل قطعی حکم کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ ظن پر جو عمل کر نیکی عام مانعت ہے اس سے ان اعتقادات کو کسی دلیل سے خارج نہیں کیا ہو اور استثنائیں کیا ہو۔ علاوہ اسکے بہت سی اصحاب و علماء نے قطعی حکم کیا ہے کہ اعتقادات میں عمل ظن پر جائز نہیں ہے اور انکی اس قطع و جزم سے متبادر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اجماعیات سے ہے۔ پھر اگر کوئی کہے کہ کیا سبب ہو کہ بعض میں انہیں مسائل کے علماء و اصحاب اختلاف کرتے ہیں اور بعض ایک قول پر جزم کرتے ہیں اور بعض ایک پر اسکے خلاف حالانکہ وہ حساب سے تھے کہ یہ وہ مسائل ہیں کہ جن میں علم و یقین ضروری ہے۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب اختلاف ہو گا تو ایک خطا پر ہو گا اور کوئی ضرورت ہی تھی ایسے مسائل میں خوش غم و فکر کرتے اور ایک حکم تعیین کرتے۔ اسلئے کہ یہ تو مفروض ہو چکا ہے کہ ان مسائل کی تحصیل علم واجب نہیں ہے۔ اور کوئی دلیل قطعی بھی انکے لئے اس پر قائم نہیں ہوئے کہ خطا ان مسائل میں موجب گناہ نہیں ہے اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ کسی انسان کو مسئلہ کے ایک جانب کا قطع ہو جانا سبب کسی شبہ کے کہ وہ اس شبہ میں اور دلیل میں امتیاز نہیں تیا اور اس شبہ کو دلیل خیال گرا ہی اور اپنے اعتقاد میں اسے دلیل سمجھتا ہے اور یہی بنا ہے کہ اکثر واقعوں میں اہل اسلام مسائل اصول میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں اور ہم جہیں بحث کر رہے ہیں یہ بھی انہیں مقامات سے ہے۔ لیکن یہ ضرور لازم ہے کہ نظر کا قصور ہو اور ہر طرح فکر کرنا چاہئے نہ وہ پوری ہوئی۔ والا عدالت خدا پر کہ ضروریات مذہب امامیہ سے ہی نظر کر کے کہنا ہو گا کہ کوئی شخص مذہب مختلف سے سچی نارہن ہو اور سب کے سب مذہب میں اور یہ بالبدہت و بضروریات مذہب باطل ہے۔ جب یہ معلوم ہو تو اب کوئی مفر نہیں التزام کر نیسے اس حکم کے کہ ان دو میں جو مختلف ہیں ان مسائل میں ہمارے علماء سے ایک محکوم بتائیم ہے۔ مان اسکے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ جائز ہے کہ ایک شخص کے مقدمات دلیل سے ایسی چیزیں قائم ہو گئی ہوں جو دوسرے کے یلئے حاصل ہوئیں۔ مثلاً کچھ بعید نہیں ہے کہ ابن بابویہ رہ کو ایسی حدیثیں جنکی دلالت اور سند قطعی تھی اور مسئلہ کیلئے جسکے سبب انہیں فقیرانہ مسئلہ میں ایک جانب حاصل ہو گیا۔ پھر بسبب بعض حوادث وہ احادیث مثلاً فوت ہو گئیں یا بعض صفات حدیث زمان جناب شیخ مفید رحمہم فوت ہو گئی جسکے سبب سے متاثر ذباب

شیخ مفید رحمہ کو یقین اس مسئلہ کے اس جانب کا حاصل نہوا جبکہ اور جبطرح جناب ابن بابویہ رحمہ کو حاصل ہوا تھا۔
 بلکہ بسبب بعض اسباب کے اسکے خلاف کا یقین حاصل ہوا اور وہ اسباب سابقہ فوت ہوتے تو یہ خلاف کا یقین ہونا سادہ و جبکہ
 مفروض یہ ہے کہ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں کہ جبکہ علم حاصل کرنا خدا کی جانب سے سب پر واجب ہو تو ان مسائل پر دلیل
 قطعی بھی قائم نہ ہو سکی خدا کی جانب سے عدالت خدا میں قانع نہ ہوگی۔ کہ ہر شخص کیلئے ہر وقت میں ان مسائل کے حاصل کرنے میں
 خدا دلیل قائم کر دیا کرے۔ اور دین کی احتیاط پر نظر کریں تو اسکا مقتضا یہ ہے کہ ان بزرگان دین کی مائتہم پر ان
 مسائل کے اختلاف کے سببے جرم نہ کریں۔ مگر بھلے اسکا جرم کر لیں کہ کوئی دلیل سبب نہ ہو سکے وہ ان کے لئے موجود
 نہ تھی پس اگر کوئی سوال کرے کہ اگر فرض کریں کہ مخطی (جو مسئلہ حق تک نہ پہنچے اور خطا کرے) اثم و گنہ گار ہے۔
 تو اسکی تفسیق کرنا اور فاسق کہنا اسکو جائز ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ تفسیق ثابت ہوتی جب اصرار صغیرہ
 پر ثابت ہو۔ اور ثبوت اصرار دشوار ہے (اور باوجود علم بمعصیت اسکے فعل یا اصرار سے تفسیق ہوتی نہ حال عدم علم بمعصیت
 میں بلکہ یہاں تو جرم یا ظن واقع ہے جب جائیکہ علم بمعصیت) علاوہ اسکے جناب شیخ الطائفہ ابو جعفر طوسی رحمہ نے عدہ بحث
 ابطال میں لکھا جسکی دلالت یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اور جائز ہے کہ بعض خطا اور اثم کی حالت ایسی ہو کہ اسکا کرنا والا
 فاسق ہو (جیسے خطا مسائل کی دلیلوں میں ہو جسے مسئلہ میں خطا ہو جائے یعنی واقع میں وہ خلاف ہو مگر استدلال لایقوالا
 خطا سے جا ملے ہو اسکو وہ اپنے نزدیک حق ہی سمجھے ہے پس کیونکر فاسق ہوگا جبکہ وہ مسئلہ ضروریات دین و قطعیات
 سے بھی نہیں ہے کہ جبکہ مخالف فاسق) پس ایسی حالت میں کون عاقل حیرت کر سکتا ہے کہ علماء کرام کی تفسیق کرے۔
 پھر اگر کوئی سوال کرے کہ کیا کہتے ہو تم ان اصول فقہ کے بارہ میں جبکہ تمہارے اصحاب و علمائے مدون اور مقرر کیا ہے
 اور اسکے بایمیں کہتے ہیں کہ مجتہد کو چاہئے کہ دن میں خوش و فکر کرے اور انہیں تحصیل علم کرے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ علماء
 انہیں اصول میں ایسے اختلاف کرتے ہیں اور اختلاف شدید رکھتے ہیں اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تو معلوم ہے کہ
 علم اصول فقہ واجب عینی نہیں ہے بلکہ واجب کفائی ہے۔ اور کلام قطعی میں علماء کے یہ پایا گیا ہے کہ ان اصول میں قطع
 و یقین ضرور ہے۔ یعنی جو شخص ان قواعد و اصول کے موافق حکم کرے اسے ضرور ہے کہ ان اصول کی حقیقت و محبت کا
 قطع و یقین حاصل کرے والا اور یہ حکم دعویٰ کے بنا جائز نہ ہوگی نہ یہ کہ تحصیل علم و قطع انہیں واجب ہے اگرچہ اجتہاد مذکور ہے خلاصہ
 یہ کہ وجوب و کما وجوب ہوتا ہے اور دلیل انکی اس پر یہ ہے کہ جب ثابت ہے اور ضروریات دین میں ہے کہ ہم مکلف ہیں
 احکام خدا کے اور جب تک تکلف (جسکی تکلیف دی گئی ہے جو حکم سے) معلوم نہ ہوگا تکلیف مقصور نہیں ہو سکتی۔ اور اس
 جزئیہ فرعیہ کا جو مسائل اختلاف میں بالعدالت و یقین قطع و یقین تو حاصل ہی نہیں ہو سکتا تو ضرور ہے کہ انہیں الکفاظن پر کی
 جاوے والا تکلیف مالا یطاق لازم آئیگی اور اسکا ابطال ضروریات مذہب سے ہے۔ کیونکہ ایسے
 مسائل میں علم حاصل ہونا ممکن نہیں تو یہ علم کی تکلیف دینا صحیح ہے پس ضرور ہے کہ قائم مقام علم کے ظن قرار
 دیا جاوے۔ اور ہر ہر قسم ظن شرع میں معتبر نہیں ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قول شہادہ اور ایک عادل کا شرع
 ثبوت دعویٰ میں کافی نہیں سمجھا جاتا اگرچہ اس کے کہنے سے حاکم کو ظن قوی ہی حاصل ہو بہ نسبت دو عادلوں کے قول
 کے پس ایسی صورت میں ضرور ہے کہ یہ ظن اس چیز سے ہو جسکا شرع نے اعتبار کیا ہے اور اعتبار کرنا شارع کا بغیر
 دلیل قطعی کے معلوم نہیں ہو سکتا اگر اس ظن پر جو عادلوں کی شہادت و گواہی سے حاصل ہوتا ہے دلیل قطعی شارع
 کے معتبر ظن کی نہ ہوتی تو کبھی اعتبار اسکا جائز نہ ہوتا۔ دوسرے یہ کہ جب عموم سے آیتوں اور روایتوں کے ظن لیا

کی پروی کر نیکی مخالفت ثابت ہے تو ضرور یہ کہ ہر باب میں یقین حاصل کرے خواہ اقلیت حاصل ہو خواہ
مہنتی ہو اور یقینی کی طرف اور یہ ممکن نہ ہوگا جب تک کہ بنا مسئلہ ختم فرمائیے غلطی کی دلیل قطعی نہ ہوگا۔ اور اسکا سوال
یہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ حکم خبر واقعہ مستفاد ہو تا ہی اور جو حکم خبر واحد مستفاد حاصل تو وہ واجب العمل ہے قطعاً پس یہ حکم
واجب العمل ہے قطعاً۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ انعقاد اجماع ہوا ہی کہ اقتضار کرنا ظن منعیف پر باوجود قدرت کے
مقتضی ظن قوی کے جائز نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ وہ ظن جو یقینی اصول و قواعد سے حاصل ہوگا
وہ بہت زیادہ قوی ہوگا تو اس سے جو بہت تر ہو اور سیر عمل جائز نہ ہوگا۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو واجب چاہیے کہ مسائل
اصول فقہ کے دو طرح میں۔ ایک قسم وہ مسائل اصول فقہ میں علماء امامیہ میں کبھی اختلاف واقع نہیں ہوا بلکہ وہ
اجماعیات قطعیہ سے ہیں۔ پس انکی مخالفت کے آثار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ دوسری قسم وہ مسائل اصول
میں جو اسطرچر نہیں ہیں بلکہ ایسے ہیں کہ انکے بارے میں علماء میں اختلاف ہے پس یہ کہ نزدیک یہ ہو کہ جس عالم کے
نزدیک وہ مسائل سے کسی پر دلیل قطعی حاصل ہو جائے اور سکو بشرط معبرہ اور مسئلہ اصولیہ پر حکم مسئلہ خبریہ
فرعیہ کی تفریع دینا جائز ہوگی اسلئے کہ اس نے ہر نفس کو اسکی طاقت و قدرت کے موافق تکلیف دی ہے۔ لیکن مقتضای
احتیاط یہ ہے کہ جو ظاہر میں اسکا مخالف ان معومین ہو اسکی تاہم و گنہگار کہنے کی جرات نہ کرے۔ اسلئے کہ مجر د
خوض اور بحث مخالف کی اور ایک جانب کا ترجیح دینا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ ترجیح دینے والے نے بغیر کسی دلیل
کے تفریع مسئلہ میں اور یقین حکم میں اس پر اعتماد و قطع کر لیا ہے اور جب یہ احتمال ہے تو اسکی تاہم و گنہگار ثرائی
پر جرم و یقین جائز نہیں ہے۔ اور یہ ہی امر ہے کہ اگر اس میں خطا ہی فرغ کر لین تو بسبب انکے عمدہ عمدہ کوششوں
کے اور اعتقادات صحیحہ کے اور نصرت دین کے اور نیابت ائمہ معصومین کے جبکہ غرضیں بھی انکی اس بحث و خوض میں
صحیح ہیں تو یہ خطا انکی انشاء اللہ تعالیٰ جزا معفو ہے اور اس بنا پر ہی اسکی تاہم کی تصریح نہ کرنا اولیٰ ہے۔ اور ایک چیز
یہی امر ہے کہ عقل سلیم جائز نہ کرتی ہے کہ بعض مسائل خبریہ فرعیہ جنکی تکلیف دی گئی ہے سوائی دلیل و اصول ظنی
کے کوئی اصل قطعی نہ ہو تو اس صورت میں اسے ظن کے حاصل کرنے پر اقتضار کرنا کیون جائز نہ ہوگا۔ اسلئے کہ مسائل
فرعیہ میں جو ظن پر انکشاف کی گئی۔ اسکی دلیل اور اس ظن کی دلیل مشترک ہے اسلئے کہ یوں کہا جائے کہ ان جزئیات
کی تکلیف کا واقع ہونا فرع ہے ان جزئیات میں ظن حاصل کرنیکی۔ اور ظن قوی امین حاصل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ
انما اصولا مطمئن ہوں جنہ ان جزئیات کی بنا ہے۔ اسلئے کہ کوئی راہ ہمارے لئے آپر علم و یقین حاصل کرنیکی نہیں ہے
پس ظن حاصل نہ کرنا کافی ہوگا والا تکلیف مالا یطاق لازم ایگی اور یہ قول انکا کہ اصول فقہ میں قطع حاصل کرنا واجب
اسیر حمل کرینگے کہ واجب جب ہے کہ جب قطع حاصل کرنا ممکن ہو۔ اور جب قطع و یقین کرنا اور اصول پر ممکن ہو
تو ظن کافی ہوگا۔ پس اس بنا پر جائز ہوگا کہ اکثر مسائل اصول فقہ جو اختلافی ہیں اسبطرح ہوں۔ پس اسوقت میں
کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس میں خطا ہو جائے سے ائمہ و گناہ کی نسبت دین جسبطرح خود مسائل فقہ میں خطا ہو جائے
کہ موافق واقع کے ہو لیکن دلیل سے ایک حکم معلوم ہو کہ ظاہر میں موافق واقع کے سمجھا جاتا ہے اگرچہ واقع میں
وہ خلاف ہو گناہ نہیں ہوتا اسلئے کہ مجتہد نے اپنی طاقت پر کوشش کی ہے اس میں کمی نہیں کی پس اگر کوئی کہے
کہ تم اخباریوں کے بارے میں کیا کہتے ہو کہ جنہوں کے مجتہدین ان اصول میں جن پر اجتہاد کی بنا ہے مخالفت کا
علم و نشان بامد کر رکھا ہے کیا وہ بھی مثال کے ہیں جیسے علماء و مجتہدین میں کسی اصل میں ایسے اختلاف ہوتا ہے

اور وہ انہیں اصولین سے ہیں یا نہیں۔ اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ اگر وہ ان اصول کا جو ہمارے نزدیک جماعتیات یقینیہ سے
 میں انکار کرے جیسے تحت ظاہر قرآن کی اور حجت فی الجملہ اجماع کی اور حجت فی الجملہ دلیل عقل کی اور مثل اسکے
 بلکہ بعض اصول دین جو اجتماعی ہیں جیسے وجوب لطف خدا پر اور فی الجملہ حسن و قبح کو وجوب و حرمت لازم ہونا اور اکثر
 مسائل فروعیہ اتفاقیہ اور ان اصول دینیہ و اصول فقہیہ اور مسائل فروعیہ خیریتہ اجماعیہ پر باوجود تنبیہات بلندیہ کے علماء
 و مجتہدین کی وہ لوگ تفسیق نہ کرتے اور اسکا بھی دعویٰ نہ کرتے کہ طریق نجات منحصر ہے اس میں کہ ہر خبریات میں مسائل
 اصول و فروع سے قطع و یقین حاصل کیا جائے کیونکہ یہ قول خود ان کے نفیوں کی بھی تفسیق کرتا ہے۔
 اور تمام امامیہ کی ہی اور وہ اسے نہیں سمجھے۔ اس لیے کہ یہ تحصیل یقین ہر مسئلہ میں نہ انکو ممکن ہی نہ ان کے عینہ کو
 بلکہ اگر نظر دقیق سے دیکھو تو یہ دعویٰ خود اپنے نفس کو باطل کرتا ہے اس لیے کہ خود اس دعویٰ پر ہی انہوں نے کوئی دلیل
 قطعی قائم نہیں کی ہے (اور نہ قائم کر سکتے ہیں) پس اگر یہ امور نہ ہوتے تو وہ بھی ہم میں داخل ہوتے اور مثل اسکے ہوتے
 کہ جیسے ہم کسی مسئلہ میں اس میں اختلاف کرتے ہیں بعض اصولین سے اور جب یہ امور مذکورہ اوچین میں تو وہ ہم
 نہیں ہیں اب رہے مسائل فروعیہ جن میں علماء میں اختلاف واقع ہی پس ایک مصیب ہے (موافق واقع و نفس الامر اور اسکا
 قول ہوگا اور دوسرا جو مخالف ہے) وہ محتبہ محض ہوگا (کیونکہ جب ایک موافق واقع کے ہے تو دوسرا اسکے ضد خلا
 واقع ضرور ہے مگر از بسکہ کوتاہی اپنی تحقیق میں نہیں کی ہے اور موافق دلیلوں کے چلا ہے اور اپنے نزدیک ہر ایک
 حق پر ہے ظاہر میں کسی کی تعین نہیں کر سکتے کہ کون خلاف واقع ہے تو کوئی گنہگار نہ ہوگا اور معذور رہیگا اور
 اس میں کوئی ایسا خلاف و اختلاف جسکی اعتقاد کیجائے نہیں ہے۔

المقدمة السادسة (حیثا مقدمہ) اس امر کی تحقیق میں کہ معرفت کیسے واجب ہے اور اسکی تعین
 و تشخیص کرنے ہیں جانا چاہئے کہ معرفت خدا ہر بالغ و عاقل پر واجب ہے اتفاقاً سب کے نزدیک اس میں اختلاف نہیں
 ہے کہ طفل ممیز پر جو سن بلوغ کو نہ پہنچے اور عقل و تمیز رکھتا ہو معرفت واجب ہے یا نہیں اور اسی طرح وہ لوگ
 جو زمانہ فرقت میں تھے (بعد حضرت عیسیٰ کے تا زمان بعثت رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) زمان فرقت تھا یا جو شخص مثلاً
 کسی صحابہ پر پرورش پائے اور بعثت نبی کی اسکے کان تک اور نہ پہنچے تو وہ بھی مکلف ہی اور معرفت
 اس پر بھی واجب ہے یا نہیں۔ ان دونوں مقاموں میں اختلاف موضع اول معرفت طفل ممیز کے اختلاف
 کا بیان بھی ہے کہ ابن ابی جمہور لکھاوی نے اپنی بعض تصانیف میں لکھا ہے جسکا حاصل بیان ہوتا ہے وہ یہ ہے
 کہ معرفت اصول دین کی واجب ہے تمیز پر جو عقل و تمیز رکھتا ہو۔ اگرچہ فروع دین کی تکلیف اور وجوب بعد بلوغ
 کے ہوگی۔ اور سید نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں فرمایا ہے کہ مرجع (و خلاصہ) اسلام یہ ہے کہ تصدیق
 کرے ان سب چیزوں کی جو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے فرمائی ہیں اور اسکی تصدیق کرے کہ وہ رسول خدا ہیں۔
 اور یہ حکم عقلی ہے اور عقل اسکی تکلیف دیتی ہے اور یہ معلوم ہے کہ احکام عقلی اور عقلی تکلیفیں موقوف ہیں کمال
 عقل پر اگرچہ سن پانچ سال کا ہو یا پچاس سال کا انتہی۔ اور مولانا محمد باقر رحمہ اللہ نے بھی اسکی تصریح کی ہے کہ بھر
 مسئلہ اختلافی نہیں ہے یعنی یہ اتفاقی نہیں ہے کہ فقط بالغ ہی پر اسلام کی تکلیف ہو اور طفل ممیز پر تکلیف اسلام
 اور جناب شیخ علیہ الرحمہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب لڑکا دس برس کا ہو اس پر تحصیل معرفت خدا
 واجب ہے اور جناب شیخ مہدی نے اپنی کتاب مجالس میں بھی ایک بات لکھی ہے جس سے صحت قول ابن ابی جمہور

کی اور صحت قول علامہ شوستری رہ کی معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ بعد اس کلام کرنیکے، کہ اگر ہم تسلیم کر لیں اپنے مخالف سے جکا دعویٰ کرتے ہیں کہ جناب امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام کا سن بوقت بعثت حضرت خاتم الرسالت سات سال کا تھا جب ہی اسکو دلالت اس قول پر نہیں ہے جسکی طرف وہ گئے ہیں کہ ایمان ان حضرت کا علی وجہ التلقین (سکنا یا پڑ گیا) تہا نہ معرفت و یقین کے طریقہ سے، فرماتے ہیں۔ (کہ دلالت انکے مذہب پر نہیں ہے اس سبب سے کہ صغیر سن اور کم سن ہونا کمال عقل کے منافی نہیں ہے اور نہیں دلیل وجوب تکلیف کی مگر بلوغ تکلیف کا اور تکلیف کا معلوم ہونا ایسی اسی کی رعایت کیجاوگی۔ اور اس حکم پر تمام صاحبان عقول اور اہل نظر کا اتفاق ہے اور بلوغ علم بلوغ شرعی کہ مرد کو اختلام ہو یا سولہواں سال شروع ہوا۔ اور عورت کو حیض یا دسواں سال شروع ہوا اسکی رعایت احکام شرعیہ میں کیجاوگی نہ احکام عقلیہ میں۔ اور حق تعالیٰ نے فقہ حضرت یحییٰ بن زکریا علی نبیہ وآلہ وعلیہ السلام میں ارشاد فرمایا ہے وابتیناہ الحکم صبیاً دیاہنے انہیں یعنی یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو یحییٰ ہی میں حکم و علم و حکمت و نبوت اور فرمایا قصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام من فاشارت الیہ قالوا نکلم من تکان فی المرسل طبعیا قال انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا وجعلنی مبارکاً ایما کنت وادصانی بالصلوۃ والزکوۃ ما دمت حیاً بعد ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب قوم حضرت مریم آئی اور حضرت عیسیٰ کا حال دریافت کیا تو حضرت مریم نے خود نہیں بیان کیا پس اشارہ کیا حضرت عیسیٰ کی طرف (کہ اسنے دریافت کر لو) ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس بچہ سے جوابی جو لے میں ہے کیا دریافت کریں اور کیا کلام کریں کہ ایسی بات کرنے اور بات سمجھنے کے بھی لائق نہیں ہے یہ سن کر خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا فرمایا کہ میں بندہ خدا ہوں مجھکو خدا نے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھکو نبی گردانا ہے اور مجھکو مبارک قرار دیا ہے جہاں کہیں رہوں اور حکم کیا ہے مجھکو نماز و زکوۃ کا جب تک میں زندہ رہوں پس صغیر سن ان دونوں نبیوں علیہما السلام کا انکے کمال عقل و حکمت کا جو خدا نے انھیں عطا کیا منافی نہیں ہوا اگرچہ عقل اسکو محال (عادی نہ محال عقلی) سمجھے اسنے کہ ہر شخص میں اور ہر حال میں عقل اسکو محال (عادی) سمجھتی ہے تمام ہوا بعض کلام جناب شیخ مفید رحم اسکو فیال کئے رہوا ب سنو کہ ظاہر اکثر عبارتوں کا اصحاب و علماء کی کتابوں میں اور ظاہر اکثر احادیث کا یہ ہے کہ تکلیف خواہ اعتقادات کی جو اہم معاملات کی وہ بعد بلوغ شرعی) ہوا کرتی ہے۔ جناب علامہ نے کتاب نہایہ میں ارشاد فرمایا ہے۔ دوسری بحث شرائط تکلیف میں ہے اور وہ یاجح میں۔ پھلے بلوغ سے پس نہیں تکلیف ہی صبی (غیر بالغ کو) کیونکہ جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا ہے و دفع القلم عن ثلثہ عن الصبی حتی یبلغ او شبہا لیا گیا ہے قلم تین گروہوں سے صبی سے یعنی لڑکے سے پہا تک کہ بلوغ حاصل ہو۔ اور اسنے لڑکا اگر مہینہ تو مثل حیوانات اور چوپایوں کے ہے جس طرح جو پالے اصل خطاب کلام کو نہیں سمجھتے اور سی طرح وہ طفل غیر ممیز کلام کی تفصیلوں کو نہیں سمجھ سکتا ہے (یہ کلام کیسا ہے حد و وجوب پر ہے یا حد استحباب پر ہے حرام ہی یا مکروہ ہے عام ہے یا خاص ہے مطلق ہے یا مقید ہے مثلاً) اور جس طرح مکلف ہونا حیوانات کا منع، ی اور سی طرح طفل غیر ممیز کی تکلیف ہی متنع ہی کیونکہ تکلیف عام اصل خطاب کے سمجھنے پر موقوف ہے اس طرح خطاب کی تفصیل سمجھنے پر ہی موقوف ہے اور اگر وہ لڑکا مہینہ پس اگرچہ ان باتوں کو سمجھ سکتا ہے جسکو غیر ممیز نہیں سمجھ سکتا مگر بھی ایسی اسکی فہم میں نقص ہے اور قاصر الفہم جس طرح کمال العقل سمجھ سکتا وجود حق تعالیٰ کو اور اسکی تفصیل یا عفا کو اس طرح وہ طفل غیر ممیز نہیں سمجھ سکتا پس نسبت طفل ممیز کی طفل غیر ممیز سے ایسی ہے

جیسے طفل غیر مینر کو نسبت سب حیوانات اور چو یا یون سے اگرچہ وہ طفل مینر قریب بلوغ شرعی کے پہنچ گیا ہو۔
 اس طرح کہ بلوغ ایک ہی لحظہ باقی رہ گیا ہو۔ اس لئے کہ اگرچہ فہم و عقل اور سکی مثل فہم و عقل بالغ ہو لیکن اگر لکھ عقل و
 فہم ایک امر خفی ہے اور تدریج رفتہ رفتہ اور سکا ظہور متواتر ہے اور کوئی ضابطہ اور قاعدہ اور سکی معرفت و شناخت
 کمال کا منتہا ابتدائے شرع سے اس کے واسطے ایک ضابطہ قرار دیا۔ (یعنی بلوغ شرعی) اور تمام حکمتیں اس کے قبل
 ساقط ہوا ہیں اور سب تحقیق فرمائی تمام ہوا کلام علامہؒ یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ تکالیف خواہ اعتقادات ہوں
 یا معاملات سب بعد بلوغ ہی کے متعلق ہوتے ہیں۔ اور جناب سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ نے کتاب درر غرر میں قول حق تعالیٰ
 وَاِذَا اخَذَ رَبُّكَ مِنْ نَبِيِّ اٰدَمَ مِنْ طَلْحٍ هُمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَاشْهَدَهُمْ عَلَى اَنْفُسِهِمْ الْاٰیہ (اور جب کہ لیا تیری پروردگار
 نے بنی آدم سے اور انکی صلیون سے انکی ذریت کو اور گواہ کیا انکو انکے نفسوں پر آخر آیت تک) کی مخالفت میں نے
 جو تاویل کی ہے اس تاویل کے باطل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ مخالفون کی تاویل کو تو تھنے باطل ٹھرایا
 بہر مباح تاویل اسکی کیا ہے اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ آیت کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے مراد لی ہے اس
 سے وہ جماعت ذریت بنی آدم سے جنکو پیدا کیا اور بلوغ تک پہنچایا اور انکی عقلوں کو کامل کیا اور اپنے رسولوں کی
 زبان پر انکو قادر کیا کہ وہ سچے سکین اور جانین کہ اطاعت ہم پر واجب ہے پس ان لوگوں نے اسکا اقرار کیا اور انکے نفسوں
 پر انہیں گواہ کیا کہ روز قیامت یہ نہ کہیں گے ہم اس امر سے غافل تھے اور اپنے ابو اجداد کی شرک کا عذر پیش
 کر میں تمام ہوا موضع حاجت کلام جناب سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا پس یہ کلام سید مرتضیٰ علیہ الرحمہ ہی اسی کا
 مقتضی ہے کہ تعلق تکالیف معرفت وغیرہ کا بعد بلوغ کے ہوتا ہے۔ اور اسی طرح کتاب مالک کی بحث جہاد میں
 بھی شہید ثانی علیہ الرحمہ کے کئے عبارتوں سے ظاہر ہے۔ جس کے ذکر سے خوف تطویل ہے۔ اب رہیں
 حدیثین تو او میں سے ایک حدیث ہے تمام خاصہ (شیعون) اور عامہ (سنیون) میں مشہور ہے کہ فرمایا جناب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے رفع القلم عن ثلثة عن الصبی حتى یبلغ وعن النائم حتى یتقیظ وعن
 المحبون حتى یفنیق (تین گروہوں کیواسطے ثواب و عذاب نہیں لکھا جاتا۔ بچہ جب تک کہ بالغ ہو۔ سوئی والا
 جب تک کہ جاگے۔ مجنون جب تک کہ افاقہ ہو اور صحیح العقل ہو۔) اور ان تین صریحوں میں سے وہ
 حدیثیں ہیں جو شامل ہیں بیان پر احوال استضعفین (کم عقلوں) کے جسکا بیان سابق میں گذر چکا ہے
 لیکن میرے نزدیک وہی قول جسکو جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ اور ابن ابی جمہور اور جناب سید نور اللہ شوشتری علیہ الرحمہ
 لکھا ہے من وجہ وہی حق ہے۔ اس لئے کہ سمجھنے وہی لو کا فرض کیا ہے جو عاقل ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے
 کہ عاقل کو ترک شکر منع میں خوف حاصل ہوگا۔ اور دفع خوف کرنا نفس سے واجب ہے۔ اس کے قبل ہم بیان
 کر چکے ہیں (ثواب معرفت کا حاصل کرنا سیر عقل واجب ہوا) اور احادیث سے جو رفع قلم بہ نسبت صبی مینر
 (صاحب عقل لڑکے کے معلوم ہوتا ہے یہ منافی و خلاف وجوب کے نہیں ہے۔ کیونکہ واجب وہ فعل ہے
 کہ جسکے کر نیسے استحقاق ثواب کا ہو اور جسکے ترک سے استحقاق عذاب ہو۔ اور یہ مستلزم عذاب کو نہیں ہے
 بلکہ بعض سلاطین روزگار نے ایک حد بلوغ کا ضابطہ قرار دیا ہے مثلاً ۱۸ سال کے اسکے ایک دن قبل کا معاملہ اسکا صحیح نہیں
 رکھا جاتا اگرچہ دوسرے دن فرق نہیں ہو جائیگا۔ مگر محض خیال انتشار احکام سے ایک ضابطہ اور فتاویٰ قرار
 دیا ہے اور گویا جاری ہی شریعت سے اخذ کیا ہے۔ بعد فی الجملہ تغیرات کے ۱۲ مترجم مظلہ العالی

کہ نہ ثابت و معلوم ہے کہ توبہ اور شفاعت وغیرہ سے عذاب و عقاب ترک واجب و فعل محرمات پر
 حتماً و جزماً ساقط ہو جاتا ہے۔ پس منتہائے امر یہ ہے کہ احادیث سے فقط اتنا ہی نکلتا ہے کہ طفل ممیز
 سے عقاب و عذاب افضل رحمت خدا سے ساقط ہے اگرچہ وہ لڑکا تحصیل معارف حقہ میں کوشش
 نہ کرے اور یہ امر اسکا مستلزم نہیں ہے کہ اوپر تحصیل معرفت عقلاً واجب بھی ہو۔ اور اسی
 بیان سے ہمارے صاف ظاہر ہو گیا جو لڑکا صاحب عقل و تمیز ہوا اسکا ایمان صحیح ہے اور اسکو
 ثواب اسکے ایمان پر ملے گا۔ اور یہی قول و مذہب ظاہر ہمارے اصحاب و علماء کا ہے۔ جناب
 سید نور اللہ نور اللہ مرقدہ نے جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے صحت اسلام کی دلیلوں کے اثبات
 میں جبکہ وہ حضرت ائمہ کے بعثت رسول خدا میں کم سن تھے بیان کیا ہے کہ درجہ نبوت مرتبہ اسلام
 سے اعلیٰ ہے۔ اور جبکہ کم سن لڑکے کا نبی ہونا جائز ہے تو اس کے ایمان کا صحیح ہونا بدرجہ اولیٰ جائز
 ہے اور یہ ثابت و تحقق ہے کہ حق تعالیٰ نے شان میں حضرت بھی علیہ السلام کے ارشاد فرمایا۔ واثبتنا
 الحکم صبیئاً (یعنی بچہ ہی میں) اور انکو علم و حکمت (نبوت) عطا کی) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن
 کے قول کی حکایت پروردگار عالم نے قرآن میں فرمائی اتی عبد اللہ اتانی الکتاب و جعلنا نبیاً
 بن خدا کا بندہ ہون مجھ کو اس نے کتاب دے اور مجھے نبی قرار دیا) اور شان میں حضرت یوسف
 کے اون کے بچپن کی حالت میں فرمایا او سوفت جب وہ نہایت عمیق کہو میں ڈالے گئے۔ و اوحینا
 الیہ لتنبئکم بامر ہم ہذا او ہم کلا یشرعن و نوحی کے ہمنے طرف اس کے تاخیر دے تو انہیں
 انکی اس امر کی اور وہ سنیں سمجھتے) اور فرمایا پروردگار عالم نے ففہمناھا سلیمان و کلاً
 اتینا حکماً و علماً) اور سمجھا دیا اوسی ہمنے سلیمان کو اور سب کو (انبیاء کو) دیا ہمنے حکم و علم
 اور جب حضرت سلیمان نبی قرار دی گئے تھے او سوفت بن اون کا گیارہ برس کا تھا جب یہ جائز ہے کہ کس لڑکا
 نبوت و وحی ہو تو یہ بھی بطریق اولیٰ جائز ہے کہ صاحب ایمان ہو تمام ہوا کا امام سید نور اللہ مرقدہ۔ پس
 اس مقام سے صاف ظاہر و آشکار ہو گیا کہ مقصود تحقیق یہ ہے کہ لڑکا جبکہ ممیز و عاقل ہو ایمان لانے سے
 ثواب پائے گا اور ترک ایمان سے مستحق عقاب ہوگا عقلاً۔ لیکن بہتر سے معلوم ہوا ہے کہ لڑکے پر اگرچہ معرفت
 حاصل نہ کرے (عذاب نہ ہوگا) پس عقلاً معرفت کا وجوب طفل ممیز کیو اسطے ثابت ہوا۔) ایسے ہاں دوسرا مقام (جو
 جنگل اور پہاڑ میں نشوونما پائے اور رسول اللہ کے مبعوث ہونیکے اوسکو خبر نہ پہنچی ہو او سپر ایمان لانا اور معرفت
 کا حاصل کرنا واجب ہوا نہیں) تو اس میں اختلاف کا مبنا اصل اختلاف اس امر کا ہے کہ وجوب معرفت عقلی ہر آدمی
 (شرعی) اور ہمنے ثابت کیا ہے کہ وجوب معرفت عقلی ہر پس معرفت واجب ہوگی اون لوگوں پر جو قبل بعثت رسول
 خدا تھے اور ان پر بھی واجب ہے جنہوں نے جناب رسالت مآب کا مبعوث ہونا نہیں سنا۔

اس لئے کہ جب صاحب عقل و تمیز ہو تو نعمت منعم حقیقی لا اقل اپنی نعمت وجود کا ضرور خیال کرے گا جبکہ لازم یہ ہے کہ اپنے خالق
 کی معرفت حاصل کرے اور اسکا لازم یہ ہے کہ اپنے خالق کے احکام کا خیال کرے اور دریافت کرے کہ کسی معرفت وہ احکام تک
 پہنچ سکے میں جس سے معرفت بنی و وحی بنی کا حاصل کرنا لازم و ضروری ہو اور یہ سب حکام عقلی ہیں اسکی فورت نہیں ہے کہ خبر غشی میں
 بنی کے مبعوث ہونیکے یا نہ سنے پس اگرچہ بعثت نہ سنی ہو تو بھی معرفت خدا بنی کا حاصل کرنا لازم و ضروری ہے اور علم و حقیقت حاصل کرنا چاہئے کہ کون بنی

یہاں تا بچپن ۱۲۹

اور شخص اس کا قائل ہو معرفت واجب ہی نہیں ہے۔ یا قائل سکا ہو کہ وجوب معرفت شرعی ہے جیسا کہ مذہب اشاعہ کا ہے۔
وہ لوگ اسکے بھی قائل ہیں کہ ان لوگوں پر (جو صحرا میں رہے یا قبل زمان بعثت تھے یا خبر انگوشتین ہوئی) معرفت
واجب نہیں ہے اور ہم نے ان دونوں قولوں کا اور دونوں مہیوں کا ضعیف و خفیف ہونا بیان کر دیا ہے۔ پس اگر
تم کہو کہ کیا کہتے ہو تم اس قول حق تعالیٰ میں وما کنا معذبہن حتی نبعثن رسولاً ہم عذاب نہیں کرتے تا
وقتیکہ رسول کو بھیجیں) اور اس قول میں ولوانا اهلکنا ہم بعد اب من قبلہ لقالوا ربنا لولا امرسلت
الینا رسولاً فنتبع ایا نیتاک من قبل ان نذل ونخزى (اور اگر ہم ہلاک کرتے اور انکو عذاب سے قبل اس کے
یعنی قبل رسول بھیجنے کے) تو ضرور وہ کہتے کہ خداوند اکیون نہ تو نے ہمارے پاس رسول کو بھیجا کہ ہم تیرے
آیات کی پیروی کرتے قبل اسکے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے) اور اس قول حق تعالیٰ میں وما اهلکنا من
قریۃ الا لھا مندسرون (اور زمین ہلاک و برباد کیا کسی قریہ کو مگر اوسکے لئے (عذاب خدا سے) ڈرائیوے
اس قول پر وردگار میں ولولا ان تصیبهہم مصیبة بما قلدت ایدہم فیقولوا ربنا لولا امرسلت
الینا رسولاً فنتبع ایا نیتاک وتکون من المومنین (اور اگر پہنچتے ہو انکو کوئی مصیبت خود اون کے ہاتھوں
کے کئے سے تو کہتے ہیں کہ خداوند اکیون نہ بھیجا تو نی ہمارے پاس کوئی رسول کہ ہم تیری آیتوں تیری نشانوں
کی پیروی کرتے اور مومنوں میں داخل ہو جاتے ایمان لاتے) اور اس قول باری تعالیٰ میں وما سر بک
مہلک القری حتی نبعث فی امھا رسولاً یتلو علیہم ایتنا وما کنا مہلک القری الا و اھلھا
ظالمون (اور زمین ہے پروردگار تیرا ایسا کہ ہلاک و برباد کرے قریوں کو تا وقتیکہ پہنچے بڑے بڑے قریوں میں
شہروں میں رسول کو کہ وہ رسول ہماری آیتیں اور نشانیاں اون سے بیان کریں اور زمین میں ہم ہلاک
کرنے والے قریوں کے مگر اوسوقت کہ اہل قریہ ظالمین ہوں) اور اس قول خداوند عالم میں ذالک ان
لم یکن سر بک مہلک القری بظلمہ و اھلھا غافلون۔ (یہ اگر نہ ہوتا پروردگار تیرا ہلاک کرنے والا
قریوں ظلم سے اوس حال میں کہ اہل قریہ غافل ہوتے۔) اور کیا کہتے ہو جواب میں) ان احادیث کے جو تمہارے
اماموں سے مروی ہیں اون میں ایک یہ روایت ہے جو کتاب کافی میں اپنے اسناد کے ساتھ حضرت ابو جعفر
امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا خدمت حضرت میں۔
کہ یا حضرت جناب رسول خدا سے لڑکوں کے بارے میں بھی سوال کیا گیا تھا حضرت نے ارشاد فرمایا
کہ ان سوال کیا گیا تھا جناب رسالتا ب نے ارشاد فرمایا اللہ اعلم بما کالوا لعالمین (خدا جانتا ہے
جو کچھ وہ (لڑکے) عمل کریں گے) اسکے بعد جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ اسے زرارہ (راوی خدا
تم سمجھے ارشاد رسالتا ب اللہ اعلم بما کالوا لعالمین کو زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں یا حضرت
میں نہیں سمجھا۔ ارشاد فرمایا امام محمد باقر علیہ السلام نے کہ (اس قول میں اشارہ ہے) کہ خداوند عالم کی
ان لڑکوں کے بارہ میں مشیت ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ جب روز قیامت ہوگا تو حق تعالیٰ تمام اطفال کو جمع
اور ان لوگوں کو جو زمان فترت (قبل بعثت رسالتا ب) میں مر گیا ہوگا۔ اور اوس مرد ضعیف و
کبیر السن کو جس نے جناب رسالتا ب کا زمانہ پایا لیکن وہ بے عقل و لاعقل تھا اور اوس بہرے اور
انگوٹھے کو جو عقل سے بے بہرہ تھا اور اوس مجنون و بے وقوف کو جسے عقل و تمیز نصیب نہیں ہوئی۔ پس

پس ہر گروہ ہر انہیں اپنی حجت تمام کر لیا اس طرح ہر ایک ملک کو ملائکہ سے بھیجے گا کہ وہ خوب آگ ان کے لئے دہکا ٹیکا پھر خداوند عالم ایک دوسرے فرشتے کو اونکے پاس بھیجے گا اور وہ فرشتہ کہے گا کہ تمہارے پروردگار نے تمکو حکم کیا ہے کہ اس آگ میں نہ بات اختیار کرو اور حکم خدا کے قبول کرنے میں نہ ثابت قدم رہو۔ پس جو اس آگ میں داخل ہو جائے گا وہ آگ اوپر سر دھو جائے گی اور وہ سلامت رہے گا اور داخل جنت کیا جائے گا اور جو شخص حکم خدا سے تخلف کرے گا اور نہ نیکو وہ داخل نار و جہنم کیا جائے گا۔ اور علی بن ابراہیم سے اوسکے اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ علی بن ابراہیم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اُن لوگوں کے بارے میں سوال کیا جو زمان فرشتہ میں مر گئے اور جنہوں نے عقل و رشد کو نہیں پایا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ انہیں اس طرح حجت تمام کیا جائے گی (کہ روز قیامت) اُنکے لئے آگ بلند کی جائے گی اور اُنکے لئے کہا جائے گا کہ اس آگ میں داخل ہو پس جو اوس میں داخل ہوگا وہ آگ اوپر سر دھو جائے گی اور وہ سالم رہے گا بعض مشہرین و مجتہدین کا یہ اعتراض ہے کہ ایسی تکلیف سخت کوئی عاقل کب تجویز کر سکتا ہے اور عاقل آگ میں کیوں کرنے لگا اور ولا تلقوا بآید یکہ الی التہلکۃ کیا بیان صادق نہیں آتا اسکے جواب میں بالاجمال ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ اعتراض محض تعصب یا عدم علم سے ہے جب حق و باطل عیان اور بدیہی ہو گیا کہ بہشت و جہنم دونوں آنکھوں کے سامنے موجود ہیں تو ضرور ہے کہ ایسی ہی تکلیف سخت سے امتحان لیا جائے اور جب شخص عاقل اعتقاد قدرت و علم خدا رکھتا ہے تو ضرور اوسکے حکم کی تعمیل کو واجب سمجھے گا اور ضرور اوسکو خیال آئے گا کہ حکم کی تعمیل میں مصالح و منجات کا ہو گا۔ اور بالفرض اگر احتمال نجات بھی ہو تو مدعی محبت اکثر جان پر کیل جاتے ہیں ہندوستان میں بہت عورتیں اپنے شوہروں کے ساتھ سستی ہوئی ہیں اور ولا تلقوا بآید یکہ جب صادق ہو گا جب بلا حکم حاکم ولا تلقوا ہوا اور جب اوسی کا حکم ہے تو ولا تلقوا و مان صادق نہیں ہے جیسا کہ جہاد میں بھی صادق نہیں ہے کیونکہ حکم شرع پر علاوہ اسکے ہلاکت متصور ہی نہیں ہلاکت میں لانا اسوقت مذموم ہے جب عوض اسکا اتنی بہتر نہ ہو کہ جب عوض بہتر کا یقین بلکہ گمان ہو تو ہلاکت میں ڈالنا مذموم کسی عاقل کے نزدیک نہیں امور دنیوی میں جیسے آنکھ کا قدح کرانا یا سلطان کے ہمراہ غنیم سے لڑنا بلکہ اسکا عوض چند روزہ اور نام تمام محض خشنی ہے اور عوض و نفع آخروی دائمی اور یقینی ہے خصوصاً جبکہ معائنہ بہشت و دوزخ کا ہو رہا ہے اور مطیع لعل بہشت ہو رہے ہیں اور عاصی داخل جہنم ہیں کیونکہ عاقل تجویز تعمیل حکم خدا نہ کرے گا اور یہ مشہور ہے کہ آگ کا کام جلانا ہے تو جو حکم خدا داخل ہو تو وہی بچا کیسا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ تاثیر اور تاثر اشیاء کے شرائط و موانع ہیں جب تک پورے موانع رفع نہ ہوں اور شرائط سب موجود نہ ہوں اثر و تاثر نہیں ہوتا ایسے دنیا میں بہت چیزیں ہیں مثلاً کہ اون کے مناد وغیرہ سے آگ اثر نہیں کرتی پس روز قیامت ہو سکتا ہے کہ پروردگار عالم امن مپیٹوں کے لئے کوئی وجود مانع یا فقدان شرط حاصل کر دے اور آگ تاثیر نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بابے میں اسی دنیا میں بھی ایسا ہی ہوا ہے (فقلنا یا ناس کوئے برزدا و سلاماٹا ہے۔ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے جو محقق لکھا گیا ۱۲۔ ترجمہ مدظلہ العالی۔

اور جو انکار کر لیا اس سے حق تعالیٰ کہیگا کہ آگاہ ہو جاؤ تحقیق لوگ ہو جنکو میں نے حکم کیا اور تم نے میری نافرمانی کی۔ اور اسی اسناد سے روایت ہے (امام جعفر صادق سے) تین فرقہ ہیں جبہ حق تعالیٰ اپنی حجت تمام کر لیا ایک ایک (گو نگاہ) دوسرے طفل کمن لڑکا۔ تیسرے وہ جو زمان فترت میں مر گیا ہو۔ پس اُن کے لئے آگ بھڑکائی جائیگی اور اُن سے کہا جائیگا کہ اس آگ میں داخل ہو پس جو شخص اوس میں داخل ہوگا اوس پر وہ بردا سلاٹا ہو جائیگی اور جو اس سے انکار کر لیا اس سے حق تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تو تمکو حکم کیا اور تم نے میری نافرمانی کی اور اسی طرح کیا جواب ہے اس قول سے جناب رسول خدا کے کلشی مطلق حتیٰ پر د فیدہ معنی وما حجبہ اللہ عن العباد فهو موضوع عنهم۔ (ہر شئی جائز ہے جب اوسکو باری میں ہنی ومانعت نہ وارد ہوا ورجبکا حکم خدا نے بندوں سے محبوب رکھا اور بندوں تک نہیں پہنچا وہ اُن سے اٹھایا گیا ہے) (یعنی اوسکے کرشمین عذاب نہیں ہے وہ حرام یا واجب اور پیر نہیں ہے) اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ سمع (آیتین اور روایتین) جب ظاہر میں مخالف ہوں قطعیات و یقینات کے (تو ضرور ہے کہ اُن آیات و روایات سے وہ معنی مراد لین جو مخالف نہوں ان یقینات اور قطعیات کے) اور ضرور ہے کہ حمل کرین اُن روایات و آیات کو ابکی ظاہر کے خلاف جیسا کہ یہ معلوم ہے اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ ظاہر میں یہ آیتین اور روایتین قطعیات کے مخالف ہیں ایک وجہ مخالفت یہ ہے کہ یہ مقتضی ہیں عدم وجوب معرفت کے عقلاً حالانکہ ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ وجوب معرفت عقلی ہے دوسری وجہ مخالفت یہ ہے کہ یہ آیات و روایات مقتضی ہیں اس امر کے کہ حسن و قبح عقلی نہوں اور حسن و وجوب کا اور قبح حرمت کا مستلزم نہ ہو اور یہ دونوں امر خلاف ہیں اوسکے جو مذہب حق ہے اور جس پر فرقہ محقق اہل تشیع ہے اور جو اسکا تابع ہے اور خلاف ہو اوسکے جو حجت و دلیل و برہان سے ثابت و بیان ہوا اور تفصیل مقام و تحقیق مرام یہ ہے کہ حسن و قبح کا اطلاق میں معنوں پر ہے ایک معنی یہ ہیں کہ حسن صفت کمال ہے اور قبح صفت نقص ہے۔ کہتے ہیں العلم حسن (علم حسن ہے) یعنی اوس شخص کے لیے جو اس سے متصف ہو کمال ہے اور ارتفاع شان ہے۔ و الجہل قبیح (اور جہل قبیح ہے) یعنی جو شخص اس سے متصف ہو اوسکے لیے نقصان ہے اور ارتفاع حال اہست ترین ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ حسن ملائمہ غرض اور مطابقت مقصود ہے اور قبح منافرت غرض و عدم موافقت مطلوب ہے (جو مقصود و مطلوب کے موافق ہو حسن ہو اور جو مطلوب کے خلاف ہو وہ قبیح ہے) اور مطلب غرض سے مراد یا خود فاعل اور اس کام کے کرنے والے کی غرض ہے جیسا کہ بعض کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے بامراد غرض سے مطلق غرض ہے جیسا کہ کسی مطلب و غرض ہو جیسا کہ کتاب مواقف کے موافق ہے۔ اور تیسرے معنی یہ ہیں کہ حسن فعل ہے کہ جسکا کرنے والا مستحق ہو تعریف و مدح کا دنیا میں اور مستحق ہو ثواب کا آخرت میں۔ اور قبح و فعل ہے کہ جسکا کرنے والا مستحق ہو مذمت کا دنیا میں اور مستحق ہو عقاب کا آخرت میں اور کبھی اس تعریف میں سے قید استحقاق ثواب و عقاب کے نکال دیتے ہیں کہ ثواب بعد اس قید کے لگانے کے یہ تعریف ہی کی جاتی ہے کہ وہ جسکا کرنے والا مستحق تعریف و مدح کا ہو۔ قبیح وہ جسکا کرنے والا مستحق مذمت کا ہو۔ اور یہ تعریف پروردگار عالم کے افعال کو بھی شامل ہے اس لئے کہ جب تک استحقاق ثواب و عقاب کی لفظ

افعال خدا کو بھی اور ہمارے اسی بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ یہ تیسرے معنی حسن و قبح کے سوائے اسکے کہ افعال اختیار یہ ہی میں اور جائز اس کے عزیزان کا پایا جانا ممکن ہی نہیں۔ اس لئے کہ حسن و قبح کا ان معنوں میں نقل ہونا یہ تو ظاہر ہی ہے کیونکہ وہ تو خود تعریف میں داخل ہے اور اسی ہی کی تو تعریف ہی کر رہے ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ وہ فعل اختیاری بھی ہے یہ اس لئے کہ فعل اضطراری (غیر اختیاری) پر مدح و مذمت خیال ہی میں نہیں آتی۔ اور ہمارے اسی بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ فعل اختیاری جب معنی اول کی راہ سے حسن ہوگا تو ضرور ہے کہ تیسرے معنی کی راہ سے بھی حسن ہو۔ کیونکہ ہر فعل اختیاری جب کہ صفت کمال اپنے فاعل اور کرنے والے کے لیے ہوگا تو ضرور ہے کہ اس فعل پر اس کا فاعل مستحق مدح بھی ہوگا۔ اور اسی طرح اگر وہ فعل صفت نقص ہے تو اس کے فاعل کی مذمت بھی ہوگی مثال اسکے جیسے عدالت۔ اور ظلم۔ اور نیکی و احسان کرنا اپنے محسن کے ساتھ۔ اور بدی و برائی کرنا اپنے محسن کے ساتھ۔ اور اسکو صاحب موقوفہ نے بھی قبول کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے فعل کے نقص میں اور فعل کے قبح عقلی میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا جو نقص فی الواقع ہے (فعل کا نقص ہے) وہی بعینہ فعل کا قبح عقلی ہے محض عبارت کا اختلاف ہے۔ تمام ہوا کلام صاحب موقوفہ۔

پس اسکا قائل ہونا کہ حسن و قبح افعال میں پہلے معنوں کی راہ سے پائے جاتے ہیں اور اسی حسن و قبح اور نہیں فعلوں میں تیسرے معنے کی راہ سے انکار کرنا بد بھی البطلان ہے جبکہ بطلان روشن و عیان ہے۔ مستغنی عن البیان ہے اور اب اسکی احتیاج نہیں ہے کہ ہم معنے ثالث کی راہ سے حسن و قبح کے ثابت کرنے میں دلیل لانے کی اور برہان قائم کرنیکی زحمت و تکلیف اٹھائیں اور جو شخص کہ او نہیں حسن و قبح کا افعال میں معنی اول قائل ہے اوپر بمعنی ثالث قائل ہونا لازم ٹھہرائیں اور اس پر الزام لگائیں۔ مگر از بسکہ مقصود ہمارا یہ ہے بقیہ شیعہ داخل ہوتی تو اس کے افعال پر شامل نہ ہتی کیونکہ وہ تو خود ثواب دیتا ہے عذاب کرتا ہے اسکا ثواب دینوالا کون ہے ۱۲۔ مثلاً اگر کوئی شخص سوتا ہوا اور ماتھا اسکا سونہیں کہی بزرگ نے مجھ پر مثل طما پچھے کے لگ جائے تو کوئی اس سونو والے کی مذمت کا خیال نہ کرے گا ۱۲ مترجم مظلہ العالی۔

۵۷ سبب یہ ہے کہ مسئلہ اگرچہ بدیہی ہے اور بہت ظاہر ہے مگر فرقہ اشاعہ جو اہل سنت و جماعت سے ہے وہ ایسے روشن امیر کا منکر ہے اور بہت سے مسائل اصول دین کے اس مسئلہ پر متبنی ہیں اور وہ ازلیکہ اس مسئلہ کے قائل نہیں ہوتے بعض شیعہوں کے جنکا بیان کتاب میں آئیگا اور ان کا جواب یہی دیا جائے گا تو بہت سے مسائل اور عقائد میں اختلاف ڈال دیا اور دین کو باعث مضحکہ عقلا قرار دے رکھا ہے۔ لہذا جناب مصنف علی التام مقامہ نے اس مسئلہ میں طول دیا اور حق کو بہت روشن و ظاہر فرما دیا۔ ۱۲ مترجم دات۔ مدد لکھ

کہ اس مقصد کی خوب تحقیق و تنقیح کریں لہذا ہم کو ضرورت ہوئی کہ استدلال سے کام لیں اور حق کو ثابت کریں اور باطل کو مٹائیں) جب یہ پہچان چکے تو اب یہ یقین جانو کہ امامیہ اور تمام فرقے اہل عدل کے اسی طرف گئے ہیں اور سب کا مذہب یہی ہے کہ حسن و قبح بمعنی ثالث ثابت کرتے ہیں اور سب کا مذہب یہی ہے کہ اگر وہ حسن و قبح عقل کے ذریعہ سے دریافت ہو جائے تو حسن مستلزم ثواب کو اور قبح مستلزم عذاب کو بھی ہوگا۔ پس ان امامیہ اور اہل عدل کے نزدیک (بلاشبہ) مثال شارع کی مثل طبیب کے ہر پس دوا اور غذا میں جو واقع میں تاثیرات ہیں اور کم و بیش سے طبیب بیان کرتا ہے نہ یہ کہ دوا میں تاثیر پیدا کرتا ہے اور تاثیر کا بدل جانا اختلاف سے فصل کے اور مزاج کے ہونا نہ یہ کہ طبیب اس کی تاثیرات میں تغیر دیتا ہوا اور دوسری دوسری تاثیریں اوس میں ثابت کرتا ہوا اور مقصود بیمار التبیہ سے تشبیہ نام نہیں ہے۔ پس جن باتوں کا توہم اس مقام میں کیا جاتا ہے وہ بیان وارد نہیں ہوتیں۔

جناب شیخ علیہ الرحمۃ نے کتاب عدہ میں تحریر فرمایا ہے کہ احوال مکلف و حال سے خالی نہیں ہیں یا وہ افعال حسنہ میں یا قبیحہ میں اور احوال حسنہ بھی اس سے خالی نہیں ہیں یا واجب ہیں یا مذہب مستحب ہیں یا مباح ہیں۔ پس جس فعل کی تفصیلی حجت قبح عقل سے معلوم ہو جائے اس کے حرام ہونے میں جو اہل علم و کامل ہیں ان میں کسی طرح اختلاف نہیں ہے اور اسکے مثال جیسے ظلم۔ اور کذب اور عبث۔ اور جہل۔ اور جوار اسکے مشابہ ہو۔ اور جس فعل کی حجت وجوب حسن و خوبی یا تفصیل معلوم ہو جائے اس کے وجوب میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ اور مثال اس کی جیسے امانت کے واپس دینے کا وجوب اور شکر منعم۔ اور انصاف و عدل۔ اور جوار اسکے مشابہ ہو۔ اور جس کے حجت مذہب و استحباب معلوم ہوا اسکے مستحب نہیں بھی خلاف نہیں ہے مثال اس کی جیسے کسی کے ساتھ احسان و نیکی کرنا۔ اور ان چیزوں میں ان صفتوں کا ہونا جیسا ہم نے ذکر کیا اس سبب سے ہے کہ متغیر ہونا حسن کا قبح کی طرف اور قبح کا حسن کی طرف صحیح نہیں ہے۔ جو حسن ہے وہ حسن ہی رہے گا اور جو قبیح ہے وہ قبیح ہی رہے گا) تمام ہوا کلام جناب شیخ علیہ الرحمۃ کا جس قدر کہ ضرورت تھی۔ اب اس کلام سے جناب شیخ علیہ الرحمۃ کے ظاہر ہو گیا کہ حسن و قبح کو جب عقل دریافت کر لے تو حسن مستلزم وجوب کو اور قبح مستلزم حرمت کو ہے اور ایمین امامیہ میں اختلاف نہیں ہے جناب سید نور الدین شوشتری علیہ الرحمۃ نے اخلاق الحق میں تحریر فرمایا ہے کہ اس مقام میں دواہر ملکہ دواصلیں ہیں ایک یہ کہ آیا فعل فی نفسہ کسی صفت پر شامل ہے کہ وہی صفت نقیض اسکے حسن یا اسکے قبح کی ہوتی ہے اسی طرح پر حسن فعل یا قبح فعل اسی کی صفت سے پیدا ہوتا ہے اور وہی صفت اوس فعل کے حسن کی یا قبح کے علت ہوتی ہے یا ایسا نہیں۔ دوسری یہ کہ ثواب خودی جو حسن فعل پر مرتبہ حاصل ہوتا ہے یا عقاب خودی جو قبح فعل پر ملنا چاہیے یہ عقل سے معلوم و ثابت ہوا ہے یا ایسا نہیں ہے بلکہ شرع سے ثابت و معلوم ہوا ہے۔ پس فرقہ امامیہ

۱۔ اگر کوئی توہم کرے کہ شارع حق خداوندہ خالق و موجد تاثیرات ہے پس کہتا ہے کہ جسکو قبح سمجھے میں اس سے استعمال سم اسکو وہ واجب دے اور اس کی تاثیر مصلحت بدل دے مثال طبیب کے یہاں ست نہوگی اور کہ جواب میں ہم کہیں گے کہ اگرچہ وہ تبدیل بر تادیر مگر یہ عادت اس کی جاری نہیں کرے بغیر معجزہ و ضرورت تصدیق و غیرہ وہ تبدیل تاثیرات کرے بلکہ جو صفا و سن خلق کر دے ان کو نکالے یا ان پر غلبہ کرے اور ان کو حلال حرام و دوا و زہر و مضر و مفید

بیان مطروحات کراچی شریعتیہ مجلس بیان میں جن کو نہ خلق و ایجاد میں نہ اثر ہے

اور تمام اہل عدل کا مذہب یہ ہے کہ یہ دونوں امر عقل سے معلوم ہوتے ہیں اور انہیں تلازم ثابت ہے اور اسی طرح بعض اساتذہ نے شرع زبدۃ الاصول میں تصریح کی ہے اور ان کے علاوہ اور علماء نے اور ان کا بول میں اس کو لکھا ہے اور تصریح کی ہے۔ اور فرقہ اشاعرہ جو اہل سنت ہیں (میں) ان کا مذہب یہ ہے کہ وہ بالکل ان دونوں امور کی نفی کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں کا بالکل انکار کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ نفس الامر واقع میں سب فعل برابر ہیں۔ کوئی فرق نہیں ہے شیطان کو

یعنی جس فعل کا حسن تفصیل عقل سے ثابت ہوگا وہ واجب بھی ہوگا اور اس کا کرنا والدین میں مدوح اور آخرت میں مستحق ثواب ہوگا اور شرع بھی اس فعل کے کرنا حکم کرتی ہے اور شارع کو وہ ضرور مطلوب ہے اگرچہ تصریح اس کی زبان شارع سے نہ ہو۔ اور حسن فعل کرنا حکم شرع نے حکم کیا ہے وہ ضرور حسن اور اچھا ہے اگرچہ عقل نے تفصیل اس کی جہت حسن نہ دریافت کی ہو بلکہ اگرچہ ظاہر نظر میں تو ہم خلاف بھی ہوتا ہے عقل خالص قطعی اس کے خلاف پر حکم قطعی نکرتی ہو تو بھی عقل حسن ہی رہیگا۔ جبکہ اس کے کرنا حکم شرع سے ثابت ہو گیا ہو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ہماری عقلیں بسبب اپنے نقصان کے اس کی پوری ماہیت و جہت حسن دریافت نہ کر سکیں مگر شارع (یعنی خدا) جو عالم و واقف تمام اشیاء کے حالات سے ہے اس کے حسن ذاتی کے سبب جو ہمیں دریافت نہیں ہو سکا حکم اس فعل کے کرنا دے پس خلاصہ یہ ہوا کہ جس فعل کا حسن عقل تفصیل دریافت کر لے وہ ضرور مطلوب شارع ہے اگرچہ تصریح اس کی شارع سے نہ ہو بلکہ ہو اور جس فعل کے کرنا شارع نے حکم بتصریح دیا ہے وہ ضرور حسن اور اچھا ہے اگرچہ عقل بسبب اپنے نقص کے اس کی خوبی کا ادراک نہ کر سکے۔ اسی طرح جس فعل کے قبح کو عقل ادراک کرے وہ حرام ہے شرع میں بھی اور اس کا فاعل مستحق عذاب اخروی ہے اور جس فعل کو شارع نے منع اور حرام فرمایا ہے وہ ضرور قبیح ہے اور اس میں ضرور قبح ذاتی ہے اگرچہ عقل بسبب اپنی کمی اور نقصان کے اس کے قبح کو دریافت نہ کر سکے۔ خیال کرنا چاہیے کہ شارع نے مثلاً شراب و خمر حرام کیا اور ظاہر میں تو ہم ہوتا تھا کہ ایسے مقوی و مفرح شے میں کیا قباحت تھی جس سے حرام کیا۔ اب ہم دیکھتے ہیں تو علاوہ ان جوہ کے جو علمائے بیان فرمائے ہیں مثل مغلوبیت عقل کے جو ایک شے نفیس ہے اور ایک آن کا زوال بھی اس کا مذکور ہے حال کی تحقیق اور ڈاکٹروں نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے بدتر و مضر بدن کوئی شے نہیں ہے۔ اسی طرح ذبیح جو انات کا حکم شرع میں ہے جس کا حسن تفصیل ظاہر نہ تھا۔ لیکن اب اس زمانے میں حکماء نے کمٹری و کمیساوی ذریعہ سے ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کے یہاں ذبیح کا طریقہ بہت خوب ہے اور اتنا خون جتنا ذبیح میں نکالا جاتا ہے اس کا کھانا ضرور اور مصلح ہے گوشت کا اور اس کا خلاف نہایت بدتر اور مضر ہے اسی طرح تعدد تزویج و طلاق وغیرہ کے مسائل جہت بہت زمانے سے بحث ہو رہی ہے اب اکثر عقلا جب تعصب مذہبی سے قطع نظر کر لیتے ہیں تو ضرور ان احکام شرع کو مدوح اور مستحسن قرار دیتے ہیں پس اسی طرح جمیع احکام شرعی جو شرع سے ثابت ہیں ضرور ویسی ہیں جیسے شرع سے ثابت ہیں اگرچہ ہماری عقلیں ان کی حسن قبح کا ادراک نہ کر سکیں۔ اور محض تو ہم خلاف سے ہرگز وہ باطل نہیں ہو سکتے کیونکہ عقل نے اگر ان احکام کے موافق ان کو ادراک نہیں کیا تو بھی خلاف میں قطع و جزم ہی نہیں کیا پس محض اپنے خیالی اور وہمی غیر قطعی حکم پر ہرگز شرع پر قرض نہ دینا چاہیے اور احکام خدا کی تصدیق کرنا چاہیے اور پھر دوسری بات یہ کہ بعض تہمتیں بیجا ہیں احوال اصلاح اور غیر قطعی احکام میں

سجدہ کریمین اور خدا کو سجدہ کریمین۔ اور کوئی فرق نہیں ہے صدق و کذب میں۔ اور نکاح و زنا میں اور عدالت و ظلم میں مگر اتنا ہے کہ ایک کو شارع نے واجب کیا ہے اور دوسرے کو حرام کیا۔ پس معنی اوس حسن کے یہ ہیں کہ شارع نے اوسکو طلب کیا ہے اور معنی قبیح کے یہ ہیں کہ شارع نے اوسکو منع کیا ہے (جسکو شارع بجالانیکا حکم کر دے وہ حسن ہے جسکو وہ منع کرے وہ قبیح ہے اگر وہ عدل کو منع کرتا قبیح تھا اور اگر ظلم کرنے کا حکم کرے وہ حسن ہے) اور اگر وہ خفیہ ایک گروہ اہلسنت سے ہے جو تابع ابو حنیفہ ہے جب اس قول کا بطلان بدیہی بھی ہو تو اونہیں نے کہا کہ حسن و قبح میں جن معنوں سے نزاع ہو رہی ہے وہ حسن و قبح فعلوں میں فی نفسہ ثابت تو ضرور ہے مگر یہ دونوں حسن و قبح بندوں کے لئے کسی حکم کے مستلزم نہیں ہیں بلکہ یہ موجب استحقاق حکم کے ہیں حکیم سے جو مروج کو ترجیح نہیں دینا (یعنی حسن و قبح فعل میں پایا جاتا ہے اور خدا اوسکی صفت کے موافق حکم کرتا ہے بلا حکم خدا وہ واجب و حرام نہیں ہوتا اور یہ ہے کہ خدا قبیح کو واجب اور حسن کو حرام ٹھہرائے بلکہ ہر فعل کی صفت کے موافق اوسکا حکم کرتا ہے قبیح کو حرام اور حسن کو واجب کرتا ہے مثلاً) اور نظیر اسکی علت مستعدیہ ہے حکم اصل کے لئے اور مصلحت مقتضیہ ہے ملکوت اور شعرون کے انتظام کے لئے۔ پس جب تک محمد یا بادشاہ حکم نہ کرے وہاں کوئی حکم جاری نہیں ہوتا لیکن یہ علت و مصلحت مرجع ہوتی ہے حکم محمد اور بادشاہ کی (کہ موافق اوسی علت حکم و مصلحت ملک کے محمد و بادشاہ حکم کرتا ہے اور بلا اوسکے حکم کے محض اوس علت و مصلحت کے دیکھنے سے مقلد و رعایا یا بند نہیں ہوتے) اور مستحک اور دلیلین اہل حق (شیعوں) کے بہت امر ہیں۔ (عقلی اور نقلی شرعی قرآن اور احادیث) (عقلی) اونہیں سے ایک یہ ہے کہ مدح عدل و احسان پر اور مذمت ظلم و عداوت پر ضروری اور بدیہی ہے کہ ہر شخص کی عقل و وجدان سے اسکو جانتا ہے اور جو کہ تمام دنیوں اور مذہبوں کو نہیں مانتا وہ بھی اسکا حکم کرتا ہے اور اوسکو مانتا ہے۔ اور یہ امر اسکے منافی نہیں ہے کہ یہ امور صفات کمال سے ہوں یا صفات نقصان سے مخالف ہوں یا موافق غرض کے جیسا کہ یہ امر جلی ہے کسی پر مخفی نہیں ہے اور انھیں (عقلی دلیلین) (دوسری دلیل) یہ ہے کہ اگر اوس عاقل کو جسے کبھی کسی شریعت کا نام بھی نہ سنا ہو اور کسی حکم شریعت کو جانتا نہ ہو

بلکہ جو افعال صفات کمال سے ہیں اور حسن یعنی اول ہیں انکا ماحل قابل مدح بھی ہے اور حسن یعنی ثالث بھی ہے اور جو افعال صفات نقص ہیں اور قبیح یعنی اول ہیں انکا ماحل مذموم و مستحق مذمت ہے اور وہ قبیح یعنی ثالث بھی ہیں اس میں کسی طرح کی منافات نہیں ہے بلکہ موافقت ہے البتہ اگر حسن و قبح کو معنی ثانی لیا جائے یعنی حسن وہ جو موافق غرض قبیح وہ جو مخالف غرض ہو تو ان معنوں کے واسطے البتہ کبھی معنی ثالث کے موافقت ہوگی اور کبھی مخالفت مثلاً ظلم اگر موافق غرض ہو تو معنی اول بھی قبیح رہیگا اور معنی ثالث بھی اور اگر موافق غرض ہے تو اگرچہ اوس صاحب غرض کے لئے موافق مطلوب ہے اور معنی ثالثی حسن ہی نہیں لیکن تمام عقلا کے نزدیک مذموم ہوا اسکے فاعل کی مذمت کریں گے اور ضرور قبیح یعنی ثالث ہی پس منافات صدق قبیح میں معنی ثالث نہوی اگرچہ وہ موافق مطلوب و غرض بھی ہو مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو بلا مقصود قتل کر دے اس غرض سے کہ مال و سکا ملے اور قاتل مالدار و صاحب کت و قندار ہو جائیگا معنی فی حائل اوسکو مدوح سمجھا اور سب اسکی مذمت کریں گے اسی طرح حسن کو جلی کرنا جائز اگرچہ غرض ہر عمل کا بھی ہو لیکن ثالث طریقیہ کوئی منافات نہیں حسن و قبح معنی ثالث میں اس گروہ اولیٰ غرض کے

یہ مخالف غرض کے ۱۲ شرح موطا

بلکہ وہ صحرا اور جنگل میں پیدا ہوا ہو۔ اور تمام عقیدوں سے خالی ہو کوئی عقیدہ کسی طرح کا نہ رکھا ہو اور سے
اختیار دین کہ اگر تم سچ بات کو کہو گے جب بھی تمکو دوا شرفیاء نکلا دینگے۔ اور اگر جھوٹ بولو گے جب بھی تمکو دوا شرفیاء
دین گے اور کسی امر میں کوئی ضرر تمہارا نہیں ہوگا خواہ سچ کو خواہ جھوٹ بولو تو ضرور ہو کہ وہ سچ جھوٹ پر اختیار
کرے گا (اور سچ ہی بولے گا) پس اگر اسکی عقل کذب اور جھوٹ کی برای اور صدق اور سچ کی حسن و خوبی کا حکم
نہ کرتے تو وہ اس میں فرق نہ کرنا اور ہمیشہ ایسے موقع میں صدق ہی کو اختیار نہ کرتا۔ (تیسرے دلیل عقلی) اوئیں
سے یہ ہے کہ اگر حسن و قبح شرعی محض ہوتی تو شخص منکر شرع ہو وہ اس حسن و قبح کا حکم نہ کرتا اور یہ باطل ہے
اس لئے کہ تمام فرقہ برائے جو منکر تمام شریعتوں کے ہیں (اور پابند عقلی حکم کے) وہ بھی حسن و قبح کا حکم کرتے ہیں
اور اس حکم کی نسبت ہدایت عقل کی طرف کرتے ہیں (چوتھی دلیل عقلی) اوئیں سے یہ ہے کہ ضرورت و ہدایت
عقل کرتی ہے کہ فعل عبث قبیح ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی کو اجیر مقرر کرے کہ وہ آب فرات کو دجلہ میں
(یا گنگا پانی جمن میں ایلچ ایلچ کے) پھینکا کرے۔ یا اجیر مقرر کرے کہ فلان شے جو بہان اس شہر میں دس روپیہ
کو بکنی ہے اسکو تولاد پھاند کے دوسرے دوسرے شہروں میں جو بہت دور دور ہیں و مان لیجاہ کے اور
اسی دس روپیہ کی قیمت پر فروخت کرے۔ اور اسی طرح قبیح ہونا ایسی تکلیف کا جسکی طاقت نہ ہو۔ اور تکلیف دینا
اور حکم کرنا لنگڑے اپاہج سے کہ تو آسمان پر اوڑھا (وہ بیچارہ زمین پر تو چل ہی نہیں سکتا آسمان پر کیا اوڑھے گا)
اور اسکو تیزیر دینا اور ہمیشہ عذاب سخت سے سزا دینا کہ تو کیوں نہیں ہمارے حکم کو بجالاتا کیوں اسکو ترک
کر رہا ہے اور قبیح ہونا مذمت عالم و زاہد کا اس کے علم و زہد پر۔ اور حسن ہونا عالم و زاہد کی مدح کا۔ اسی طرح
قبیح ہونا مدح جاہل فاسق کا اس کے جاہل و فسق پر۔ اور حسن ہونا مذمت جاہل فاسق کا اس کے جاہل و فسق پر
اور جو مکابر اسمیں اور اسکا انکار کرے اسے اعلیٰ برہمات و عقلی ضروریات کا انکار کیا۔ اس لئے کہ یہ
حکم حسن و قبح ایسا ہے کہ اطفال اور بچوں تک کو حاصل ہے۔ اور بعض ضروریات ایسے ہیں کہ انکو حاصل نہیں
ہوتے (پس یہ حکم سب برہمات میں زیادہ روشن و جلی ہے کہ بچوں پر چھٹی نہیں ہے) پانچویں دلیل عقلی
اوئیں سے یہ ہے کہ حسن و قبح اگر باعتبار سمع اور شرع کے ہوتے اور سوائے شرع کے عقل سے معلوم ہوتے
تو خدا کے لئے کوئی شے قبیح نہ ہوتی (ہر شے کو جو خدا چاہتا حکم دیتا اور وہ قبیح نہ ہوتا اگرچہ وہ ظلم کا یا زنا کا
بھی حکم دیتا) اور یہ بھی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو معجزوں کا ظاہر کرنا ہوتا۔ اس سے کاذبوں کے اور نبوت کا جھوٹا
دعوے کرنا والوں کے جائز ہوتا اور قبیح نہ ہوتا اور اسکا جائز رکھنا باب معرفت نبوت کو مسدود کرنا ہے
(اس لئے کہ شناخت صدق دعوائے نبوت کے معجزہ ہے پس اگر کاذب کے ہاتھ سے معجزہ کا ظاہر کرنا
جائز ہوتا تو یہ صادق و کاذب کی دعوائے نبوت میں کوئی شناخت نہ رہتی) چھٹی دلیل عقلی (اوئیں سے
یہ ہے کہ اگر حسن و قبح شرعی ہوتے تو یہ بھی حسن ہوتا کہ خدا حکم کرے کفر کا۔ اور تکذیب انبیاء کا۔ اور
نبوت کی تعظیم کا۔ اور مواظبت و عادت کرنیکا زنا کے اور سرقت کی اور حسن و بہتر ہونا نہی کرنا عباد
سے اس لئے کہ بنا براس تقدیر کے کوئی شے فی نفسہ قبیح و برائی نہیں ہے۔ پس خدا نے حکم
کیا وہ حسن و بہتر ہو گئے۔ (ساتویں دلیل نقلی) اوئیں سے یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے
فَرَمَا بِہِ وَاذَا فَعَلُوا فَاحْشَہٗ قَالُوا وَجَدْنَا عَلَیْہِا اٰیٰتُنَا وَاللّٰہُ مَرْمٰہُا قُلْ لَّکَ

یا مریا الفحشاء اتقون علی اللہ ماکا تعلمون) جب کسی بُری بات کو کرتے ہیں (اور ان کی لوگ مذمت کرتے ہیں) تو کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ داد کو یوں کرتے دیکھا اور خدا نے ہم کو اسکا حکم کیا ہے۔ (اوسکے جواب میں تم اسے رسول ہمارے) کہو کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ خدا نہیں حکم کرتا بُری باتوں کا کیا تم کہتے خدا پر اور الزام لگاتے ہو اور سپر) وہ بات جسکا تم علم یقین نہیں رکھتے (اس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا بُری بات کا حکم نہیں کرتا اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بُری چیز حکم کے پہلے سے ہے جسکا وہ حکم نہیں کرتا) دوسری آیت مجملہ دلیل نقلی بہت (حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ان للہ یا مریا بالعدل والاحسان وایتنا ذی القربے وینصی عن الفحشاء واطنکو والبغی یہ بات تحقیق ہے کہ حق تعالیٰ حکم کرتا ہے عدل و احسان کا اور ذوالقربی کو دینے کا اور نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں بکثرت میں و شکر و بغی (مثل سرقہ و زنا و لواطہ و دیگر بُری باتوں کے) اور مثل ان آیتوں کے قرآن مجید میں بکثرت میں (آئمہ وین نقلی روایتیں اور حدیثیں ہیں) اور میں وہ روایت ہے جو کافی میں اپنی اسناد سے ابو بصیر نے حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ فرمایا حضرت نے جس شخص کا زعم یہ ہے کہ حق تعالیٰ حکم کرتا ہے بُری باتوں کا پس تحقیق کہ اوسنے جھوٹ باندھا خدا پر۔ اور جو یہ گمان کرے کہ خیر کثیر سے سب اوبیکی طرف سے ہے۔ اوسنے جھوٹ باندھا خدا پر (دوسری روایت) اوسکی کافی میں جعفر بن و فطر نے روایت کی ہے انہیں حضرت سے کہ فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ ارشاد کیا جناب سو خدا سے اللہ علیہ والہ وسلم نے کہ جو شخص گمان کرے کہ خدا بد چیزوں کا اور بُری باتوں کا حکم کرتا ہے پس تحقیق کہ اگر جھوٹ باندھا خدا پر اخیر حدیث تک اور جب ان قطعی دلیلوں سے یہ بات ہو گیا کہ حسن و قبح عقلی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ حسن و قبح نے کسی معنی میں نزاع ہے (یعنی معنی ثالث میں) پس ظاہر ہو گیا کہ حسن و قبح عقلی کا قائل ہونا۔ اور پھر یہ کہنا کہ حسن و قبح کو احکام موجب و حرمت وغیرہ کو لازم نہیں ہیں یہ سوائے نفی لوگوں کے اور تو کسی کو لازم نہیں ہے۔ اس لیے کہ معنی حسن و قبح کے جیسا کہ سابق میں معلوم ہوا وہی استحقاق ہے اوس فعل کے کریموالے کو مدح و ثواب کا اور اسکا جدا ہونا معنی موجب یا نذیب سے ممنوع ہے اسواسطے کہ اگر وہ فعل ایسا ہے کہ اوسکے کرنے سے استحقاق مدح و ثواب کا ہوتا ہو اور اوس میں ترک کرنے سے استحقاق مذمت و عقاب کا ہوتا ہو تو وہی تو واجب ہے اور اگر ترک سے اوسکے استحقاق مذمت و عقاب نہ ہو تو وہ فعل مستحب ہو اسی طرح قبح فعل یعنی فعل کا اسطر جبر ہونا جسکے فاعل کو استحقاق مذمت و عقاب کا ہو وہ بغیر اوسکے حرام ہونیکے مقصود ہی نہیں ہو سکتا۔ پس اگر تم کہو کہ ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ معنی حسن و قبح کے جبر میں نزاع ہے وہ یہ ہیں کہ جبکا فاعل مستحق مدح و ثواب کا ہو وہ حسن ہے اور جبکا فاعل مستحق مذمت و عقاب ہو وہ قبح ہے بلکہ مراد تنہا استحقاق مدح ہے حسن میں اور تنہا استحقاق مذمت قبیح میں (بلکہ قید استحقاق ثواب و عقاب کے) یا یہ کہو کہ حسن وہ ہے کہ جو اوسکے حال سے واقف ہو اور اوپر قادر و متکون ہو اوسی اوس فعل کا کرنا ہو سکتا ہے۔ اور قبیح وہ کہ جو اوسکے حال قبح سے قیور ہو اور اوپر قادر و متکون ہو اوسی اوس فعل کا کرنا نچا ہے۔ یا یوں کہو کہ قبیح وہ ہے جسکا کرنے والا مستحق مذمت نظر حکیم میں۔ تو ہم اس تمنا سے قول کے جواب میں کہیں گے کہ ہاں ایسا ہی ہے کہ مدح حسن

ع جواب میں خفیہ

یہی ہے کہ وہ فعل ایسا ہے کہ جبکا کر نیوالا مستحقِ مہ یا مذمت کا ہوتا ہے اور اسی سبب سے افعالِ خدا
 ہی متصفِ حسن و قبح سے ہو سکتے ہیں۔ لیکن جبکہ ایسے فعل کا صادر ہونا اوس بندے سے فرض کریں جو اس پر
 قادر تھا اور اوس کے حسن یا قبح سے ماہر تھا تو ضرور استحقاقِ مہ یا مستلزم ہوگا استحقاقِ ثواب کا اور استحقاقِ
 ذمہ بھی مستلزم ہوگا۔ استحقاقِ عقاب کا اوس بندے کے آقا اور مولے کی طرف جو حکیم علی الاطلاق ہے۔ اس لئے
 کہ جب کوئی غلام کسی فعلِ شنیع و قبیح کا مرتکب ہو جیسے کسی پر ظلم کرے یا کسی کو ناحق قتل کرے تو وہ غلام
 جس طرح جمیع عقلا کے جانب سے مستحقِ مذمت ہوگا اسی طرح اپنے مالک اور آفاکی جانب سے مستحقِ سزا و عقاب کا بھی ہوگا
 اور اسی طرح جب وہ غلام کوئی اچھا کام کرے تو مالک کی طرف سے مستحقِ جزا و ثواب کا ہوگا جس طرح اور لوگوں
 کی جانب سے مستحقِ مہ ہوگا اور دوسرے عنوان اور دوسری وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اس میں کسی طرح
 کا شک و شبہ نہیں ہے کہ جو فعل ایسا ہو کہ اوس کا بھالنا مہد و رح ہو اور ترک اوس کا مذموم ہو حکیم کے نزدیک
 تو ضرور اوس فعل کا واقع ہونا اوس بندے سے حکیم کو مطلوب ہوگا اور اوس کا ترک منہی عنہ اور ممنوع
 ہوگا۔ اور اسی طرح فعلِ قبیح کا ترک اوس کو مطلوب ہوگا اور فعلِ اوس کا ممنوع ہوگا اور منع و وجوب و حرمت کے
 یہی تو ہیں۔ ثواب ظاہر ہو گیا کہ حسن و قبح کے وہ معنی جس میں نزاع عقلی خواہ جس عبارت سے بیان کر دھرو
 مستلزم وجوب یا مذمت کو ہیں۔ پس اگر ایک ان میں سے عقل سے دریافت ہو جائے تو مستقل عقل
 اوسکی حاکم ہوگی اور اوس میں محتاجِ شرع سے سننے کی نہ ہوگی اور خود عقل ہی اوس کے وجوب یا مذمت یا حرمت
 کا حکم کر دے گی مثل عدالت کی (حسن و وجوب کی) اور احسان کی (حسن و مذمت کی) اور ظلم کی (قبح و مذمت
 کی) پس شریعت ان کی موکد ہوگی اور اگر عقل سے ادراک اوس کا نہ ہوا ہو اور وجوب فعل یا مذمت یا حرمت
 شریعت سے معلوم ہو تو یہ شرع سے معلوم ہونا اس کو ظاہر کرے گا کہ حقیقت نفس الامر میں وہ شے
 حسن و قبیح عقلی نہ ہے کہ حکم وجوب و مذمت سے شرع کے وہ شے حسن ہوئی اور حکم حرمت سے قبیح ہوئی۔
 اور اسی جگہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اہل فترت جو اوس زمانہ میں ہو جو بعد ایک نبی کے دوسرے نبی سے
 ظاہر و مبعوث ہونے کے وقت تک ہوتا ہے۔ یا جو اوس زمانے میں تھا جو قبل بعثت جنابِ خاتم
 المرسلین ہے بعد زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) اور وہ شخص جو صبح ۱۱ اور پھار نہیں
 نشو و نما پائی (اور کسی شریعت دینی کے مبعوث ہونے کی خبر اوس تک نہ پہنچی) جب ایسا مرتکب ہو
 افعالِ محرمہ عقلیہ کا (جس کو عقل حرام و قبیح سمجھتی ہے) یا ترک کرے واجبات عقلیہ کا تو وہ
 قی اچھلے مستحقِ عقاب ہوگا یعنی کفر و کفر سے اوس کو عقاب کرے تو قبیح نہیں ہے (کہ اوس نے
 حکامات عقلیہ پر کیوں عمل کیا) لیکن اس استحقاق سے یہ لازم نہیں ہے کہ خدا اوس کو عقاب
 بھی ضرور کرے۔ کیونکہ یہاں پر بہت اسباب ہیں سقوطِ عقاب کے اگرچہ وہ مستحقِ عقاب ہے
 جیسا کہ مخفی نہیں ہے (مثل عفو و مغفرت وغیرہ کے) لیکن اگر ایسا ہو بلکہ وہ شخص ایسا تھا کہ اوس
 ہومات ترک کیا اور واجبات (عقلیہ) کو بجا لاتا رہا اور قصد کرتا رہا اطاعت و امتثالِ مولے کا کہ
 ہو اوس کو عقل سے معلوم ہوا کہ عقل بھی تو ایک حجتِ باطنی خدا کی جانب سے ہے درمیان
 بدن کے اور خدا کے۔ پس اگر ہم قائل ہوئے اس امر کے کہ دنیا ہی فقط دار تکلیف ہے

اور سوا اسکے دار تکلیف نہیں ہے جیسا کہ اکثر علماء کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے تو ہم ضرور قائل ہونگے کہ وہ شخص اہل ثواب و اہل جنت سے ہے۔ اور اگر مقتضائے اعادة ثواب کے موافق امر ہو کہ ان حدیثوں سے نکلتا تھا کہ اہل فترت کو اور اطفال کو تکلیف دیجائیگی آگ میں داخل ہونے کی (جو خاص اونکے لیے مہیا کی جائیگی جو اوسمیں داخل ہوگا وہ نجات پائیگا اور جو انکار کرے گا وہ معصیت میں گرفتار ہوگا) تو پھر حکم کر سکیں گے اوس شخص اہل ثواب و اہل جنت ہونے کا کیونکہ بندہ مستحق جنت نہیں ہوتا کہ بعض امرون کو بجالائے اور بعض کو ترک کرے بسبب ضبط و موافات کے (کہ جو امر ترک کئے وہ ایسے عظیم تھے کہ ان کے مقابل میں وہ فعل جو بجالایا کرتے تھے اور ثواب و ضبط و زائل ہو گیا یا ثواب اوس فعل اور عقاب اوس گناہ کا برابر رہا پس کبھی اسکو مستحق جنت کہہ سکیں) جیسا کہ علم کلام کی کتابوں میں شرح و بسط سے خوب لکھا ہوا ہے اس طرح پر سنا اور حق تحقیق اس مقام کی واضح لکھ و المندہ۔ اور متمسک اشاعرہ کا اور اول کی دلیلین یہ ہیں کہ بندوں کے افعال اضطراری ہیں پس حسن و قبح سے متصف نہ ہون گے پس جو ثانی (افعال اضطراری کا حسن و قبح سے متصف نہ ہونا) یہ تو اجماع اور ضرورت و دہایت عقل سے ثابت ہے۔ اور جز اول (بندوں کے افعال کا اضطراری ہونا) تو اوسکا بیان یہ ہے کہ بندہ کسی کام کے کرنے میں اوسکے ترک پر قادر نہیں ہے پس کرنے پر قادر نہ ہونا ہیے اضطرار ہے اور اگر نہ کرنے پر قادر ہو تو فعل ترک دو نو پر قادر ہو (یعنی اس ضرورت میں فعل اوسکا محتاج مرجع کا ہوگا یا نہیں۔ اگر محتاج مرجع کا نہ ہو تو ترجیح بلا مرجع لازم آئی اور یہ ماطل ہے۔ اور پھر اثبات صانع کا باپ بھی بندہ ہو جائیگا) کیونکہ جب محتاج مرجع کی نہ ہو تو وجود ممکن بلا مرجع حاصل ہوگا اور احتیاج حدوث میں واجب الوجود کی نہ رہے گی) اور اگر احتیاج مرجع کی ہے تو یہ مرجع اگر بندی کی جانب سے تو پھر اس مرجع میں ہم کلام کرینگے کہ یہ مرجع اوس سے کیونکر صادر ہوا (یعنی اس مرجع کے صادر کرنے میں اگر ترک پر قادر نہیں ہے تو اضطرار لازم آیا اور ترک پر قادر ہے اور مرجع کے فعل پر بھی قادر ہے تو ترجیح بلا مرجع لازم ہے) اور وہ ہی پہلو قباحہ لازم آئیگی اور ضرور ہوگا کہ اس مرجع کے لئے مرجع ہو) پس لازم آئیگا تسلسل اور وہ محال ہے۔ یا لازم آئیگی انتہا ایسے مرجع کی طرف جسکا مدد و حصول اس بندہ کی طرف سے نہ ہو اور جبکہ مرجع کا حاصل ہونا بندے کی طرف سے نہ ہو بلکہ اسکے غیر کی طرف سے (خدا کی طرف سے) ہوا تو بندہ کے کام میں مستقل نہ ہونا ثابت ہو گیا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ترک پر بھی اوسکی قادر نہیں ہے کیونکہ جب دونوں پہلو برابر ہوں اور وقت تو ترک کا وقوع ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ جب یہ مرجع ہو جائے کہ شے ممکن کا رجحان جب تک وجوب کے درجے تک نہیں پہنچتا اور وقت وہ ممکن نہیں پایا جاتا (اور ترک یہ بھی ایک فعل ممکن ہے پس جب تک درجہ وجوب تک اسکا رجحان نہ پہنچے گا پایا نہیں جائیگا خصوصاً جبکہ ترک کا مرجع نہ ہو اور فعل کا مرجع موجود ہے۔ پس فعل اس مرجع کے پائے جانے سے یا لازم ہوگا پس اضطراری ہو گیا (کہ اب ترک پر اختیار باقی نہ رہا) یا وہ فعل لازم نہ ہوگا۔ پس صادر ہونا فعل کا اور صادر نہ ہونا دونوں صحیح رہیگا تو پھر وہی تردید اور شکیں جو پہلے

ہوتی ہیں خود کو مین گی۔ اور اسی طرح بحث باقی رہی۔ جواب اس دلیل اخیر کیا (ہم اثنا عشری دوطرح سے
دیتے ہیں ایک نفقہ دوسرا حلی) نفقہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے فعلوں میں بھی یہی اعتراض بعینہ جاری ہوتا
کہ اس کے فعل مرجع کے سبب ہیں یا بلا مرجع اگر بلا مرجع ہیں تو مرجع بلا مرجع لازم آتی ہے اور اگر مرجع کے
سبب ہیں تو بلا لازم ہیں تو اضطراری ہوئے یا لازم نہیں تو پھر مرجع کی ضرورت ہے اور وہی بحث بالکل جاری
ہوگی) پس ضرور ہے کہ اس کے فعل بھی اضطراری ہوئے (اختیاری نہیں) فخر رازی نے اس نفقہ کا جواب دیا
اور فرق نکالا اس طرح کہ بندے کا ارادہ حادث ہے تو وہ محتاج ہے ایک ایسے ارادہ کا جس کو خدا
پیدا کر دے اور بندہ کے ارادے اور اختیار کو اس میں خلل نہیں ہے تاکہ تسلسل لازم نہ آئے جو بندہ
کے ارادوں کو لازم ہے۔ اور ارادہ خدا کا قدیم ہے وہ محتاج دوسرے ارادہ کا نہیں ہے۔ اور
گو یا مراد فخر رازی کا یہ ہے کہ ہم ایک دوسری طرح سے دلیل بیان کرتے ہیں جس پر نقض افعال واجب الوجود
سے وارد نہیں ہوتا۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر فعل بندے کا اس کے اختیار و قدرت سے ہوتا تو بندہ
قادر ہوتا فعل پر اور اس کے ترک پر اس لئے کہ اگر قادر ہوتا ترک پر تو جبر لازم آتا لیکن لازم بعینہ قادر ہونا
فعل و ترک پر باطل ہے اس لئے کہ رجحان فعل کا ترک پر یا موقوف ہے مرجع کے پاس جیسے جانے پر
یا نہیں ہے بنا بر تانی کے لازم آتا ہے رجحان ایک کا دونوں طرفوں سے ممکن کے بلا مرجع کے اور
اور مسدود و بند کرتا ہے باب اثبات صانع کو اور ہو جائے گا وقوع فعل کا بدل ترک سے محض
اتفاق سے بغیر اختیار کے بندے سے۔

اس تقریر کا فخر رازی کے جواب جناب محقق طوسی علیہ الرحمہ نے دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ تقریر کافی
نہیں ہے اس پر پہلے نقض کے دفع کرنے میں اس لئے کہ کہہ سکتے ہیں کہ خداوند عالم اپنے ارادہ قدیم
کے ساتھ اگر ترک پر اس فعل کے ممکن ہوا تو موجب مضطر ہوگا قادر مختار ہوگا (وہ فعل اضطراری ہوگا
اختیاری ہوگا) اور اگر ترک پر قادر رہیگا تو اگر اس کا فعل مرجع پر موقوف ہوا تو پھر ہی لازم آیا
ممكن مرجع کا محتاج نہ تھا۔ اور اگر اس کا فعل بھی مرجع کا محتاج ہوا اور اس مرجع کے پاس جیسے
سے لازم لازم واجب ہو گیا تو وہ فعل اضطراری ہوگا اور لازم واجب ہوا تو پھر وہی تسلسل لازم آیا اور
فرق جو مدلول میں تھے بیان کیا باوجود اشتراک دلیل کے دلیل ہی بتلا دلیل فیما صلا فیما صلا کی یہ کہ تمہارے
امر اس باب میں یہ ہے کہ فرق ہو بندے کے فعل میں اور واجب الوجود کے فعل میں اس طرح کہ بندہ
کا فعل محتاج ہے اور ارادہ حادثہ کا جس کو خدا اس بندہ میں پیدا کر دیتا ہے بخلاف فعل خدا کے کہ وہ
محتاج ہے اس ارادہ واجب الوجود کا جو قدیم ہے اور جس کے نسبت خود اسی ذات واجب الوجود
کی طرف ہے۔ اور یہ فرق اس پر پہلے نقض کو دفع نہیں کرتا اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ ارادہ قدیم جو زید
کے اک زمان معین میں پیدا کرنے سے متعلق ہوا (زید کو فلان زمانے میں پیدا کرے اس کا ارادہ
خدا نے کیا) تو دو حال سے خالی نہیں ہے یا وہ ارادہ خدا کے اختیار سے ہو یا اختیار سے
نہیں ہے بنا بر اول (اگر اختیار سے ہو) تو ضرور ہے کہ کسی مرجع کے سبب سے ہو اور اسی مرجع
پھر اسی مرجع میں گفتگو ہوگی اور اگر وہ ارادہ خدا کے اختیار سے نہیں ہو تو بھی دو حال سے

خالی نہیں ہو یا وہ ارادہ زید کے صادر ہونیکو لازم و واجب کرنا ہے یا نہیں۔ بنا بر شق اول کے مضطر لازم آیا اسلئے کہ پہلے سے فرض کر لیا ہے کہ اس ارادہ میں مضطر و بلا اختیار ہو اور ارادہ کے ساتھ زید کا وجود ہونا ممتنع و محال ہے اور بنا بر شق ثانی کے (جب ارادہ سے زید کا صادر ہونا لازم نہیں ہے) تو ضرور ہے کہ کوئی دوسرا مرجع ہو۔ اور پھر اسی طرح اس مرجع میں بحث ہوگی۔

تو اب ظاہر ہو گیا اس بیان سے کہ جو صاحب مواقف نے رد کلام محقق طوسی رحمہ اللہ میں کہا کہ جو مرجع اس فرق کے جو ارادہ عہد و ارادہ باری تعالیٰ میں ذکر کیا گیا تخصیص مرجع کی طرف ہے ساتھ مرجع حادث کے اس ہمارے قول میں کہ اس کے فعل کی ترجیح محتاج ہے مرجع کی (پس بیان مراد مرجع سے مرجع حادث ہے) تو اب استدلال کی تقریر اس طرح پر ہوگی کہ قادر ہونا عہد کا فعل اور ترک فعل پر اور موقوف ہونا ترجیح کا مرجع پر واجب ہے کہ اس عہد کی طرف سے نہو۔ والّا ہی حادث ہوگا۔ اور پھر دوسرے مرجع کا محتاج ہوگا اور یہ سلسلہ بزمین جاری رہیگا اور تسلسل ہو سکتا پس ضرور ہے کہ مرجع قدیم کی طرف اسکی انتہا ہو جو مرجع قدیم ازل سے متعلق ہو اس فعل حادث سے کہ وقت معین میں پایا جائے اور یہ مرجع قدیم محتاج کسی دوسرے مرجع کا نہیں ہو پس پروردگار عالم اپنے فعل میں مستقل و با اختیار ہوگا اور نقض اس کے فعل پر (مثلاً فعل عہد سے) نہو سکی گی (اس کلام صاحب مواقف کا بعد تو منہج سابق کے) کچھ فائدہ نہیں ہے اسلئے وہی بقیہ نقض اب بھی وارد ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ بعد اس مرجع قدیم کے اگر خدا کو اپنے فعل و ترک پر اختیار نہ تھا تو ضرورت دوسرے مرجع کی ہے اور اگر اس مرجع سے وہ فعل واجب لازم ہو گیا تو خدا مضطر و بلا اختیار اپنے فعل میں ہوا) اسی سبب سے ایک جماعت علماء مخالفین نے بھی اس قول صاحب مواقف کو ضعیف ٹھرایا ہے مثلاً سید شریف و قوشچی وغیرہ کے۔

دوسرا جواب حلی دلیل اشاعرہ سے یہ ہے کہ واجب ہونا فعل کا بسبب داعی و مرجع و ارادہ کے منافی اختیار کے نہیں ہے بلکہ اس اختیار کو ثابت محقق کرتا ہے۔ اور اشارہ اسی طرح کے اور ریکی و چین نکالتے ہیں بہت سی ہمنو اون میں کتاب اساس الاصول میں ذکر کی ہیں اور انکو رد کیا ہے اور جب حقیقت حال معلوم ہوئی (کہ حُسن و قبح اشیاء عقلی ہے اور بندہ اپنے فعل میں مختار ہے) تو ہم کہتے ہیں (بیان میں ان آیتوں کے جن سے اسکے خلاف ظاہر میں معلوم ہوتا ہے) ہو سکتا ہے کہ مراد آیت وَیَا کُنَّا مَعَدّٰیہیں۔ الخ سے یہ ہو کہ ہم عذاب نہیں کرتے (مخالفت سے) ان امور و ان جو سمعی ہیں (اور رسول کے بیان سے معلوم ہوتے ہیں) یا یہ کہا جائے کہ نفی کرنا عذاب کی از راہ تفضل کے موجب عدم حرمت فعل و عدم استحقاق عذاب نہیں ہے یا یہ کہا جائے کہ رسول عام ہو کہ عقل ہو یا نبی ہو۔ حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے ہشام لوگوں پر خدا کی جانب سے دو مجتہدین ہیں ایک ظاہری اور دوسری حجت باطنی۔ حجت ظاہری رسول و نبیا اور امام علیہ السلام ہیں اور حجت باطنی عظیمین ہیں۔ مولانا طبرسی علیہ الرحمہ نے تفسیر مجمع البیان میں اس آیت و ما کُنَّا مَعَدّٰیہیں کے لکھ کر کہ نہیں گرفتار کرتے ہم کسی قوم کو عذاب استیصال میں

کہ بالکل تمام قوم کو دنیا میں عذاب کر کے ہلاک کریں) مگر بعد اعدار و انداز کے کہ اچھی طرح اونکو آگاہ کر دیا جاتا ہے اور نیک و بد سمجھا دیا جاتا ہے اور عذرا و نکاہ برطرف کر دیا جاتا ہے رسولوں کو بھیج کے پس ظاہر اسکا عدل ہے اگرچہ ہو سکتا ہے کہ اولیٰ سے مواخذہ کیا جائے دنیا میں اون باتوں کا جو متعلق ہیں عقل سے پس بنا براسنا و دلیل کے یہ آیت عام ہوگی عقلیات و شرعیات کو (عذاب دنیا سے لے لے) اور اکثر مفسرین لکھا ہے اور یہی سیح ہے۔ مراد آیت سے یہ ہو کہ وہ عذاب نہیں کرتا دنیا میں اور نہ آخرت میں مگر بعد رسول کے بھیجنے کے اور یہ آیت مخصوص ہے اون امور و ان کے سمعی و شرعی میں اور وہ باتیں جو عقل سے ثابت ہوتی ہیں اور حسین عقل حجت ہے اور وہ ایمان لانا ہو خدا پر پس اسکے ترک پر عقاب و عذاب ہو سکتا ہے اگرچہ رسول کو نہ بھیجے اور اس شخص کے نزدیک جو کہتا ہے کہ تکالیف عقلی تکالیف سمعی سے جڑا ہو سکتی ہے علاوہ اسکے انکے محققین کہتے ہیں کہ اگرچہ جائز ہے کہ ایسے شخص عذاب قبل بعثت رسل کیا جائے لیکن حق سبحانہ و تعالیٰ ایسا نہیں کرتا بلکہ نبی ذاتی تفضل و کرم و احسان کے۔ تو اب اس آیت کا یہ حاصل ہوا کہ حق سبحانہ و تعالیٰ کسی پر عذاب نہیں کرتا تا وقتیکہ رسول راہ حق کی ہدایت کرنے میں مبعوث نہ کرے تا حجت خوب ظاہر و آشکار ہو جائے اسلئے کہ جب ذی حق کی طرف دعوت کی اور رسول نبی نے بھی دعوت کی تو وہ مزید ہوا کہ موکد ہو گیا اور جو باتیں بندے پر لازم تھیں اونہیں کوئی شک و شبہ نہ رہ گیا۔ اور اسی کی پروردگار عالم نے آیت میں خبر دی اور یہ امر اس پر دلالت نہیں کرتا کہ اگر وہ رسولوں کو مبعوث نہ کرتا تو عذاب کرنا اچھا نہ ہوتا اگر وہ لوگ عقلی فتیحوں کو بجالاتے مگر مان بعثت رسول کو اگر ہم لطف فرض کریں اور اسوقت میں عذاب اوسکی جانب سے اچھا نہ ہوتا و قتیکہ وہ لطف کو جو اس شخص کے لیے ہو مستوجہ نہ کرے تا کہ اوس پر اپنی حجت اس لطف سے تمام کرے۔ تمام ہوا کلام مولانا طبرسی علیہ الرحمۃ اور اس کلام میں بعض بعض محل بحث و کلام ہے۔ لیکن اکثر اسکا مطابق حق و مقدر بالاصواب ہے اب رہی آیت و اوکنا اهلکنا ہم بعد اب من قبلہ الخ پس ضرور ہے کہ یہ آیت کیجائے واجبات سمعیہ و مخدرات غیر عقلیہ برتا کہ مطابق ہو جائے براہین قطعیہ کے۔ اور ہدایت و قول حق تعالیٰ۔ و ما اهلکنا من قریۃ الخ پس یہ تو صاف دلالت کر رہی ہے عدم وقوع عذاب پر اور یہ منافی استحقاق عقاب نہیں ہے اور علاوہ اسکے اس آیت کا حمل کرنا اس پر اولیٰ ہی کہ انکو ہلاک نہیں کیا بسبب ترک کرنے مقتضائے اوس امر سمعیہ کے۔ اور یہ آیت و لو لا ان تصیبه مصیبة ہما قدمت ایدیم الخ پس حال اسکا مثل آیات سابقہ کے ہے۔ اور اسی سیح سے یہ قول حق تعالیٰ ہے۔ و ما کان ربک مہلک القرۃ الخ اور یہ قول حق تعالیٰ۔ ذالک ان لم یکن ربک مہلک القرۃ الخ۔ اسکی تفسیر میں مولانا طبرسی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ جو حق تعالیٰ نے کیا یہ اپنی حجت ظاہر کرنے کے لئے تھا نہ اس سبب سے کہ یہ واجب تھا اسلئے کہ جو ظلم و ظنون نے کیا اوسکے سبب سے۔ مستحق عذاب ضرور ہو گئے تھے۔ تمام ہوا کلام مولانا طبرسی علیہ الرحمۃ۔ اب رہن وہ حدیث جو مسائل میں اس بات پر کہ اہل فترت (جو زمانہ رسول ظاہری میں یا قبل

بیت رسول خدا تھے گو برز قیامت تکلیف دیجائے گی کہ وہ داخل آتش ہوں۔ بنا اس کی اتمام محبت ہو
اونپر اوامر و نواہی شرعیہ فرعیہ میں جو عقل سے دریافت نہیں ہو سکتے کہ اونکا امتثال وہ کرتے، میں
یا نہیں۔ نہ یہ کہ اہل فرت غیر مکلفین تھے۔ اصول دین کے اور ان فروع دین کے جنکا حسن و قبح عقل یا
الاستقلال دریافت کر سکتے جیسا کہ مدعی بھی ہے۔ اور یہ قول حضرت کا کلشی مطلق حتیٰ یرد فیہ النہی
(پھر شو جائز ہے جب تک اس کے بارے میں نہی وارد ہو) تو مراد شے سے وہ شے سے جسکی جہت
عقل سے نہ معلوم ہو یقیناً و قطعاً (نہ وہ کہ جسکی قیامت دریافت ہو جائے) اسلئے کہ حتماً و جزاً ما حکیم
علیم امثال ظلم و زنا حق قتل کو جائز نہیں رکھگا۔ اور وہ اس کے ہے یہ قول حضرت کا ما حجت اللہ
عن الہیاد فھو موضوع عنہم رحمت سے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں سے پوشیدہ رکھا ہو
اوسکا مواخذہ اون سے اٹھایا گیا ہے) یہ ضرور اسکا اشعار کرنا ہے کہ جسکو خداوند عالم نے اپنے
بندوں سے پوشیدہ نہیں رکھا (بلکہ ظاہر کر دیا) اس طرح پر کہ دلیل عقلی یا سمعی اوسکی قیامت پر قائم کر دیا
اوسکا مواخذہ بندوں سے نہیں اٹھایا گیا۔ اور بہت سے آیتیں اور روایتیں اس پر دلائل کر رہی ہیں
کہ استحقاق عذاب کا ہوگا اون باتوں کے کرنے سے جو عقلاً قبیح ہیں اگرچہ زمانہ فرت میں ہو۔ اونہیں سے
یہ قول حق تسلیم و اذلولو دہ مسئلت باقی ذنب قتلت (جب مودہ (جوڑ کے زندہ دفن کر دے
گئے) دریافت کیا جائیگا کہ کس سبب سے مراد لے گئے) یہ قول باری تعالیٰ۔ قل خمس الذین قتلوا
اولادھم سفہاء بغیر علم و حرموا ما د ذقہم افتراء علی اللہ قل ضلوا و ما کا لوا مہتدا
ضرور گھاٹا اٹھایا اون لوگوں نے جنھوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بلا بھیجا مار ڈالا اور حرام کر لیا
(اوس) روز می کو (جو خدا نے اونہیں دی تھی) افترا باندھ کے خدا پر ضرور وہ ہٹک گئے اور راہ
راست پر چلنے والوں میں سے وہ نہیں ہیں) جناب مولانا طبرسی نے لکھا ہے کہ عرب کا دستور تھا
کہ وہ اپنی لڑکیوں کو بخیاں ضیق معاش مار ڈالتے تھے۔ اور علامہ مخشرمی نے لکھا ہے کہ جب کسی
شخص کیان لڑکی پیدا ہوتی تھی اور وہ اوسکا زندہ رکھنا چاہتا تھا تو اوسکو بالوں کا جٹہ بنانا تھا
اور اونٹ گائے بکریاں اوس سے جنگل میں چرواتا تھا۔ اور اگر اوسکا مار ڈالنا منظور ہوتا تھا تو اوسکو
رہنے دیتا تھا جب وہ لڑکی چھ برس کی ہوتی تھی تو اوسکی ماں سے کہتا کہ اسکو نہلا دھولا کر کے اچھی
کپڑے پہنا اور خوشبو لگا کے خوب آرستہ کر اوسکے بعد اوس لڑکی کو اپنے ساتھ اپنے صحرا میں لیجاتا تھا
اور اس جنگل میں ایک کنواں کھودتا تھا اور اوس کنوئن پر اوسی لیجا کر کہتا کہ اسمین دیکھ وہ جب اوسمیں جھانکتی
تھی تو اوسکو کنوئن میں ڈھکسل کے اوس کنوئن کو پاٹ دیتا تھا اور زمین برابر کر دیتا تھا اور بعض نے
لکھا ہے کہ جب حاملہ کا زمانہ وضع حمل قریب ہوتا تھا تو ایک گڑھا کھودا جاتا تھا اور وہی مقام وضع حمل
قرار پاتا تھا اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اوسکو اوس گڑھے میں ڈال دیتے تھے اور اگر لڑکا پیدا ہوتا تھا
تو اوسکو سنبال کے روک لیتے تھے (کہ گڑھے میں نہ گرنے جانا تھا) جناب سید مرتضیٰ علم الہدی علیہ الرحمۃ
کتاب الدنور میں فرمایا کہ مجھو خبر دی مرزبانی نے اونھوں نے کہا مجھ سے بیان کیا مجھ کی بن صولی نے
کہ مجھ سے کہا محمد بن ذکریا علانی نے اور اون سے عباس بن کبارضی نے اور اون سے ابو بکر عذلی

اور رسولی کہتے ہیں کہ مجھے قاسم بن اسماعیل نے روایت کی ابو عثمان مازنی سے اور اونہون نے ابو عبیدہ سے۔ کہا اوسے کہ صاحبہ بن ناجیہ جد فرزدق ثاقبہ بن میثم کے ساتھ حاضر خدمت جناب رسالت تابت ہوا۔ اور ایام جاہلیت میں مصعبہ و مدیہ سے (زمانہ لڑکے کو دفن کرنے سے) منع کیا کرتا تھا۔ بنی تمیم کو زندہ لڑکیاں دفن نہ کرنے دیتا تھا۔ اور وہ اسپر قادر تھا۔ پھر جب زمانہ اسلام آیا۔ اور اوسکا فدیہ دیا گیا بعض روایات میں چار سو لڑکیوں کا فدیہ دیا گیا اور بعض میں ہے کہ تین سو کا فدیہ دیا تو مصعبہ جب حاضر خدمت ہوا عرض کرنے لگا کہ یا حضرت مجھ کو کچھ وصیت و نصیحت فرمائیے جناب رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ارشاد فرمایا کہ میں تجھ کو وصیت و نصیحت کرتا ہوں تنہا ہی ان اور باپ اور بہن اور بھائی اور تمہارے قرابت داروں کے لیے (کہ اوسے حسن سلوک و نیکی کرے) اوسے عرض کیا کہ اور زیادہ ارشاد فرمائیے حضرت نے ارشاد فرمایا۔ کہ وہ کیا بات تھی جو میں نے تمہارے بارے میں سنی ہے۔ اوسے عرض کیا یا حضرت میں لوگوں کو دیکھتا تھا کہ اچھی بات نہ کرتے تھے۔ اور کچھ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ٹھیک بات کیا ہے۔ مگر میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ لوگ ٹھیک راہ پر نہیں ہیں۔ میں انکو دیکھتا تھا کہ یہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرتے ہیں۔ تو میں سمجھا کہ یہ تو ضرور ہے کہ انکے پروردگار نے انکو اسکا حکم نہیں کیا ہے۔ تو میں نے پھر انکو نہیں چھوڑا کہ یہ ایسا کریں۔ اور جہاں تک مجھے ممکن ہوا کفارہ اور فدیہ دیا۔ اور مجمع البیان میں لکھا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ قیس بن عاصم بھی خدمت جناب رسالت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ میں نے ایام جاہلیت میں آٹھ لڑکیوں کو زندہ دفن کیا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہر ایک کفارہ و عوض میں ایک غلام آزاد کر۔ بیٹے عرض کیا کہ میرے پاس اونٹ ہیں۔ ہر ایک لڑکی کے عوض ایک ایک اونٹ جسکو چاہیں حضرت عطا کر دیں۔ تمام کلام جناب سید مرتضیٰ رد۔

پس یہ سب باتیں دلالت کر رہی ہیں کہ انسان سے عقلی قبیح چیزوں کے کرنے کا مواخذہ ہو گا اگرچہ وہ لوگ زمانہ فترت و جاہلیت میں ہوں یا اُن تک بعثت نبی کی خبر نہ پہنچی ہو اور یہ دلالت کرتے ہیں حسن و قبح اشیا پر (زمانہ فترت میں بھی کہ حسن و قبح انکا عقلی ہے) اور اونہیں دلیلوں سے یہ قول حق تعالیٰ اللہ ترکیف فعل ربک باصحاب الغیل (کیا تھے نہیں دیکھا کہ اصحاب فیل کے ساتھ تمہارے پروردگار عالم نے کیا کیا) پس یہ سورہ جمین حال اونکے ہلاک کرنے کا زمان فترت میں بیان ہوا ہے۔ بہت بڑی دلیل ہے اسکی کہ لوگ ایام فترت و زمانہ جاہلیت میں بھی مکلف تھے۔ اور امور محرّمہ کے ارتکاب سے مستحق عقاب ہوتے تھے۔ اور یہ قصہ مجمع البحرین میں لکھا ہے اور اور کتابوں میں بھی مذکور ہے یہ ہمارے مطلوب کا کئی طرح سے مؤید ہے اگر حروف طول کا نمونہ تو ہم ذکر کر دیتے جو چاہے اسکی طرف رجوع کرے۔ پس اگر یہ کہو کہ شاید نزول اصحاب فیل پر اس سبب سے ہوا ہو کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حق کی طرف دعوت کرنا اور انکا دعوائے نبوت سن چکے ہوں۔ تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ یہ تمہارے مقصود کے خلاف ہے اسلئے کہ مطلوب مگویہ کہ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولاً کا اور اسکے مثل اور آیتیں اور وہ روایتیں جن سے نکلتا ہے کہ روز قیامت اہل فترت کو آگ میں داخل ہونکی تکلیف دی جائے گی ان سب کا مقتضایہ ہے کہ اہل فترت پر بالکل عذاب نہ کیا جائے۔ اور بیان پرستہ عذاب کو تسلیم کر لیا اگرچہ عذاب کرنے کی حیثیت تمہارے نزدیک اور ہے اور ہمارے نزدیک اور ہے (مگر تم تو پہلے بالکل عذاب کا انکار کرتے تھے والا اس بنا پر کہی ایسا زمانہ نکلتے ہی گانہیں کیونکہ

حضرت آدم ابوالبشر بنی تھے اور احکام خدا بیان کر چکے تھے اور ان کے وجود کا سبب کو اقرار ہے پس زمانہ جاہلیت جسکے قبل نبی نہوا جو کون نکلیگا اور کسکے بارے میں عدم تعذیب کو کہتے ہو علاوہ اسکے ہم کہتے ہیں کہ ابن حجر کی نے اس بخارے احتمال کی رد میں کہا کہ یہ احتمال بہت بعید ہے۔ اسلیے کہ اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیم اور جواد اسکے بعد ہوئے وہ عرب کے لیے رسول نہیں مقرر ہوئے تھے۔ اور رسالت حضرت اسماعیل اور نکی موت سے ختم ہو چکے تھے۔ کیونکہ سوائے ہمارے نبی علی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کسی کی نبوت جو عام ہو حالت حیات و موت میں معلوم نہیں ہوتی۔ تمام ہوا کلام ابن حجر کی۔ اور یہ بھی ہے کہ ذکر قصہ اصحاب فیل سے مقصود انہماک تعذیب اہل فترت ہے فی الجملہ تاکہ ظاہر ہو جائے کہ وہ آیتیں اور وہ روایتیں جن سے عدم تعذیب اہل فترت نکلتا ہے اور انکے ظاہر پر حمل کرنا ممکن نہیں ہے۔ اور اسبق قدر بہ کو مخالفت کی دلیل توڑ نیکیے لیے کافی ہے۔ اگرچہ ہمارے پورے مقصود کے لیے کافی نہ ہو۔

پس اگر کوئی کہے کہ کیوں نہیں جائز ہے کہ عذاب کرنا اصحاب فیل وغیرہ کا مخصوص او نہیں کے ہو۔ اور بنا اسکی کوئی امر ہو جسکو ہم نہیں جانتے خدا کے نزدیک کوئی وجہ ہو جیسا کہ ابن حجر کی بھی اسکی طرف لکھا ہے۔ کیونکہ اوسنے کہا ہے کہ وہ لوگ جبکہ معذب ہونا صحیح ہے باوجودیکہ وہ اہل فترت سے یہ نقص مذکور اشاعرہ و اہل کلام و اصول و فقہاء شافعیہ پر نہیں ہو سکتا کہ وہ قائل ہیں عدم تعذیب اہل فترت کے۔ اور سبب اسکا یہ ہے کہ ہم دیکھتے اور نظر کرتے اوس لڑکے بچہ کی حالت میں جسکو حضرت خضر علی نبینا و آلہ علیہ السلام نے قتل کیا اور اوسکے کفر کا حکم کیا باوجودیکہ وہ بچہ تھا۔ اور اسکی وجہ خدا ہی کو معلوم تھی۔ اسی طرح یہ لوگ (اصحاب فیل وغیرہ) ہیں کہ انکے کفر کا حکم مخصوص ہے اگرچہ انکو خبر نبشت نہیں ہو چکی بسبب کسی وجہ جسکو خدا جانتا ہے اور اوسکا رسول پہچانتا ہے۔ پس ان لوگوں کے عذاب سے اعتراض و نقص نہ وارد ہوگا اوس امر پر جو حاصل ہوا ہے آیت سے اور جس پر یہ پیشوا (اہلسنت) چل رہے ہیں کہ اہل فترت پر عذاب نہ کیا جائیگا۔ پر ابن حجر کی نے جسکا حاصل یہ ہے۔ کہ وہ خبر جسکو ہم نے جواب میں ذکر کیا حدیث مسلم کے (کہ جو شخص مر جائے زمانہ فترت میں جسپر عرب تھے بہت پرستی کرتا ہوا وہ آتش جہنم میں داخل ہوگا) اولی ہے اس جواب سے کہ حدیث خبر واحد ہے معارض نہیں ہو سکتی اور اسکی جو قلعی ہے کہ اہل فترت پر عذاب نہ ہوگا۔ یا یہ جواب کہ عذاب جسکا ذکر حدیث میں ہوا یہ مخصوص ہے فقط اون لوگوں کے لیے جنہوں نے ایسا تبدیل و تغیر دین میں کیا جو قابل عذر نہیں ہے جیسے عبادت بتوں کی اور تغیر دینا شریعتوں کا۔ اور گویا کہ اسکا قائل اون لوگوں میں سے ہے جسکی رائے یہ ہے کہ وجوب ایمان کا عقل سے ثابت ہے۔ حالانکہ اکثر اہل سنت و جماعت کا وہ قول ہے کہ نہ توحید اور نہ اوسکا غیر کوئی ہی واجب نہیں ہے مگر ابی رسول کے بیچنے کے اون لوگوں کی طرف۔ اور یہ مقرر ہے کہ اہل عرب کی طرف بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کوئی رسول نہیں بھیجا گیا اور انکی رسالت اوسکے انتقال کے بعد ختم ہو گئے۔ پس کوئی فرق نہیں ہو خواہ تبدیل و تغیر کیا ہو اوسنے یا نہ کیا ہو۔ سوائے اون لوگوں کے جسکا عذاب صحیح و ثابت ہو پس اس عذاب کا انحصار و اقتضایہ او نہیں کے واسطے ہوگا اور انکا قیاس دوسروں کے لیے

نہ کیا جائیگا کیونکہ بیان پر قیاس جائز نہیں ہے تمام ہوا کلام ابن حجر مکی۔ اسکے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ فلا
ظاہر کے ہے کیونکہ ہننے صاف و واضح دلائل سے ثابت کر دیا کہ اہل فترت پر فی الجملہ عذاب کی تجویز
ہو سکتی ہے اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ وہ فی الجملہ مکلف بھی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں ہے کہ عذاب کا واقعہ
ہونا ظاہر اسکا یہ ہے کہ جن پر عذاب ہوا وہ مستحق عذاب تھے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ غیر مکلف مستحق
عذاب نہیں ہے۔ علاوہ اسکے یہ ہے کہ وہ دلیلیں جن پر اس قول کا اعتماد ہے اس سے جدا ہیں یہ تو
اوسکی مؤید ہے تاہم میں اسکو ہننے ذکر کیا ہے۔ اور قتل اوس لڑکے کا تو ممکن ہے کہ اس سبب سے
ہو کہ ہننے ثابت کر دیا ہے کہ متمیز مکلف ہے ایمان لانے کا اور اس میں نظر ہے۔ (یعنی وہاں ثابت ہوا تھا کہ
ایمان اوسکا اگرچہ صحیح ہے اور ثواب اوسکو ملیگا لیکن عدم ایمان سے عذاب نہ ہوگا تا بلوغ و کمال
عقل اور یہاں عذاب و قتل کا ذکر ہے) اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ لڑکا بالغ ہو کہ لفظ غلام کا اطلاق بالغ
پر ہے آیا ہے جیسا کہ مجمع البحرین میں لکھا ہے۔ اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیں کہ وہ بالغ نہ تھا اور متمیز بھی نہ تھا
پس فارق اس مقام پر موجود ہے۔ اس لیے کہ عدم تکلیف غیر عاقل کی قطعی ہے۔ بخلاف اہل فترت
پس تکلیف اُنکی عقلیات میں قطعی ہے نہ عدم تکلیف جیسا کہ ہننے سابق میں خوب واضح طور سے
بیان کر دیا پس اس مقام میں حمل کرنا خصوصیت خاصہ پر ضروری ہے نہ اوس مقام پر (تکلیف
اہل فترت اور اُنکے استحقاق عذاب میں) اور تعجب ہے حال پر محمد امین استرآبادی کے کہ علماء
محدثین پر توطن و تشیع کرتے ہیں کہ یہ تابع ہیں علماء عامہ کے استنباط احکام شرعیہ میں قواعد و اصول فقہ
اور مخالفت کی تمام علماء امامیہ کی اور متابعت کی مذہب حنفیہ کی اس سلسلہ میں کہ حسن و قبح وجوب و حرمت
مستلزم نہیں ہے۔ اور پر وہی کی تمام اہلسنت کی اس بات میں کہ اہل فترت غیر مکلف ہیں معارف و احکام عقلی میں
اور جبکہ ساتھ گرفت کی ہے جو دلیل اوسکی اپنے نزدیک ٹھہرائی ہے۔ وہ نہایت ضعیف و سست ہے۔
اور یہ بات کسی فکی پر مخفی نہیں ہے فوائد مدنیہ (جو کتاب تصنیف محمد امین استرآبادی ہے) جو چاہے
اوسکو دیکھ لے۔

اور ہمارے مطلوب پر یہ بھی قول پروردگار عالم دلالت کرتا ہے۔ ان الله لا يعفران يشركا و يفقر ملاون
ذلك لمن يشاء ومن يشرك بالله فقد افترى اثما عظيما (ضرور ہے کہ خدا شرک کو نہ بخشے گا اور اس کے
سوا بخشد گی جسکو چاہے گا۔ اور جس شخص نے شرک کیا خدا کے ساتھ اُسے گناہ کا عظیم افتر کیا) اور یہ قول
حققا ومن يشرك بالله فقد ضل ضللا بعيدا (جنے خدا کے ساتھ شرک کیا وہ ضرور بضرور بہت دور
گمراہی و ضلالت میں جا پڑا) اور یہ قول پروردگار و ليقول يا ليتني لم اشرك بالله برى احد ا (اور شرک
کے گا کہ کاشکے میں اپنے پروردگار کا کسی کو شریک نہ ٹھہراتا) اور قول حق تعالیٰ
ومن يدع مع الله الها اخر لا برهان له به فانما حسابه عند ربه انه لا يفلح الكافرون
اور جو شخص کہ پکارتا ہے خدا سے برحق کے ساتھ اور خدا کو جسکی اوسکے لیے کوئے دلیل نہیں ہے۔
اوسکا محاسبہ اوسکے پروردگار ہی کے نزدیک ہوگا۔ اور یہ ضرور ہے کہ خدا کا فرون کو فلاح نہیگا
اور مثل انہیں آیتوں کے اور آیتیں ہیں کہ یہ شامل ہیں تمام کافرون اور شرکون کو خواہ وہ زمان فترت

میں ہوں یا اوسکے بعد۔ اور ہمارے مطلب پر یہ بھی قول حق تعالیٰ دلالت کرتا ہے هو الذی بعث فی الامین رسولا منهم یتلوا علیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ و انکالوا من قبلہم لفی ضلال مبین (وہی وہ خدا ہے جسے ان پر ہوں میں اور انہیں میں سے رسول مبعوث کیے جو ان پر اوسکے آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور ان کو پاکیزہ کرتے ہیں اور ان کو تعلیم کرتے ہیں کتاب و حکمت کو اگرچہ وہ اسکے پہلے ظاہر نظر آ رہا ہی میں پڑے ہوئے تھے) پس اگر اہل فترت کو ہم مکلف نہ فرض کریں تو ضرور یہ صحیح ہوگا کہ ان کو کہا جائے کہ گمراہی میں پڑے تھے (اس لیے کہ جب وہ مکلف نہ تھے اور ان کو کسی چیز کا حکم نہ تھا تو گمراہی کیسی) اور یہ بھی قول حق تعالیٰ ہماری دلیل ہے وقالوا ہذا الغام و حرث حجر لا یطعمہا الا من نشاء بزعمہم والغام حرمت ظہورہ والغام لا یدکرون اسم اللہ علیہا اقتراع علیہ سیخ لیحد بامکانہم یفترون وقالوا ما فی بطون ہذا الا غام خالصہ لذنکورنا و محرم علی ازواجنا وان یکن میتۃ فہم فیہ شرکاسیخ لہم و صفہ انہ حکیم علیم (اور کہتے ہیں وہ کہ یہ الغام جو پائے اور حرث کھیتان ممنوع و متروک و محفوظ ہیں نہ طعام پائے کا اسکا گروہ شخص جو ہم چاہیں اپنے گمان میں۔ اور الغام (جو پائے) حرام کیے گئے ہیں پسین اونکی اور جو پائے جیسے وہ ذکر خدا نہیں کرتے خدا پر افترا کر کے فریب دے کہ خدا ان کو منراوے اوسکی جو وہ افترا کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جو ان الغام کے شکم میں ہے وہ ہمارے مردوں کے لیے خاص خالص ہے اور ہماری عورتوں اور ازواج کے لیے حرام ہے۔ اور اگر متیہ ہو تو پھر وہ اوسمیں شرکاب ہیں قریب ہے کہ خدا ان باتوں کی اونکو نراوے اور وہ حکیم علیم ہے) پس یہ قول حق تعالیٰ دلالت کرتا ہے کہ جو شخص اس طرح کہے وہ اپنے لیے قول پر مستحق عقاب ہوگا اور اوسپر عذاب ہوگا۔ بلکہ یہ بہت ظاہر ہے کہ جو لوگ اس طرح کا بہتان اور افترا و طوفان خدا پر باندھتے تھے وہ زبان فترت ہے میں بہت تھے۔ اور یہ قول حق تعالیٰ ہے ولکن متعتہم واباءو ہم حتی نسوا الذکر و کالوا قوم ابیرا (بہنے اونکو اور ان کے ابا و اجداد کو عیش و آرام دیا بیان تاک کہ وہ ہمارا) ذکر بھول گئے (اپنے عیش و آرام میں بھول گئے) اور ہو گئے وہ قوم ہالک (حوالہ مالک) اور قول پروردگار عالم ہے انما المشرکون نجس (سوائے اسکے نہیں ہے کہ جو مشرک (و کافر ہے وہ) نجس (العین جبکہ باطن و ظاہر غیر ظاہر ہے) اور ہمارے قول پر یہ امر دلالت کرتا ہے کہ تمام علمائے امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہوا ہے کہ کوئی شخص ابا و اجداد رسول خدا و آئمہ ہدایہ علیہم الصلوٰۃ والسلام والنجیۃ والثناء سے مشرک و کافر نہ تھا۔ اور ہمیشہ اونکے انوار طیبہ اصلاب طاہرہ و ارحام مطہرہ میں رہے یعنی اصلاب و ارحام موحدین میں نہ کافر و مشرکین میں پس اگر اہل زمان و فترت مکلف ٹھہرائے نہ جاتے تو زمانہ فترت کے مشرکین حکم نجاست نہ پاتے۔ اور وہ بھی ہماری دلیل دعوایہ ہے جو کچھ مولانا بطرس رہائے فرمایا ہے۔ ہمارے علمائے اس قول سے حضرت ابراہیمؑ کے سربنا اعظمؑ کو والدی (خداوند امیری مسفرت کر اور میرے مان اور باپ کی) استدلال کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والدین کافر نہ تھے اس لیے کہ یہ ضرور

و قاتل ابھود و انصار ی نخین انباء اللہ و احبائہ قتل علیہم السلام و انہم یومرون انصارہ بکفر۔ ہر خبر کے لیے اور اوسکے دوست ہیں کہ (ای پیکر)

جہانگیر جہانگیر من قبح اشیاء من اور زمانہ فترت کی تکلیف

کہ انکے لیے روز قیامت مغفرت کا سوال کیا۔ پس اگر وہ دونوں کافر ہوتے تو حضرت ابراہیم خدا سے ہرگز یہ سوال نہ کرتے تمام ہوا کلام مولانا طبرسی رہ۔

پس یہ استدلال جہی صحیح ہو سکتی ہے کہ جب مشرکین اہل فرت معفو و قابل عفو نہ ہوں (کیونکہ جب قابل عفو نہ ہوں تو سوال عبت و قبیح ہوگا اور عبت و قبیح بنی سے سرزد نہیں ہوتا پس جب اسکو مان لیا جائے کہ مشرکین اہل فرت قابل عفو نہیں ہیں تو دعائے حضرت ابراہیم ضرور ایمان ابوبین پر دلالت کرے گی۔ تو اب یہ لازم و ملزوم کی صورت میں ہوئی۔ پس دعائے حضرت ابراہیم سے ایمان پر انکے والدین کے جن علمائے استدلال کی ہے اسکا لازم یہ ہوا کہ مشرکین اہل فرت معفو نہیں ہیں اور مستحق عقاب ہیں پس یہ استدلال انکا دلیل مطلوب ہوا۔

اور یہ بھی ہماری دلیل ہے جو کافی میں اپنے اسناد سے حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا حضرت نے کہ کچھ لوگ خدمت بابرکت حضرت رسالت میں بعد اسلام لانے کے حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو باتیں ہم نے ایمان جاہلیت میں کی ہیں کیا اونکا مواخذہ بھی بعد معرفت و اسلام حاصل کرنے کے ہوگا۔ جناب رسالت نے ارشاد فرمایا کہ جو اچھی طرح اسلام لایا ہے جسکو صحیح یقین اپنے ایمان کا ہے اوس سے اون باتوں کا جو زمان جاہلیت میں کین حق تعالیٰ مواخذہ نہ کرے گا۔ اور جو اچھی طرح اسلام نہیں لایا اور صحیح یقین اپنے ایمان کا نہیں رکھتا اوسکے پہلے اور پچھلے سب باتوں کا مواخذہ خدا کرے گا۔

اور یہ بھی کافی میں ہے فضل بن عیاض سے وہ کہتے ہیں نے سوال کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ جو شخص اچھی طرح اسلام قبول کرے کیا اوس سے مواخذہ ہوگا اون اعمال کا جو زمانہ جاہلیت میں کیے ہوں حضرت نے جواب دیا کہ فرمایا ہے جناب رسول خدا نے جو اچھی طرح اسلام قبول کرے حقا اوس سے اون باتوں کا مواخذہ نہ کرے گا جو زمان جاہلیت میں ہوئیں اور جسکا اسلام لانا بری طرح ہو (درست اسلام نہ ہو) اوس سے اگلی اور پچھلی سب باتوں کا مواخذہ ہوگا۔ اور اس طرح کی آیتیں اور حدیثیں بہت کثرت سے ہیں۔ اور جو قول ہم نے اختیار کیا اوسکی تائید کرتی ہے وہ تحریر جسکو جناب سید علی بن طاووس نے کتاب الفیصل میں ذکر کیا ہے کہ ایک شخص کا گذر ہوا ایک مرد نابینا و ایاہج کی طرف سے اوسنے (کسی سے کہا کہ) یہ خدا سے دعائیں کرتا اپنی صحت و عافیت کی بعض نے اوسکے جواب میں کہا کہ تم اسکو جانتے ہو یہ کون ہے۔ یہ وہ ہے کہ برقی کی بددعا سے اس آفت و بلا میں مبتلا ہے۔ اور برقی کا نام عیاض بھی تھا۔ اوس پہلے شخص نے کہا کہ عیاض کو میرے پاس بلا لاؤ۔ عیاض کو بلایا اور اوس سے کہا کہ حکایت و قصہ بنی الضیعا (ایک قبیلہ تھا) کی بیان کر۔ عیاض نے کہا کہ وہ قصہ یام جاہلیت کا ہی میں نہیں جانتا کہ اب اسلام کی حالت میں بیان کروں۔ شخص اول نے کہا نہیں تجھ کو لائق ہے کہ بیان کر۔ عیاض نے کہا کہ بنی الضیعا دس آدمی تھے اور اونکی بہن میرے تحت میں تھی اون لوگوں نے چاہا کہ اوسکو مجھ سے جدا کر لیں میں نے اوسکو خدا کی اور اپنے حق قرابت و رحم کی قسمیں دلوائیں (مجھے جدا نہ کرو) اونہوں نے نہ مانا اور مجھ سے جدا کر لیا۔ میں نے ماہ رجب کا جسکو خدا نے محترم کیا ہے انتظار کیا جب ماہ رجب داخل ہوا تو میں

خدا سے دعا کی بار بار الہامین تجھے دعا کرتا ہوں کہ بنی النضیب میں سب کو ہلاک کر ایک شخص کو امداد پانچ ماہ تک۔ پس سب ہلاک ہو گئے مگر شخص بانی ہے۔ شخص اول نے کہا کہ سچے سچے سوائے ایسی بات عجیب و غریب کہی نہیں سنی۔ یہ سنکر اونہیں ایک اور شخص نے کہا کہ کہیے تو اس سے زیادہ عجیب بات میں بیان کر دوں۔ شخص اول نے کہا بیان کر کہ سب آدمی سنیں۔ اور کہہ کہ میں ایک قبیلہ عرب میں تھا وہ سب کے سب اتفاق سے مر گئے میرے سوا اور کوئی اس مقام پر نہ تھا میں نے اون سب کا مال میرا پایا۔ میں اس مقام کو چھوڑ کر ایک دوسری جگہ دوسرے عرب کے قبیلہ میں چلو لوگ بنی مؤمل کہتے تھے جابا اور وہاں رہنے لگا۔ بہت زمانہ بکت میں وہاں رہا۔ پھر اون لوگوں نے چاہا کہ سب مال میرا مجھے چھین لیں میں نے اونکو خدا کی قسم دلائی مگر اونہوں نے نہ مانا اور بغیر میرا مال چھیننے نہ رہے۔ اونہیں ایک شخص تھا اس کا نام رباح تھا اس نے اونکو بھجایا کہ اے بنی مؤمل یہ شخص تمہارا عسائیہ یہ تمہاری پناہ میں آیا تمکو نہ چاہیے کہ اس کا مال چھینو۔ اونہوں نے ایک نہ مانا میرا مال چھین لیا میں نے ماہ مبارک رجب کا انتظار کیا۔ جب ماہ رجب آیا تو میں نے خدا سے دعا کی کہ بار الہا بنی مؤمل نے مجھ سے بہت شقاوت و منادات کے بڑے ظلم کیے انکے سردن کو پتھر سے کچل دے یا کسی لشکر سے انہیں خست و نابود کر دے مگر رباح کہہ او سے کچھ نہیں کیا اسکو بچا لے۔ اتفاقاً وہ لوگ سب کے سب ایک پہاڑ کی طرف جا رہے تھے کہ پہاڑ اون پر بہت بڑا اور وہ سب کچل گئے مگر رباح بچ گیا اسکو خدا نے زندہ رکھا۔ شخص اول نے کہا کہ میں نے آجکی طرح کہی ایسی عجیب بات نہیں سنی تھی۔ یہ سنکر تیسرے شخص نے کہا۔ اگر کہیے تو میں ایک بات اس سے بھی زیادہ عجیب سناؤں۔ شخص اول نے کہا بیان کرتا کہ سب لوگ سنیں۔ اس تیسرے شخص نے کہا کہ میرے باپ اور چچا نے اپنے باپ کی میراث پائی۔ میرے چچا نے جو کچھ اسکو ملا تھا بہت جلد صرف کر ڈالا۔ میرا مال بانی رہا۔ میرے چچا کے لڑکوں نے چاہا کہ میرا مال مجھے چھین لیں میں نے اونکو خدا کی اور اپنے حق قرابت و رحم کی قسمیں دیں اونہوں نے کچھ نہ مانا اور میرا مال چھین لیا۔ میں انتظار میں رہا جب ماہ رجب المرجب داخل ہوا میں نے خدا سے دعا کی کہ بار الہا بنی خثاعہ (نام ہے قبیلہ کا) نے مجھ پر ظلم و ستم کیا میرا حق مجھے لے لیا تو اب انہر اپنا فہر و غضب نازل فرما۔ اور وہ دس آدمی تھے اتفاقاً وہ ایک کنوئین میں تھے کہ وہ کنواں بھٹ پڑا اور وہ سب زندہ در گور ہوئے وہی اونکی قبر ہو گیا۔ شخص اول نے کہا بخدا مثل آج دن کے کہی ایسی عجیب بات نہیں سنی تمام ہوا موضع حاجت اس کو کتاب کا۔

(اب اس مقام پر یہ بھی) جاننا چاہیے خدا تمکو ارشاد و ہدایت کرے۔ جناب شیخ صدوق محمد بن بابوۃ رحمہ اللہ نے کتاب کمال الدین و تمام النعمہ میں لکھا ہے کہ حدیث بیان کی مجھے احمد بن ہارون قاضی نے اور جعفر بن محمد بن مسرور نے اور علی ابن الحسین بن سادوہ مؤذن رضی اللہ عنہم نے یہ سب کہتے ہیں کہ میں نے بیان کیا محمد بن عبد اللہ جعفر بن جامع حمیری نے اونہوں نے کہا کہ مجھے بیان کیا میرے باپ نے بسند محمد بن الحسین بن زیاد زیات کی روایت محمد بن سنان کی مفضل بن عمر سے۔ مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے تفسیر اس سورہ والعصر ان الانسان لفی خسر حضرت نے فرمایا کہ مراد العصر سے زمانہ خربج حضرت قائمؑ ہے ان الانسان لفی خسر

مراد ہمارے دشمن ہیں الا الذین امنوا - سے مراد یہ ہے کہ ہمارے آیات و علامتوں اور نشانوں کا ایمان رکھتے ہیں و عملوا الصالحات سے مراد ہے مواساة و نیکی برادران ایمانی سے و تواصوا بالحق سے مراد امامت ہے و تواصوا بالصبر سے مراد قدرت ہے۔ فرمایا اس کتاب کے مصنف (جناب صدوق رہ) نے کہ ایک گروہ قائل قدرت کا ہے (یعنی یہ زمانہ غیبت امام علیہ السلام زمانہ قدرت ہی) اور اس پر احتجاج لاتے ہیں اور اپنے جسم میں سمجھتے ہیں کہ امامت منقطع ہو گئی (اب اس زمانہ میں کوئی امام نہیں ہے) جس طرح نبوت و رسالت ایک نبی کے بعد دوسرے نبی تک اور ایک رسول کے بعد دوسرے رسول تک اسی طرح امامت بھی منقطع ہو گئی ہے۔ بی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے۔ پس اب میں کتابوں (یعنی محمد بن بابویہ جناب صدوق رہ فرماتے ہیں) اور خدا ہی توفیق کا عطا کرنے والا ہے کہ یہ قول مخالف ہے حق کے۔ اس لیے کہ بہت کثرت سے روایتیں وارد ہوئے ہیں کہ زمین خالی نہیں ہو سکتی حجت خراسی روز قیامت تک۔ اور نہ کہی خالی رہی ہے حضرت آدم علی نبینا و آلہ و علیہ السلام کے وقت سے اس وقت تک۔ اور یہ اخبار کثیرہ متابعین میں جنکا ذکر اس کتاب میں ہونے لیا ہے اور تمام فرقہ شیعہ اور ان کے طبقات میں مشہور و معروف ہیں جنکا کوئی انکار نہیں کرتا اور نہ جسکو کوئی مکرنا ہے اور نہ جسکی کوئی تاویل کرنا والا تاویل کرتا ہے۔ اور تحقیق ثابت ہے کہ زمین نہیں خالی ہوگی امام سے جو زندہ اور معروف ہو۔ خواہ ظاہر ہو یا مخفی ہو خواہ غائب و مستور ہو۔ اور ہمیشہ اجماع و اتفاق اس بات پر رہا ہے کہ یہی اختلاف نہیں ہوا اس زمانہ تک۔ پس سلسلہ امامت منقطع نہیں ہے اور نہ اسکا انقطاع جائز ہے بلکہ وہ سلسلہ امامت اس وقت تک متصل ہے اور متصل رہیگا جب تک رات دن متصل ہیں (محمد بن بابویہ شیخ صدوق رہ فرماتے ہیں) حدیث بیان کی مجھے میرے والد رحمہ اللہ نے کہ کہا مجھے سعد بن عبد اللہ نے کہا او نہون نے کہ بیان کیا مجھے محمد بن عیسیٰ بن عبید نے کہا او نہون نے کہ مجھے بیان کیا علی بن حکیم نے اور علی بن حسین نے بسند نا فخر الوراق ہارون بن خارجہ سے۔ ہارون ابن خارجہ کہتے ہیں کہ کہا مجھے ہارون بن سعد بجلی نے کہ اسمعیل (فرزند امام جعفر صادق) نے تو انتقال کیا بسکی طرف تم خیال رکھتے (کہ امام ہی ہونگے بعد امام جعفر صادق کے) اور حضرت امام جعفر صادق کبیر المنس ہیں زمانہ وفات اب قریب ہے تو تم لوگ بغیر امام کے رہ جاؤ گے (علوم ہوتا ہے کہ ہارون بن سعد بجلی شیعوں نہ تھا اسے بہت بے ادباناہ الفاظ سے تمہیر کی تھی میں نے ترجمہ ادب سے لکھا ہے) ہارون بن خارجہ کہتے ہیں کہ اس وقت میری سمجھ میں نہ آیا کہ اسکا میں کیا جواب دوں پس یہ حال پہنچے ابو عبد اللہ امام جعفر صادق سے بیان کیا اور اسکی گفتگو عرض کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا افسوس و افسوس و اللہ و اللہ یہ امر منقطع نہوگا جب تک کہ رات اور دن منقطع نہون۔ اب جو وقت تم اسکو دیکھنا تو اس سے کہنا کہ یہ موت بن جعفر علیہا السلام جو ان ہونگے انکی وہ تزیین کریں گے انکے اولاد ہوگی اور یہی موسیٰ بن جعفر انکے بعد انکے خلف و جانشین ہونگے انشاء اللہ تعالیٰ۔ پس حضرت ابو عبد اللہ نے فدا کی قسم کھائی ہے کہ یہ امر (امامت) منقطع نہوگا جب تک رات اور دن منقطع نہون۔ اور فترات رسولوں کے درمیان میں جائز تھی۔ اس لیے کہ رسول شریعت ملت و متحدہ ملت و بعض سے بعض کے نسخ کے لیے مبعوث ہوتے تھے۔ اور انبیاء و آلہ اس طرح نہیں ہوتے اور یہ ثابت

اونکے لئے نہیں ہوتی۔ اسلئے کہ اونکے سبب سے کوئی شریعت منسوخ نہیں ہوتی کوئی تجدید ملت نہیں ہوتی۔ اور یہ تحقیق ہم کو معلوم ہے کہ درمیان حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کے اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے درمیان میں اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان اور حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کے درمیان میں بہت کثرت سے انبیاء و اوصیاء ہوئے ہیں۔ اور یہ سب امر خدا کو یاد دلانے والے تھے اور حفاظت کرنے والے تھے اور پہنچانے والے تھے۔ اپنے انبیاء کی امت کو اودن چیزوں کو جو حقیقتاً نے اونکے نزدیک قرار دین تھیں و وصیتوں اور کتابوں اور علموں سے اور خدا کی طرف سے جو کچھ رسول لائے تھے۔ اور ہم بنی کا کوئی وصی ہوتا تھا جو اوسکے علوم و وصایا کی حفاظت کرتا رہتا تھا اور مذکور اوسکا رہتا تھا۔ پس جبکہ ختم کیا پروردگار عالم نے رسالت کو جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تو اب نہیں جائز ہے کہ زمین خالی رہے کسی وصی یا دی مذکر سے جو قائم رکھے اونکے امور کو اور پہنچائی اونکی طرف سے جو اوسکے سپرد ہوا ہے۔ حافظ رہے اوسکا جو اوسکی امانت میں دیا گیا ہے دین خدا سے۔ پس اسی سبب سے حق تعالیٰ نے امامت کو منقوۃ منظومہ متصلہ (سلسلہ وار) قرار دیا ہے جب تک کہ امر خدا متصل ہے۔ اسلئے کہ یہ نہیں جائز ہے کہ آثار انبیاء و رسل کے مٹ جائیں اور علم ہدایت شہم جناب رسالت تمامت جبک جائے۔ اور اونکی ملت و شریعت اور اوسکے فرائض و سنن و احکام منجائیں یا منسوخ ہو جائیں۔ یا دوسرے کے احکام اور اوسکی شریعت جاری ہو اسلئے کہ انکے بعد کوئی رسول اور نبی نہیں ہے (نبوت و رسالت کا انہر خاتمہ ہے)۔ اور امام نہ رسول ہے نہ نبی ہے اور نہ کسی شریعت و ملت کی طرف سے اسے شریعت و ملت محمد مصطفیٰ کے دعوت کرتا ہے تاکہ امام میں اور اوسکے بعد دوسرے امام میں فترت جائز ہو۔ پس فترات ایک رسول اور دوسرے رسول کے درمیان میں جائز نہیں۔ اور امامت میں فترتہ جائز نہیں ہے۔ پس اسی سبب سے واجب ہے کہ ضرور امام ہو کہ جسکے ساتھ حجت خدا تمام ہو۔ اور ایک رسول اور دوسرے رسول کے درمیان میں اگرچہ فترتہ جائز ہے لیکن واجب ہے کہ اس درمیان میں کوئی امام اور وصی ضرور ہوتا رہے تاکہ خدا کی حجت تمام ہو۔ اور وہ ادا کرتا رہے اپنے رسول کی جانب سے اوسکو جو خدا کی جانب سے وہ رسول لایا۔ اور لوگوں کو یاد دلاتا رہے اور آگاہ کرتا رہے جس چیز سے وہ غفلت کریں۔ اور بیان کرے اونسے جسکے وہ جاہل ہو تاکہ وہ سمجھیں اور جانیں کہ خدا نے اونکی مصلحت نہیں چھوڑا ہے اور اونکی یاد دہی سے اعراض نہیں کیا ہے۔ اور اونکو اونکے دین کے شبہ میں نہیں چھوڑا ہے۔ اور جو فرائض اونکے لیے مقرر کیے ہیں اونیں حیرت میں نہیں ڈالا ہے۔ پس نبوت و رسالت امر سنت ہے خدا کی جانب سے۔ امر امامت فرائض ہے اور سنت منقطع ہوئی ہے اور ترک اوسکا اکثر حالات میں جائز ہے۔ اور فرائض زائل نہیں ہوتی پس نہ منقطع ہونکے وہی (فرائض) بعد محمد مصطفیٰ ص کے۔

اور سب فرائض ان اور واجبات میں جو زیادہ جلیل و عظیم مرتبہ رکھتا ہے وہ امر امامت ہے جسکے سبب سے سب فرائض و سنن ادا ہوئے ہیں جسکے سبب سے کمال دین و تمام نعمت ہے۔ اور امام اہل آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ کیونکہ بعد حضرت کے بنی نہیں ہے۔ تاکہ اٹھائے کہیں

وہ بندوں کو ان کے دین کی حجت پر۔ اور ان کی سبیل نجات پر ان کو لازم رکھیں۔ اور بچائیں ان کو ان کے مقامات ہلاکت سے اور بیان کریں ان کے فرائض خدا کو جو بندوں سے چھوٹ گئے ہوں۔ اور کتاب خدا سے ان کی ہدایت امور رشہ میں کرتے رہیں۔ تاکہ دین ان کے سبب سے محفوظ رہے اور نہیں شبہ نہ عارض ہو۔ اور ان کے سبب فرائض خدا ادا ہوں اور نہیں باطل نہ داخل ہو۔ اور احکام خدا جاری رہیں جن کو تبدیل نہ لاحق ہو اور جن کو تغیر نہ زائل کر سکے۔ پس رسالت اور نبوت سنن ہیں۔ اور امامت فرض ہے۔ اور فرائض خدا جو جناب محمد مصطفیٰ کے سبب سے ہمہ جاری ہوئے وہ ہمہ لازم ہیں ہمہ ثابت ہیں نہ وہ منقطع ہونگے اور نہ وہ متغیر ہونگے اور نہ بدلیں گے روز قیامت تک۔ باوجود ان باتوں کے ہم اون اخبار کو جو وار و موعود ہیں۔ کہ درمیان حضرت عیسیٰ اور جناب محمد مصطفیٰ کے زمانہ فترت تھانہ کوئی نبی اور مبین تھا اور نہ وصی۔ رو نہیں کرتے اور ان کا انکار نہیں کرتے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ یہ اخبار صحیح ہیں لیکن تاویل اس کی وہ نہیں ہے جس کی طرف ہمارے مخالفت کمی ہیں کہ انقطاع ہو گیا تھا انبیاء اور آئمہ اور رسولوں کا۔ بلکہ معنی فترت یہ ہیں کہ اوس درمیان میں کوئی رسول و نبی اور وصی بنی ظاہر و مشہور نہ تھا جس طرح سابق میں تھے۔ اور اسی امر پر کتاب منزل من اللہ (ہم) حالات کر رہی ہے کہ مبعوث کیا محمد مصطفیٰ کو حین فترۃ من الوسل (اوسوقت جب فترۃ رسولوں سے تھا) نہ فترۃ و خلونیون اور وصیوں سے تھا۔ درمیان بعثت حضرت کے اور درمیان حضرت عیسیٰ کے انبیاء اور آئمہ تھے اگرچہ پوشیدہ و مستور تھے۔ اور نہیں میں سے خالد بن سنان عیسیٰ بنی تھے۔ جن کی نبوت کو نہ کوئی رد کرنے والا رد کرتا ہے اور نہ کوئی منکر انکار کرتا ہے کیونکہ برابر اخبار متواترہ خاص و عام سے اس بارہ میں موجود ہیں اور سب کے نزدیک مشہور ہے۔ اور ان کی بیٹی نے زمانہ جناب رسالت پاپا اور حضرت کے پاس آئیں۔ اور ان کی بعثت میں اور ہمارے نبی کی بعثت میں پچاس سال کا زمانہ گزرا تھا۔ اور وہ خالد بن سنان بن بغیث بن مرکیطہ بن فخرم بن مالک بن غالب بن قطیعہ بن عبس تھے تمام ہوا موضع حاجت (کتاب کمال الدین و تمام النعمت مکتبہ جناب صدوق سے) پھر اسکے بعد جناب صدوق علیہ الرحمۃ نے ایک کلام طولانی اپنی اشیات مطلوب میں ذکر فرمایا ہے۔ اور جب یہ تمکو معلوم ہو چکا تو بنا برائے میں کتابوں کہ فترت اودن معنوں سے جو قبل بعثت بنی تھی اس زمانہ میں بھی یعنی زمانہ عینیت امام ۱۲ میں بلکہ اکثر اماموں کے زمانہ میں بھی حاصل ہے۔ اس لیے کہ وجود حجت خدا جس طرح اس زمانہ میں ثابت ہے لیکن غائب و مشہور ہیں اوسی طرح قبل بعثت نبی صہ بھی ثابت ہے۔ پس اگر ہم اسکے قایل ہوں کہ اہل فترت کو دار دنیا میں تکلیف نہیں ہے جیسا کہ وہ مقتضا ہے اودن اخبار و احادیث کا جس نے تکلیف اہل فترت دار آخرت و روز قیامت میں نکلتی ہے تو لازم آتا ہے کہ ہم بھی اس زمانہ میں مکلف نہ ہوں اور یہ باطل ہے باتفاق سب کا اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں ہم ضرور مکلف ہیں (تو اب یہ بات معین ہو گئی کہ اودن احادیث کو ان کے ظاہر کے خلاف پر حمل کریں) اور محمل صحیح اوس کے سابق میں بیان ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ مقتضا ہے ادلہ قطعیہ و براہین یقینیہ کا یہ ہے کہ تکلیف اودن مسائل اصولیہ و فروعیہ کے جن کے احکام کا

کریں جو۔ واجب الوجود ہو۔ واجب الوجود ہونے میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔ الہ واحد (جو مستحق عبادت ہو) ثابت کریں۔ اور جو جو خدا ٹھہرائے جاتے ہیں انکی نفی ہو کہ سوائے اس کے کوئی خدا نہیں ہے۔ اس عالم کے پیدا کرنے والے کا اثبات کریں۔ اس عالم کے پیدا کرنے میں کوئی اس کا شریک نہیں ہو۔ اور یہ باتیں نہیں ہو سکتیں جب تک کہ ہم پہلے وجود کے معنوں کا خیال نہ کریں اور اسکی تحقیق اور جو اس سے متعلق ہے اس سے بحث کریں۔ پس اسی سبب سے ضرورت ہوئی کہ یہ مقدمہ اس کے معنوں اور تحقیق میں قرار دیا جائے۔ مقدمہ بیان بد اہت معنی وجود میں فی الجملہ۔ جاننا چاہیے کہ اکثر محققین حکماء و متکلمین بلکہ صوفیین بھی اور شیخ الرئيس ابوعلی اور رازی اور حکیم محقق طوسی علیہ الرحمۃ اور ان کے سوا اور سب کہتے ہیں کہ تصور وجود کا بدیہی ہے اس طرح پر کہ اپنے اعداد اور سب سے امتیاز اس کا ہوتا ہے۔ اور وجدان سلیم اور فہم مستقیم اس کا حکم لگاتا ہے۔ اس لیے کہ ہر شخص افراد انسان سے بیان تک کہ بیوقوف اور بچے تک وجود کے معنی سمجھتے ہیں۔ جبکہ فارسی میں ہستی کہتے ہیں (اور اردو میں۔ ہونا) اور حکم کیا جاتا ہے کہ مثلاً زید گہر میں ہے اور موجود ہے یا موجود نہیں ہو بلکہ ممکن ہے کہ دعوا کریں کہ ہائم جو پائے اور حیوانات حشرات الارض بھی سب کے سب وجود کے معنی سمجھتے ہیں) اور اپنی طبیعت کے موافق کسی چیز کا ہونا یا اپنے مخالف کا ہونا یا نہ ہونا سمجھتے ہیں۔ شیخ الرئيس نے شفا میں کہا ہے۔ اشیاء اولیہ (جن کے حصول میں دلیل و نظر کی ضرورت نہ ہو) جو خود تصور ہوتے ہیں۔ وہ چیزیں تمام سب امروں کے لیے عام و شامل ہیں۔ جیسے موجود۔ شے۔ واحد۔ وغیرہ۔ اسی سبب سے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انہیں سے کسی کا بیان کیا جائے اور اوسمیں دور لازم نہ آئے (کہ ہر اولیٰ پیر کر وہی بیان میں آئے) یا کسی زیادہ روشن و زیادہ معروف و مشہور سے بہ نسبت اس کے اسکی تعریف کی جائے۔ اور اسی سبب سے جسے قصد کیا کہ انہیں سے کسی کی تعریف کرے اور کسی کا بیان کرے وہ ضرور اضطراب میں پڑا۔ مثلاً جو شخص کہتا ہے کہ حقیقت کی موجود ہے کہ فاعل و منفعل ہو (کسی میں یہ اثر کرتا ہو اور کسی نے اسمیں اپنا اثر کیا ہو) یہ بات تو ضرور موجود میں ہوتی ہے لیکن فاعل (اثر کرنے والا) منفعل (جس نے اثر قبول کیا) یہ تو دونو موجود ہے کے متمون سے ہیں بلکہ موجود تو زیادہ معروف و مشہور ہے فاعل و منفعل سے (اور لوگ جاہل تک موجود کو تو سمجھ جاتے ہیں اور فاعل و منفعل کو کچھ ہی نہیں سمجھتے کہ موجود کو فاعل و منفعل ہی ہونا واجب ہے۔) شیخ ابوعلی سینا کہتے ہیں (جبکہ تو اس وقت تک یہ صاف نہیں معلوم ہوا مگر محض قیاس سے پس کیا حال کہا جائے اس شخص کا جو قصد کرتا ہے بیان کا کسی ظاہر شے کے اسکی اوس صفت سے جو خود محتاج بیان ہے اور جبکہ وجود خود اوسی شے کی طرف منسوب ہے۔ اور اسی طرح (تعریف شے میں) قول اس شخص کا جو کہتا ہے کہ شے وہ چیز ہے جس سے خبر دینا صحیح ہو۔ اور ظاہر ہے کہ صحت اور صحیح ہونا یہ شے سے معنی تر ہے اور خبر بھی خود اخفی ہے شے سے (اور یہ بھی دونو متمین ہی ہیں شے کی)۔ پس ان الفاظ سے کیونکر شے کی تعریف ہو سکتی ہے۔

بلکہ خود صحت و خبر کی تعریف میں شے اور ماوراء امر وغیرہ استعمال کیا جاتا ہے جو گویا مرادون شے کے نام کی ہے۔ تو اب کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ شے کی تعریف حقیقی کرین اور اس سے جسکی تعریف خود شے ہی سے کی جاتی ہے۔ ہاں اس طرح کہی تنبیہ ہو جاتی ہے مگر تعریف حقیقی نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ اگر کہیں کہ الشئ هو ما یصح الخبر عنه (شے وہ ہے جس سے خبر دینا صحیح ہو) تو گویا یہ کہا الشئ هو الشئ الذی یصح عنه الخبر (شے وہی وہ شے ہے جس سے خبر دینا صحیح ہو) کیونکہ ہاں الذی۔ اور الشئ کے معنی ایک ہی ہیں۔ تو یہ بات ہوئی کہ شے کی تعریف شے ہی سے کی گئی۔ مگر ہم اسکا انکار نہیں کرتے کہ باوجود فنا و تعریف کے۔ ایک طرح کی تنبیہ اور آگاہیت تو ضرور اس سے ہو جاتی ہے۔ اور ہم کہتے ہیں معنی موجود اور معنی شے کا تصور فی نفسہ ہو جاتا ہے۔ اور یہ دونوں ضرور دو معنی ہیں۔ پس موجود۔ اور مثبت۔ اور محصل۔ یہ اسم مترادف ہیں ایک ہی معنی کے لیے (یعنی ایک چیز ہیں)۔

اور اس میں شک نہیں ہے کہ جو اس کتاب کو پڑھنے کا ضرور انکے معنی اور اسکے نفس میں حاصل ہو جائے۔ تمام ہوا کلام شیخ رئیس۔ اور اسی طرح اور (محققین) نے ہی کہا ہے۔ اور قول رئیس کا نقل کر دینا کافی ہے۔ اور اسی طرح سے اکثر محققین نے کہا ہے کہ یہ ہی بدیہی ہے کہ وجود کی ماہیت ہی بدیہی ہے۔ مگر خیر از می نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

لیکن جزم کرنا۔ وجود کے تصور بکنہ کی ہدایت پر یہ سیر و دشوار ہے۔ کیونکہ اس وقت تک امکان اور اسکے تصور بکنہ کا (کہ کنہ و حقیقت و ماہیت وجود کا تصور کر سکیں) ثابت ہی نہیں ہوا ہے چہ جائیکہ اسکے بدیہی ہونے کو کہا جائے۔ اور اب اس مقام میں تین مسئلہ ہیں۔

مسئلہ۔ وجود باری تعالیٰ کی کیفیت و حالت میں مشکلیں و حکما و صوفیوں میں اختلاف واقع ہو۔ پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وجود ممکن کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وجود زائد ہے ممکن کی ماہیت پر ذہن میں اور خارج میں وجود عین ماہیت ہے یعنی خارج میں کوئی تیسرے وجود میں اور ماہیت میں نہیں ہے اور اسکی تصریح شایع مقاصد نے ہی کی ہے۔ (اس اتفاق کے بعد) اختلاف کیا ہے بہ نسبت وجود باری تعالیٰ کے۔ پس مشکلیں کے نزدیک یہ ہے کہ باری تعالیٰ کے لیے ذات و حقیقت ہے جو عقل سے دریافت نہیں ہو سکتی اور وہ ذات خود بالذات مقتضی ہے وجود خاص کی جو مغائر ہے ذات کی بحسب مفهوم کے ذہن میں نہ وجود خارجی میں مثل ممکنات کے۔ اور حکما و فلاسفہ کے نزدیک یہ ہو کہ ماہیت و حقیقت ذات باری تعالیٰ وجود خاص ہے جو قائم بذاتہ ہے ذہن و خارج دونوں میں اور اسکو احتیاج اسکی نہیں ہے کہ کسی فاعل نے اسکو پیدا کیا ہو یا کسی محل کا محتاج ہو کہ اس میں قائم ہو۔ اس وجود کی حقیقت تمام ممکنات کے وجود کی حقیقت سے مخالف ہے۔ اگرچہ مشارکت رکھتا ہے اور ممکنات سے اس طرح پر کہ وجود مطلق کو عارض ہے۔ اس وجود باری کو تعبیر کرتے ہیں وجود بحت (خالص) سے اور وجود بشرط لاشے (یعنی وجود اس شرط سے کہ کوئی شے اسکے ساتھ ہو) یعنی وہ وجود محض ایسا ہے کہ کسی ماہیت میں قائم نہیں ہے

اگرچہ عقل ہی میں ماہیت سے قائم ہو (ایسا ہی نہیں) جیسا کہ وجود ممکنات میں ہے (کہ عقل اور ذہن میں ماہیت میں قائم ہے اور وہ ماہیت وجود سے علیحدہ شے ہے کہ خارج میں کوئی فرق وجود و ماہیت میں نہیں بخلاف وجود باری تعالیٰ کے کہ وہ وجود ہی وجود ہے کوئی ماہیت اس کے علاوہ نہیں ہے نہ ذہن میں نہ خارج میں یہ قول حکما و فلاسفہ کا ہے) اور نزدیک صوفیہ کے جو موقدہن یہ ہے کہ واجب تعالیٰ وہی وجود مطلق ہے اور وجود مطلق یہ واحد شخصی ہے (جسکی ماہیت میں فرق نہیں ہے) اور خود بخود موجود ہے۔ اور (اوس واحد شخص میں) یہ کثرت اور فرق جو موجودات میں معلوم ہوتا ہے یہ اصنافوں اور نسبتوں کے سبب سے ہے (جیسے وجود زید کا وجود عمر کا ایسی نسبت سے امتیاز و فرق ہوا و اگر نہ سب موجودات اور خدا کا وجود ایک ہی ہے) اور انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اسکی توضیح کیجائیگی۔

دوسرا مسئلہ۔ دلیل تکلیف کی۔ اور بیان اسکا یہ ہے کہ اگر وجود واجب خالی ہوتا ماہیت سے اور مقارن ماہیت ہوتا تو اس صفت کا حصول اگر اس کے لیے خود اپنی ہی ذات کے سبب سے ہو تو چاہیے کہ تمام موجودات ایسے ہی ہوں کیونکہ مقتضائے ذات سے مختلف و علیحدگی نہیں ہو سکتی پس لازم آئیگا تعدد واجب کا (بلکہ لازم آئیگا کہ سب ہی موجودات واجب ہو جو ہوں) اور اگر اس صفت کا حصول (تجربہ و ماہیت سے) اس کے غیر کے سبب سے ہے تو لازم آئیگی احتیاج واجب الوجود کی اپنے وجوب میں غیر کی طرف۔ جواب اسکا یہ ہے کہ (یہ صفت تجرد) بالذات اسکو حاصل ہے اور سب اسکا وہی وجود خاص ہے جسکی حقیقت تمام موجودات کی حقیقت سے مخالف ہے۔ اور یہی مستحکم اور دلیل اور نہیں تکلیف کی ہے۔ کہ واجب تعالیٰ مبداء ہے تمام ممکنات کے پس اگر وجود مجرد ہو تو یہ مبداء ممکنات ہونا اگر اوسی وجود کی ذات کے سبب سے ہو تو لازم آئیگا کہ ہر موجود اسی طرح پر مبداء ممکنات ہو۔ اور یہ محال ہے اس لیے کہ محال ہے کہ وجود زید کا مثلاً خود اپنے ہی وجود کی علت ہو بلکہ اپنی علتوں کی علت ہو۔ اور اگر اپنی ذات کی سبب مبدائیت ہو بلکہ وجود ساقی قند تجرد کے مبداء ہو تو لازم آئیگا مبداء کا مرکب ہونا بلکہ عدم اسکا لازم آئیگا۔ اس لیے کہ ایک جز اسکا یعنی تجرد (اور خالی ہونا ماہیت سے) یہ صفت عدمی ہے۔ اور اگر بشرط تجرد ہو کہ (تجرد کو قید و داخل و جز قرار دین) تو لازم آئیگا کہ جائز ہو ہر وجود کا مبداء ہونا واسطے ہر وجود کے مگر یہ کہ بیان وہ شرط مبدائیت پائی جائے۔ اور یہ معلوم ہے کہ کسی شے کا ہی مبداء ہونا اپنی ذات کے لیے اور اپنی علتوں کے لیے بالذات ممنوع و محال ہے نہ اس سبب سے کہ شرط مبدائیت کی نہیں پائی جاتی۔ اور جواب اسکا یہ ہے کہ یہ مبدائیت اوسکی اوسی وجود ہی کی ذات کے سبب سے ہو جسکی ماہیت مخالف ہے تمام موجودات کی حقیقت و ماہیت کی پس لازم نہ آئیگا کہ ہر وجود اسی طرح مبداء ہو۔ اسی طرح تکلیف نے اور بھی وجہیں لکھیں ہیں اپنے مستحکم میں اور مناسب کا یہ ہے کہ وجودات خاصہ میں اور اوس وجود مطلق میں جو سب کو عارض ہے فرق نہیں کیا (حالانکہ اس میں فرق ہے) اسی سبب سے بننے اسے بیان پر اقتصار و اختصار کیا۔

اور امام رازی نے ایک دلیل اور کے مطلوب پر بیان کی ہے اور خیال کیا اپنے زعم میں کہ اسپر وہ اعراض نہیں ہوتے سقزیر او سکی یہ ہے کہ وجود طبیعت نوعیہ ہے۔ (جسکی ماہیت نہیں بدلتی فقط عوارض کے سبب سے اس کے افراد میں فرق ہوتا رہتا ہے) اس لیے کہ تھے بیان کیا کہ وجود کا مفہوم واحد ہے اور سب میں مشترک ہے۔ اور طبیعت نوعیہ اپنے لوازم سے جدا نہیں ہوتی بلکہ جو ایک فرد کے لیے واجب ہوتا ہے وہی دوسری فرد کے لیے ضرور لازم ہوتا ہے کیونکہ مقتضی سے مقتضا اور موثر سے اثر جدا نہیں ہوتا۔ اور اسی پر بہت سے قاعدوں کی بنائے رکھی ہے۔ پس وجود اگر اقتضا کرے عارض اور لا عرض کی (یعنی ماہیت سے مقارن ہو یا تجرد و خالی رہے) تو واجب و ممکن دونوں میں یہ بات ہوگی۔ اور اگر مقتضی کسی شے کا ان دونوں عارض و لا عرض سے ہوگا تو محتاج ہوگا واجب اپنے وجوب میں طرف سے منفصل و امر خارج کے۔ اور جواب اسکا یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ وجود کی طبیعت نوعیہ ہے۔ اور خالی اتحاد مفہوم میں باعث اسکا نہیں ہے کہ طبیعت نوعیہ ہو۔ کیونکہ یہ جائز ہے کہ مفہوم واحد اور بہت سی چیزوں پر صادق آئے جس کے حقیقت و لوازم مختلف ہوں۔ جیسے نور کہ وہ صادق آتا ہے نور شمس وغیرہ پر باوجودیکہ وہ نور شمس مقتضی ہے الصبا را عشی کا (جسکو رتوندی ہو رات کو نہ دیکھ سکتا ہو وہ نور شمس میں آفتاب کی روشنی میں دیکھنے لگتا ہے) بخلاف تمام نوروں کے (کہ مثلاً چاند کی روشنی یا چراغ کی روشنی رتوندی والے کو مفید نہیں ہوتی) پس جائز ہے کہ وجودات خاصہ کی حقیقتیں مختلف ہوں۔ وجود واجب تعالیٰ کے لیے تجرد واجب ہو اور ماہیت سے ملنا ممتنع ہو۔ اور ممکن بالعکس (ماہیت سے مقارنت اور ملنا واجب ہو اور تجرد ممتنع ہو) اور اشتراک رہے صدق مفہوم وجود مطلق میں سب وجودات خاصہ پر جس طرح عرضی لازم اپنے معروضات لازمہ پر صادق آتا ہے جیسے نور کا اطلاق سب نوروں پر ہوتا ہے۔ نہ مثل صدق ذاتی کے ایسے نہ مثل حقیقت کے تاکہ طبیعت نوعیہ قرار پائے جیسے انسان اپنے افراد کے لیے۔ یا معنی جزر ماہیت کے کہ ترکیب لازم آئے مثل حیوان کے اپنے انواع کے لیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ فرق نہ کیا اور چیزوں میں جسکی حقیقتیں مختلف ہوں اور ایک مفہوم عرضی میں شریک ہوں اور ان چیزوں میں جسکی حقیقتیں متفق ہوں یا جز ذاتی کے مفہوم میں شریک ہوں۔ (حالانکہ مفہوم عرضی کے اشتراک اور ذاتی کے اشتراک میں فرق ہے)۔

فیہ مسئلہ۔ بیان متمسک و حجت حکما میں۔ فلاسفہ و حکماء نے بیان کیا ہے۔ کہ وجود واجب اگر اسکی ذات و ماہیت سے زائد ہوگا تو لازم آئیگا۔ ایک ہی شے کا قائل و فاعل ہونا ایک ہی وقت میں نہ وجود شے کا مقدم ہونا اپنے ہی وجود پر۔ اور اسکا محال ہونا ضروری و بدیہی ہی ہے۔ وجود واجب کے زائل ہونے کا ممکن ہو جانا۔ اور یہ بھی ضروری محال ہے۔ بیان ان سب کا یہ ہے (بیان پہلے امر کا) ماہیت قابل ہے کہ وجود اسکو عارض ہوتا ہے اور فاعل بھی ہوگی اس سبب کہ خود اسکی مقتضی ہی ہے۔ (بیان دوسرے امر کا) وجود اسوقت محتاج ہوگا ماہیت کا جیسے عارض کو احتیاج ہوتی ہے معروض کی پس وجود ممکن ہوگا کیونکہ یہ محتاج ہوا غیر کا اور جب ممکن ہوا تو محتاج ہوا علت کا اور ماہیت اسکی علت ہے نہ غیر کیونکہ یہ محال ہے

کہ واجب تعالیٰ محتاج ہو غیر کا اور جو علت ہوتی ہے وہ ضروری مقدم ہوتی ہے اپنے معلول پر پس ماہیت اپنے وجود کے ساتھ مقدم ہوگی اپنے وجود پر (بہان تیسرے امر کا) اور وجود جبکہ محتاج ہوا غیر کا (یعنی ماہیت کا) تو ممکن ہوا۔ اور جب ممکن ہوا تو اس کا زوال ذات واجب تعالیٰ سے ممکن ہوا۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ پہلی بات کو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ محال ہو ایک ہی شے کا فاعل و قابل ہونا۔ اور دلیل اس کے نادرست ہے۔ دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے ماہیت کا وجود کے ساتھ ہی مقدم ہونا اپنے وجود پر۔ اور یہ جب لازم آتا ہے۔ کہ جب علت کا وجود کے ساتھ مقدم ہونا اپنے معلول پر لازم ہوا اور یہ ممنوع ہے اور دعوائے ضرورت و بیداہت اسمین مسموع نہیں ہے۔ بلکہ ضروری یہ ہے کہ علت مقدم ہوتی ہے اپنے معلول پر اس وجہت میں جس وجہت سے وہ علت ہو۔ اگر علت جہت وجود ہے تو وجود کے ساتھ مقدم ہوگی اور اگر علت جہت ماہیت ہے تو ماہیت کی جہت سے مقدم ہوگی۔ اور مثال اسکی وہ لوازم ہیں جو نفس ماہیت کی طرف مستند ہوتے ہیں اور نسبت پاتے ہیں کہ ماہیت کی ذات ہے ذات بغیر اعتبار وجود و عدم کے اور لوازم پر مقدم ہوتی ہے۔ جیسے ثلثہ اور تین نظر طرف فرویت اور طاق ہونیکے (کہ ماہیت ثلثہ مقتضی فردیت ہے خواہ وجود ماہیت پتیا ہوا ہو) اور یہ مثل قابل (قبول کر نیوالا) کے ہے کہ تقدم اس کا مقبول پر ضروری ہے لیکن کہی تقدم ہوتا ہے ماہیت ہی ماہیت کی جہت سے بلا اعتبار وجود و عدم وجود کے جیسے ماہیتین ممکنات کی اپنے وجود کے لیے۔ (یعنی یہ نہیں ہے کہ ممکنات کی ماہیات وجود سے علیحدہ کہیں نہیں کہ وجود سے ملا کر موجود کر دی گئیں بلکہ اثر فاعل اور پیدا کرنے والے کا یہی ہے کہ وہ شے ممکن خارج میں موجود ہو گئی اور کوئی امتیاز اس ماہیت و وجود میں خارج میں نہیں تھا اور نہ تقدم تھا محض عقل ہی میں امتیاز ہوتا ہے کہ ممکن کی ماہیت غیر وجود ہے اور وہ ماہیت ممکن قابل وجود ہے اور ماہیت قابلیت کی راہ سے مقدم ہے وجود سے نہ کہ وجود ماہیت اور ماہیت موجودہ مقدم ہے)۔ اور تیسرے امر کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ وجود جب محتاج ہو ماہیت کا تو ممکن الزوال ہوگا نظر طرف ذات کے اور یہ تو جب لازم آتا کہ جب ذات اسکی مقتضی نہوتی۔ اور مراد واجب الوجود سے اور کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ متلغ ہے زوال اس کا نظر طرف ذات کے اور یہ مضر اسکو نہیں ہے کہ اس کے وجود کو احتیاج اسکی ذات کی ہو۔ اس طرح پر شرح مقاصد میں لکھا ہے۔

اب جانتا چاہیے کہ جو میں کلام آئمہ علیہم السلام سے سمجھا ہوں اور یہی مذہب المائتہ عشریہ ہے وہ یہ ہے کہ واجب تعالیٰ اپنے کو وجود و حتی و عالم ہونے میں اور اس کے سوا اور صفات ذاتیہ میں سوائے اپنی ذات کے کسی کا محتاج نہیں ہے یہاں تک کہ وجود و صفات و علم جو غیر ذات ہے کسی کا بھی محتاج نہیں ہے بلکہ وہ بنفس ذات خود موجود ہے اور بنفس ذات عالم وحی وغیرہ پر پس جب یہ حال ہے تو کوئی شک اسمین نہیں ہے کہ اوپر صادق آتا ہے کہ وہ موجود بھی ہے اور وجود بھی یعنی اس کے سبب سے موجودیت ہے۔ بخلاف ممکن کے کہ اوپر صادق آتا ہے کہ موجود ہے اور یہ صادق نہیں آتا کہ وجود ہے یعنی اس کے سبب سے موجودیت ہے کیونکہ اسکی ذات اپنے نفس کی

موجودیت کا سبب نہیں ہے والا لازم آتا کہ وہ واجب ہو نہ ممکن۔ اسی طرح صادق آتا ہے خدا پر
 کہ وہ عالم بھی ہے اور علم بھی ہے یعنی مبدء انکشاف و سبب ظہور ہے بخلاف ممکن کے کہ وہ عالم
 ہو اور علم نہیں ہے یعنی مبدء و سبب انکشاف نہیں ہے بلکہ مبدء علم ممکن میں وہ علمی صورتیں ہیں جو
 اس کی ذات سوزا نہیں اور اسی طرح سے حال حیات کا اور تمام صفات کا ہے۔ اور گویا یہی مراد ہے
 اس حدیث سے جو کتاب التوحید میں اپنی سند کے ساتھ ہشام بن سالم سے مروی ہے ہشام کہتے
 ہیں میں حاضر خدمت باریک حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر صادقؑ ہوا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ تم صفات
 قرار دیتے ہو۔ میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا بیان کرو میں نے عرض کیا خدا سمیع و بصیر ہے حضرت
 نے فرمایا کہ اس صفت میں تو اور مخلوقات بھی شریک ہیں میں نے عرض کیا کہ ہر کیونکر صفات بیان
 کروں۔ فرمایا ہوں نور لا ظلمۃ فیہ و علم لا جہل فیہ و حق لا باطل فیہ (وہ نور ہے جس میں
 ظلمت نہیں وہ علم ہے جس میں جہل نہیں وہ حق ہے جس میں باطل نہیں) ہشام کہتے ہیں کہ جب میں
 وہاں سے باہر نکلا تو مجھے زیادہ کوئی عالم مسئلہ توحید نہ ہتا (یعنی ایسی توحید خالص کا یا بند
 ہوا کہ مجھے شاید کوئی زیادہ ایسا خالص اعتقاد نہ رکھتا ہوگا) ۵ فرمایا ہے جناب مولانا مجلسیؒ
 نے بجا زمین کہ مراد نور سے وجود ہے کہ وہ منشاء ظہور ہے۔ پس سزاوار فلاں ہے صاحب
 فطنت و صاحب وریع و تدین کو جو دین کا یا بند ہو کہ اس حد سے تجاوز نہ کرے اور اپنے نفس کو
 مملکہ میں نہ ڈالے اس لیے کہ عقول ناقصہ و ضعیفہ کے لیے اس سے زیادہ اور ترقی کرنے کی کوئی
 راہ نہیں ہے۔ اور افکار فلسفہ اور ان کے تخیلات سے کچھ مرض جہل کو فائدہ نہیں ہو سکتا اور نہ
 تشنہ تحقیق سیراب ہوتا ہے۔ اور جو شخص پوری بحث دیکھنا چاہے اور مذہب صوفیہ کی سیر
 دیکھنا منظور ہو اور وحدت وجود پر جو ادھون نے اپنے نزدیک دلیل لکھی اور جو اس پر اعتراض
 ہیں تفصیل سے معلوم کرنا چاہیے اور سکو چاہیے کہ ہماری کتاب شہاب ثاقب کی طرف رجوع کرے
 یہ ساتواں مقدمہ آخر مقدمات ہے جن کا قبل شروع مسائل توحید ذکر کرنا مقصود تھا۔ اب ہم
 مسائل میں اس مقصد (توحید) کی شروع کرتے ہیں اور خدا سے استعانت طلب کرتے ہیں۔
 الحمد للہ علی احسانہ ترجمہ مقدمات سب سے تمام ہوا گویا انہیں مقدمات میں جناب جدی العلام
 اعلیٰ الشہ مقامہ نے تمام مسائل و اعتقادات امامیہ اثنا عشریہ کو نہایت تحقیق و استدلال سے ذکر کر دیا ہے
 جو شخص ان ساتوں مقدموں کو نظر غور و تامل سے دیکھے گا اور انصاف کرے گا اس کے لیے یہ کافی ہے توحید
 خالص۔ صفات خدا علم و قدرت وغیرہ و غیرہ عدل و حسن و قبح اشیاء و اختیاریت افعال عباد و غیرہ نبوت
 و عصمت انبیاء امامت و بیان غیبت و معاد و حشر و نشر بلکہ اکثر فروعیات بلکہ بیان اختلاف اخباری و اصولی
 و ضرورت اجتہاد و تقلید کو نشی شے ان مقدمات میں ذکر نہیں ہوئی صاحب بصارت و بصیرت کے لیے بہت
 کافی و وافی ہے۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو توفیق عطا کرے کہ میں تمام کتاب کا ترجمہ حضرات مومنین
 کی خدمت میں پیش کر سکوں و التوفیقی الا باللہ